420

# تجلیات ہدایت

( ترجمه اردو )

مجموعه تقارير آية الله
سيد محمد علي ابن الرضا خوانساري (دامت برکاته)

10,006
ACC No. 11,028 16/2/10
Section رضوی تجلیات
D.D. Class
NAJAFI BOOK LIBRARY

786
1680

# تجلیات ہدایت

مجموعہ تقاریر

آیۃ اللہ سید محمد علی ابن الرضا خوانساری (دامت برکاتہ)

مترجم

نثار احمد زین پوری

ابن الرضا خوانساری، محمد علی،
تجلیات ہدایت: مجموعہ تقاریر آیۃ اللہ سید محمد علی ابن الرضا خوانساری/ محمد علی ابن الرضا خوانساری؛ مترجم نثار احمد زین پوری۔ قم:
انصاریان، ۲۰۰۷۔
۶۰۸ص۔
ISBN: 978-964-438-914-6
عنوان اصلی: انوار فروزان ہدایت۔
۱. چہاردہ معصوم۔ ۲. امامت۔ الف. زین پوری، نثار احمد، مترجم۔ ب. عنوان۔
۸۰۴۶الف۲الف/BP۳۶
۲۹۷/۹۵

# تجلیات ہدایت (ترجمہ اردو)

مجموعہ تقاریر آیۃ اللہ سید محمد علی ابن الرضا خوانساری (دامت برکاتہ)

ترجمہ: نثار احمد زین پوری
ناشر: انصاریان پبلیکیشنز
طبع اول: ۲۰۰۷_۱۴۲۸_۱۳۸۶
چھاپخانہ: قدس
تعداد صفحات: ۶۰۸ص۔
تعداد: ۲۰۰۰
سایز: mm۲۲۹x۱۶۲
ISBN: 978-964-438-914-6

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

انصاریان پبلیکیشنز
پوسٹ بکس نمبر ۱۸۷
قم۔ جمھوری اسلامی ایران
فون نمبر: ۷۷۴۱۷۴۴ ۷۷ فیکس نمبر: ۷۷۴۲۶۴۷_۲۵۱_۰۰۹۸
Email: ansarian@noornet.net
www.ansariyan.org&www.ansariyan.net

بسم الله الرحمٰن الرحيم

الحمد لله رب العالمين

و الصلاة و السلام علیٰ سيدنا و نبينا

# ابی القاسم محمد

و علیٰ آله الطيبين الطاهرين المعصومين

و لعنة الله علیٰ اعدائهم اجمعين

من الآن الیٰ قيام يوم الدين

# پیشگفتار

ہم مدتوں سے اس فکر میں تھے کہ کیا اس زمانہ میں:

کچھ ایسے افراد ہیں جو (کونوا دعاة الناس بغیر السنتکم)، ''من اصبح ولم یھتم بامور المسلمین فلیس بمسلم''، ''وبالاسحارھم یستغفرون'' وغیرہ جیسے مضامین و معانی کے مصداق ہوں؟

کیا ایسے لوگ موجود ہیں جو علم و تقویٰ اور پاک طینت میں ''مُشَار بالبنان و مسلم بینَ الاقران'' ہوں۔

ہم متوجہ ہوئے کہ ایسے افراد ہیں لیکن ہم انھیں نہیں پہچانتے اور شاید ان کو پہچاننے کی صلاحیت و استعداد نہیں رکھتے۔ کیونکہ خداوند عالم ''عالم الغیب و الخفیات'' ہے، وہی ہے جو افراد کی ذات سے آگاہ اور ہر شخص کے دل کی باتیں اور فکر سے باخبر ہیں مگر وہی رؤف و رحیم پروردگار جو ہمیں اس طرح کے امر کی ہدایت فرمائے۔

اس کے بعد ہم اس فکر میں تھے کہ:

کیا ہم نے کبھی معنوی اقدار کے سلسلہ میں سوچا ہے؟ کیا ہم نے اپنے وقت کا کوئی لمحہ اس سلسلہ میں فکر کرنے کے لئے خرچ کیا ہے کہ اقدار کو کن معیار کے ساتھ تولا جاتا ہے؟ اور کس میزان کے ساتھ ان کا موازنہ کیا جاتا ہے؟

کبھی ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ بعض افراد کی قدر واہمیت اس کے کاموں کے ذریعہ معین و مشخص نہیں کی جاسکتی، کیونکہ بعض کام اور آثار قدر واہمیت سے زیادہ بلند و بالا اور موازنہ کے قابل نہیں ہوتے۔ مثال کے طور پر ہم بعض مقامات پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ فلاں کتاب، فلاں تحریر اور فلاں اثر، فلاں کام اور دوسری تحریر کے ساتھ قابل موازنہ ہے اور ہم یہ طے کر لیتے ہیں کہ اس کی اتنی قدر و قیمت ہے لیکن کبھی مطلب اس کے برعکس ہوتا ہے اور اس کام کا اخلاص و کوشش اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ کوئی اس کا اندازہ نہیں لگا سکتا مگر یہ کہ وہ کام انجام دینے والا اقدار سے بلند و بالاتر ہو بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تمام معنوی اور بندگی کے مسائل اسی طرح کے ہیں خاص طور سے جو کام خلوص نیت سے انجام دئے جاتے ہیں ان کا اتنا اجر و ثواب ہوتا ہے کہ جس کی حد معین نہیں کی جاسکتی ہے

آخرکار یہ افکار وسوالات ہمارے ذہن میں تھے کہ خداوند عالم نے ایک مدت کے بعد ذوق وسلیقہ و ہنر سے پُر سرزمین خوانسار پر جانے کی توفیق عطا فرمائی تاکہ ہم اس شخصیت سے روشناس ہوں جو مندرجہ بالا تمام صفات کی مصداق ہے اور شاید اس سے کہیں زیادہ ہو۔ وہی شخصیت جس کے وجود نے ہمارے دین ودیانت، شخصیت اور موقعیت میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔

یہ عظیم الشان شخصیت حضرت مستطاب آیۃ اللہ الحاج سید محمد علی ابن الرضا دامت برکاتہ کی ہے جن کے علمی وعملی مراتب وذاتی فضائل آپ کی ذات سے واقفیت رکھنے والے پر مخفی نہیں ہیں۔

کتاب ہذا، اسی عالم ربانی کے بیانات کا کچھ حصہ ہے جو آپ نے حوزہ علمیہ حضرت ولی عصر (عج) خوانسار کے طلاب، اساتذہ، یا مسئولین یا مختلف جگہ کے لوگوں کے درمیان مختلف مناسبتوں

کے موقع پر بیان فرمائے ہیں۔

اگر چہ موصوف نے یہ مطالب انہی چند برسوں میں بیان فرمائے ہیں جب آپ بڑھاپے اور دردِ چشم میں مبتلا ہونے کی وجہ سے مطالعہ اور لکھنے پر قادر نہیں تھے صرف آپ نے اپنے حافظہ سے استفادہ کیا یہاں تک کہ آپ نے اس وقت حوزہ میں درس دینا بھی چھوڑ دیا تھا۔ بہر حال اس مجموعہ میں آیات و روایات اور بہت ہی سادہ نتائج ہیں، اور مجمل اور پیچیدہ نہیں ہے درعین حال ایک دینی تعلیمات مختصر سا دورہ ہے اور بہت ہی مخلصانہ طور پر لکھا گیا ہے لہٰذا اس کی طباعت کے لئے قدم اٹھایا گیا۔

بنابریں ہمارے بہت زیادہ اصرار پر کہ ہم خود کو اس گرانقدر شخصیت اور آپ کے بیت معظم کا احسان مند سمجھتے ہیں یہ طے پایا کہ حوزۂ علمیہ حضرت ولی عصر (عج) خوانسار کے کچھ فاضل طلاب اس مجموعہ کو حجۃ الاسلام والمسلمین جناب سید محمد ابن الرضا کی سرپرستی میں طبع کریں، بحمد اللہ یہ کام آپ اور شیخ مصطفیٰ مؤذنی، سید محمد حسین کظیمی، شیخ مہدی شیر خدائی، شیخ حمید خالو حاجی، شیخ غلام رضا بدرخانی اور خاص طور سے جناب سید مہدی کظیمی جیسے فاضل طلاب کی مدد سے یہ کام انجام پایا ہم ان تمام حضرات اور اسی طرح اس مجموعہ کی طباعت اور نشر کرنے میں ہاتھ بٹانے والوں کے مشکور و ممنون ہیں۔

قارئین کرام مندرجہ ذیل نکات پر توجہ فرمائیں:

۱۔ یہ مجموعہ، کیسٹوں سے لکھا گیا ہے اور ہم نے اس مجموعہ کو گفتگو کے انداز سے تحریری انداز میں لانے کی کوشش کی ہے اور موصوف کے کلام سے خارج نہ ہونے کا بھی خیال رکھا ہے، لہٰذا کیسٹوں کو لکھنے، مضامین کے مدارک اور ضروری منابع و مآخذ تلاش کرنے میں کچھ جزئی تبدیلی ہوئی ہے، اور امانت بالکل محفوظ رہنے کی وجہ سے تمام مطالب کو دوسری مرتبہ موصوف کے سامنے پڑھا گیا ہے۔

۲۔موصوف کے بیان کردہ مطالب جن کا حاشیہ میں ذکر کیا جانا ضروری تھا ان کو (م) کی نشانی یعنی متن کہہ کر لکھا گیا ہے۔

۳۔ممکن ہے کسی آیت یا روایت کی تکرار ہوئی ہو لیکن ان کی تکرار کی وجہ وہ نکات ہیں جو بحثوں میں غور و فکر کرنے سے سمجھ میں آتے ہیں۔

۴۔اس مجموعہ میں آنے والے اشعار سے صرف شاہد مثال یا مطلب کی وضاحت کرنے کے لئے استفادہ کیا گیا ہے اور جس طرح موصوف نے اس نکتہ پر زور دیا ہے، ان اشعار سے کسی بھی طرح سے اس شاعر کی تائید یا تکذیب یا اس کے تمام اشعار کی تائید یا تکذیب مراد نہیں ہے۔

۵۔آیات، روایات یا بعض اشعار کا آزاد ترجمہ کیا گیا ہے جو موصوف نے ان بحثوں کو بیان کرتے وقت کیا تھا لہٰذا بعض ترجموں کے تحت اللفظی نہ ہونے کا امکان ہے۔

۶۔جن بعض روایات یا آیات کا موصوف نے ترجمہ نہیں کیا ہے ان کے ترجمہ سے صرف نظر کیا گیا ہے۔

۷۔اس مجموعہ کی ایک خصوصیت یہ ہے: اس مجموعہ میں ہر علمی پیچیدہ اصطلاح سے اجتناب کیا گیا ہے، یہ وہی قرآن کریم اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی روایات کی طریقہ کار ہے، کہ وہ نورانی نصوص بھی پیچیدہ اصطلاحوں سے خالی ہیں اور عام زبان میں بیان کئے گئے ہیں حضرت آیۃ اللہ ابن الرضا نے بھی اس ظریف و دقیق نکتہ کی طرف بھرپور توجہ دیتے ہوئے یہ مطالب بیان فرمائے ہیں۔

التماس دعا

انتشارات انصاریان

# آیۃ اللہ الحاج سید محمد علی ابن الرضا خوانساری کا تعارف

از قلم علامہ جلیل سید عبدالستار حسنی

الحمد للّٰه الذی جعل العلماء ورثة الانبیاء وجعل مداد اقلامهم افضل من دماء الشهداء وبوّأهم اسنی الدرجات بما حباهم به من فیوضاته القدسیة اسمی المواهب والملکات ثم الصلاة و السلام علی فخر الکائنات وسید المخلوقات سیدنا ونبینا ابی القاسم محمد بن عبد اللّٰه الذی ختم برسالته ونبوّته دیوان الرسالات والنبوات وآله وعترته المعصومین مشاکی انوار الحق فی اللیالی المدلهمّات.

امابعد: امام المتقین سید بلغا اور متکلمین، جن کا کلام خالق کائنات کے کلام سے کم اور مخلوق کے کلام سے بلند و برتر ہے، ہمارے مولا امیر المومنین صلوات اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''قیمة کل امرئٍ ما یحسنه ''(۱)

''ہر انسان کی قدر و قیمت وہی نیکیاں (اچھائیاں) ہیں جو اس میں پائی جاتی ہیں'' یہ مختصر سا جملہ اپنی ظاہری شکل میں بہت بلند و بالا ہے جو بیان وتفسیر کے استاد بزرگ، علم ادب کے ماہر لغت

(۱) نہج البلاغہ، کلمات قصار، ۸۱۔

عرب اور نقد وادب کے بے نظیر استاد، حضرت علی علیہ السلام سے مخالف کے باوجود ابو عثمان جاحظ کہ اس گفتگو کی شرح میں اس طرح مدح سرائی کرنے میں بالاترین و بااہمیت ترین گفتگو کی ہے جو جامع اور مانع ہے، ہر مذہب نے اس جملہ کی قیمت اور اس کے بیش قیمتی ہونے کو بیان کیا کہ یہ ایسا جامع اور مانع کلمہ ہے جس کی کوئی قیمت نہیں لگا سکتا ہے۔

اس چیز میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ باعمل علماء پر ہی احسان کے واضح مصادیق ہیں لہٰذا علماء ہی امت کے ہادی ہیں، جب راستے اور آراء مختلف ہوں تو یہی علماء شریعت کی عزت اور بندوں کے درمیان اللہ کے احکام کو قائم کرنے کے لئے محفوظ دلیلیں بیان کرنے والے ہیں۔ اگر علماء نہ ہوتے تو مخلوق ضلالت وگمراہی میں غرق ہوجاتی، نظام تمدن کا خاتمہ ہوجاتا، لوگ شریعت حقہ کو بدل ڈالتے، حالانکہ انسان ہی تکریم وتعظیم کا سب سے زیادہ حق دار ہے، اور کیسے نہ ہو جبکہ اسی نے نوع انسانی کے فائدے کے لئے مختلف علوم ومعارف الٰہیہ کی بنیادیں رکھی اور ان بہترین فائدہ مند آثار اور کتابوں کو چھوڑا جن کو ایک عالم دار فانی سے دار بقا کو لبیک کہتے وقت چھوڑ کر جاتا ہے۔

تلک آثارنا تدلّ علینا فانظروا بعد نا الی الآثار

اس بات پر ہر دور اور ہر مقام میں عقلاء کا اجماع ہے کہ علم کا شرف اس کے موضوع سے ہوتا ہے، کسی بھی مسلمان انسان کے نفس میں یہ مطلب خطور نہیں کرتا کہ موضوع توحید اور تمام اصول جن پر دین حنیف قائم ہے یہ اشرف موضوعات ہے جن پر دین اسلامی حنیف کے حقائق مرکوز ہوتے ہیں، اُن ہی سے دوسرے حقائق حقہ منشعب ہوتے ہیں اسی میدان میں شیعہ امامیہ علماء (کہ خدا ان کی دلیل و برہان کو روشن کرے) سب سے مقدم ہیں، جس طرح دوسرے علوم میں اپنے مبارک ہاتھوں سے قلم فرسائی کی ہے، اور یہ گواہی کے لئے کافی ہے اور جو کچھ کتابوں اور تالیفات میں موجود ہے جس کو دیکھ کر محققین اور اہل دقت قدیم وجدید آثار میں تحقیق وجستجو کرتے رہے ہیں، سب سے

پہلے شیعہ علماء امامیہ مؤلفین کے اسماء کو جمع کرنے والے شیخ الطائفہ شیخ طوسی (متولد ۴۶۰ھ) ہیں جنھوں نے اپنی کتاب ''فہرست'' نامی مشہور کتاب میں یہ کارنامہ انجام دیا، آپ کے بعد پھر اس موضوع کے متعلق متعدد مصنفین نے کتابیں تحریر کیں یہاں تک کہ سب سے بزرگ محقق آیۃ اللہ شیخ بزرگ تہرانی (متولد ۱۳۸۹ھ) نے (الذریعه الیٰ تصانیف الشیعه) نام کی بیس سے زیادہ جلدوں میں ضخیم کتاب لکھی اس کے باوجود اس میں مختلف فنون میں شیعہ علماء نے جو لکھا ہے اس کو قلمبند نہ کر سکے۔

آج ایک بزرگ عالم دین، نیک کردار آیۃ اللہ شریف الحاج سید محمد علی موسوی نقوی ہیں جو اپنے خاندان کی طرح ابن الرضا کے نام سے مشہور و معروف ہیں (خدا آپ کو طول عمر عطا فرمائے اور ان کو گناہوں سے محفوظ رکھے) جنھوں نے ایک انوکھے نہج پر کتاب لکھ کر مکتب اسلامی کی مدد کی یہ کتاب اپنی آپ خود مثال ہے جس کے باب بڑے نظم و نسق کے ساتھ ہیں، جس میں بہت آزاد اور تحقیق کے ساتھ دلائل بیان کئے گئے ہیں جس کا نام اس کے مطالب کے مطابق ہے جس کو (انوار الهداية الساطعة) کہا جاتا ہے توفیق الٰہی کی بنیاد پر اس میں واضح دلیلیں اور بولتے شواہد ہیں:

ف(انوار الهداية)منه ضاء ت ........ بها الآفاق وانجاب الظّلام

وحسب (ابن الرضا )الزاکی کتاب ........ بنشر فصوله تُهدی الانام

دو دفتیوں کے درمیان اس عظیم کتاب میں الٰہی معارف اور اعتقادی اصول کے سلسلہ میں عمدہ مطالب تحریر کئے گئے ہیں، اس کتاب میں مولف نے شیخ کلینی رضوان اللہ علیہ کے کتاب (الکافی) کے طریقہ کو اپنایا ہے پہلے عقل، علم اور توحید کے باب کو لکھا، اس کے بعد نبوت، امامت اور قیامت کے باب کو تحریر کیا، جیسا کہ آپ نے قرآن کریم کے فضائل، اس کے معجزہ ہونے کے دلائل جو اس کے اللہ کا کلام ہونے پر دلالت کرتی ہیں ان کو بیان کیا، خود قرآن فرماتا ہے: ﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ

بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَامِنْ خَلْفِهِ تَنْزِیلٌ مِنْ حَکِیمٍ حَمِیدٍ﴾(۱)

اس میں اخلاقی مسائل اور جملہ اسلامی آداب کو اچھے طریقے اور واضح عبارتوں میں تحریر کیا جن میں قرآن عزیز اور احادیث معصومین ؑ کا طریقہ اختیار کیا، فلسفی اور کلامی پیچیدہ اصطلاحیں بیان کرنے سے اجتناب کیا، یہ ربانی افاضات اور الطاف لدنی ہے جو اخلاص، صدق نیت اور جنت کے رسیدہ ثمرات میں سے ہے۔

یہ نفیس وبیش بہا کتاب پہلی مرتبہ فارسی میں طبع ہوئی، پھر اس کے ترجمہ کی ذمہ داری برادر عزیز فاضل جلیل، کاتب معروف اور صاحب تصانیف استاد عباس موسوی (سید کمال) دام ظلہ کے سپرد کی گئی، جنھوں نے بڑی پاک طینت کے ساتھ اس ذمہ داری کو بخوبی نبھایا، جو بڑی ہی مشہور و معروف شخصیت ہیں، پھر دین و مذہب کے خادم اور علوم و معارف کے خزانوں کو نشر کرنے والے استاد حاجی محمد تقی انصاریان نے اس کی طباعت کا کام انجام دیا۔(۲) تاکہ برادران اس سے استفادہ کریں اور گذشتہ زبان میں اس کا مطالعہ کرنے والے بھائیوں کے ایمان وعقیدہ میں ان کے شریک ہوسکیں۔

مجھے خبر ملی ہے کہ عنقریب اس کتاب کا اردو اور دوسری مختلف زبانوں میں ترجمہ کیا جائے گا انشاء اللہ، خداوند عالم اس کام میں ہاتھ بٹانے والوں کو کامیاب و کامران فرمائے، وہ اس سے استفادہ کریں، ان کے دلوں کو اسلام و مسلمین کی خدمت سے سرشار کرے بیشک وہی ان کا ولی اور قادر ہے

اب بنیادی گفتگو کے بعد فوراً (اختصار کے پیش نظر) سید جلیل صاحب کتاب کے کچھ حالات بیان کرتے ہیں:

---

(۱) سورۂ فصلت آیت ۴۲۔

(۲) یہ مطلب کتاب ضیاء الابصار جلد ۳ صفحہ ۴۰۶ میں بیان ہوا ہے۔

سلسلۂ نسب:

علامہ کبیر، مجاہد، عالم باعمل کے نمونہ جناب سید محمد علی کے فرزند فقیہ اکبر آیۃ اللہ سید محمود ابن عالم فاضل سید محمود ابن حاج سید حسن ابن حاج سید میر جعفر ابن سید محمد علی ابن سید کمال رضوی النقوی ہیں آپ کا سلسلہ نسب دسویں امام علی نقی علیہ السلام تک پہونچتا ہے۔

موصوف کا خاندان، بافضیلت اور علمی گھرانوں میں سے ہے جو قصبہ خوانسار میں مقیم ہے، جس کی نسبت فقیہ کبیر سید محمود ابن سید محمود رضوی نقوی خونساری تک ہوتی ہے ان کو ابن الرضا کا لقب دیا جاتا ہے۔ اس لقب کا سبب موصوف کے فرزند علامہ کبیر محقق جلیل آیۃ اللہ سید مہدی ابن الرضا دامت برکاتہ نے اپنی بیش بہا کتاب (ضیاء الابصار فی ترجمۃ علماء خوانسار) میں بیان کیا ہے، موصوف کے والد بزرگوار سید محمود کی سوانح حیات میں یوں بیان ہوا ہے:

''ہمارے دادا علامہ اور علامہ مرزا محمد علی حکیم الٰہی کے درمیان، ان کی طالب علمی کے دوران اصفہان کے ایک مدرسہ میں زبانی مشاجرہ ہوا، تو ہمارے جد علامہ سید محمود رضوی کی شان میں گستاخی کی گئی، حکیم الٰہی نے خواب میں دیکھا کہ ثامن الحجج ابوالحسن علی بن موسیٰ الرضا علیہما السلام ایک جگہ پر تشریف فرما ہیں، لوگ آپ کی خدمت میں جارہے ہیں اور اپنی اپنی حاجتیں بیان کررہے ہیں، جب انھوں نے آپ ؑ سے سوال کرنے کا ارادہ کیا تو امام نے ان کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دی اور آپ نے متعدد مرتبہ اپنا منھ پھرایا جب آپ سے روگردانی کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: (انت الذی آذیت ابنی) ''تم نے میرے بیٹے کو تکلیف دی ہے'' وہ نیند سے بیدار ہوئے اتنی بلند آواز سے گریہ کیا کہ ان کی چیخ و پکار سے ان کے حجرے والے بیدار ہو گئے پھر وہ اسی حالت میں روتے پیٹتے ہمارے جد کے کمرے کے پاس اس عالم میں پہونچے کہ اس مدرسہ کے تمام طلبہ ان کی چیخ و پکار سے بیدار ہو چکے تھے، ہمارے جد (ابن الرضا) سے مخاطب ہوئے اور متعدد مرتبہ: (یا بن

الرضا)، یابن الرضا کہہ کر پکارا جس کے بعد سے ہمارے جداسی لقب سے مشہور ومعروف ہو گئے ....(۱)

خوانساری: یہ خونسار شہر سے منسوب ہے یہ ایسا شہر ہے جس میں شیعہ اور اہل بیت اطہار کی محبت کا دم بھرنے والے افراد زندگی بسر کرتے ہیں، اس شہر میں متعدد علماء اعلام، مراجع عظام، مورخین، خطیب، واعظ، مولفین، شعراء، کاتب اور مختلف فنوں میں مہارت رکھنے والے پیدا ہوئے ہیں۔کبھی اس شہر کو (خوانسار)، (خُنسار)، (خَنَسار) اور (خانیسار) بھی کہا جاتا تھا، یہ شہر چوتھی صدی ہجری کے بعد وجود میں آیا۔(۲)

ولادت، پرورش اور تعلیم:

آپ شہر خوانسار (جس میں مخلص اور نیک افراد زندگی کرتے ہیں)(۳) میں ربیع الاول ۱۳۳۱ھ میں پیدا ہوئے، علم وتقویٰ اور بافضیلت گھر میں جوان ہوئے، آپ کے والد بزرگوار نے بھر پور توجہ دی، گذشتہ صالح علمائے اعلام، عظیم سادات کے طریقہ پر آپ کو تعلیم وتربیت دی، آپ نے بھر پور عنفوان شباب میں ابتدائی تمام کی اور کچھ سطح کے دروس بھی اپنے پدر بزرگوار اور برادر عزیز علامہ سید رضا سے حاصل کئے جن کا انتقال آپ کے والد بزرگوار کی زندگی میں ہی ۱۳۴۴ھ میں ہو گیا تھا۔اسی طرح موصوف نے آخوند مولیٰ محمد حسن شاکریان، حاج مرزا یوسف مہدویانی، حاج مرزا عبدالجواد موسوی سے بھی کسب فیض کیا ہے۔اس کے بعد موصوف علمی مدارج کی ترقی کے لئے قم

---

(۱) ضیاء الابصار جلد ۲ صفحہ ۴۰۷۔

(۲) ضیاء الابصار جلد ۱ صفحہ ۱۵۔

(۳) ضیاء الابصار جلد ۱ صفحہ ۷۔

تشریف لے گئے ، وہاں پر موصوف نے علماء اعلام اور مدرسین کے درمیان رہ کر عالی سطح کے بقیہ مرحلے اور کچھ مقدار میں علم بیان و معانی مندرجہ ذیل علماء سے پڑھا: حاجی مرزا محمد علی الادیب تہرانی ، حاجی سید محمد رضا موسوی گلپائیگانی اور سید شہاب الدین مرعشی نجفی اعلی اللہ مقامہم ، اس مرحلہ کو طے کرنے کے بعد موصوف نے اپنے دروس کی مزید تکمیل کے لئے آیۃ اللہ حاجی سید محمد تقی موسوی خوانساری اور حاجی شیخ عبد الکریم حائری یزدی جنھوں نے شہر مقدس قم میں عظیم حوزہ علمیہ کی بنیاد رکھی ، کے دروس میں شرکت کی اور اس وقت قم اور خوانسار میں حکومت اور مراجع کی طرف سے برقرار کئے جانے والے امتحانات میں شریک ہوئے اور ان میں امتیازی حیثیت حاصل کی ۔(۱)

ہمیں خوانسار کے ایک عالم دین نے بتایا ہے: بانی حوزہ شیخ حائری کے حوزہ علمیہ میں تدریس اور اشراف کے زمانہ میں حوزہ علمیہ میں مدرسین کے انتخاب کی غرض سے امتحان لیا گیا جس میں بارہ افراد کا انتخاب کیا گیا اور ان میں پانچویں پوزیشن حاصل کرنے والے خود موصوف ہی تھے ۔

## آپ کی خوانسار واپسی

جب موصوف علم و فضل میں ترقی کے مراحل طے اور اپنے اساتذہ سے کسب فیض کر چکے تو آپ ۱۳۵۶ھ میں اپنے وطن واپس پلٹ آئے ، آپ اپنی طبیعت کی کمزوری اور والد بزرگوار کی مسجد میں امامت ، لوگوں کو وعظ و نصیحت ، ان کی حاجت روائی ، معاشرتی اور تعمیراتی خدمتیں جیسے مسجدیں ، ہاسپٹل ، حمام اور حوزۂ علمیہ وغیرہ بنانے جیسے فرائض انجام دینے کی غرض سے واپس آئے ۔(۲) جس سال موصوف اپنے وطن واپس پلٹے اسی سال موصوف کے استاد بزرگوار علامہ حائری اعلی اللہ مقامہ نے داعی اجل کو لبیک کہا جس سے حوزہ میں ایک خلا پیدا ہو گیا ۔

---

(۱) ضیاء الابصار جلد ۳ صفحہ ۲۱۱ ۔

(۲) ضیاء الابصار جلد ۳ صفحہ ۲۱۱ ۔

حوزۂ علمیہ خوانسار کی بنیاد (حوزہ ولی عصر عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف)

آیۃ اللہ سید مہدی کے بیٹے نے سب سے اہم کام آیۃ اللہ سید الفقہاء والمجتہدین حاجی سید احمد موسوی خوانساری کے حکم سے حوزہ علمیہ خوانسار کی بنیاد رکھ کر انجام دیا، یہاں تک کہ آپ کی ذات سے یہ مدرسہ دینی مدارس اور حوزوں میں ایک اعلیٰ اور اکمل نمونہ قرار پایا۔ اس حوزہ کے امتیازات پر روشنی ڈالنے کے لئے ایک وسیع وقت کی ضرورت ہے۔

مندرجہ ذیل مراجع کرام نے موصوف کی مطلق اور عام تولیت کا اقرار کیا ہے:

آیۃ اللہ سید احمد خوانساری، آیۃ اللہ سید خوئی، آیۃ اللہ سید خمینی، آیۃ اللہ سید محمد رضا گلپائیگانی اور آیۃ اللہ شیخ محمد علی اراکی اعلی اللہ مقامھم۔

بعض خصوصیات وامتیازات

موصوف نورانی چہرے اور، طویل القامت انسان ہیں، آپ کی ریش مبارک سے ایمان اور تقوی کے آثار نمایاں تھے، حالانکہ آپ کمزور بدن اور بڑھاپے کی وجہ سے ۹۶ سال کی عمر تک پہونچ گئے۔

موصوف اس عمر میں بھی ہمیشہ نوافل، سنت اور مستحب نمازیں اور مندوبات انجام دیتے ہیں:

و اذا حلت الهداية قلبا　　　　نشطت للعبادة الاعضاء

خداوند عالم نے موصوف کو قوت خطابت، صحیح و سالم ذہن اور قدیم خطبوں کو حفظ کرنے کی طاقت عطا کی تھی ہم خود اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ جب میں شعبان ۱۴۲۷ھ میں آپ کے دولت کدہ پر موصوف سے ملاقات کے لئے گئے تو آپ نے مجھے اپنی جوانی کے زمانہ میں حفظ کئے ہوئے متقدمین افراد کے ائمہ طاہرین علیہم السلام کی مدح وثنا میں کہے گئے اشعار سنائے جن کو ابن ابی الحدید معتزلی شارح نہج البلاغہ اور شیخ کاظم ازری بغدادی وغیرہ نے امیر المومنین علیہ السلام کی

مدح میں لکھا تھا۔

آپ کے علمی آثار

موصوف نے اصول، فقہ اور تفسیر کی بحثوں میں مشغول ہونے کے باوجود کچھ قیمتی کتابیں تصحیح و کتابت فرمائی جن کو موصوف کے فرزند سید مہدی ابن الرضا نے اپنے والد بزرگوار کی عمدہ کتاب (ضیاء الابصار)(۱) میں سوانح حیات کے ضمن میں تحریر کیا ہے کہ موصوف نے اپنی عمر کے آغاز میں کتابیں لکھیں اور بعض کتابوں کی نسخہ برداری کی ہیں جن میں بعض مطبوعہ اور بعض غیر مطبوعہ ہیں چنانچہ جن میں سے کچھ مندرجہ ذیل ہیں:

کتاب (الھیئۃ والاسلام) آیۃ اللہ سید ھبۃ الدین حسینی شہرستانی۔

کتاب (فلسفۃ الانسان) علی اکبر ہزار جریبی حائری زادہ۔(الافصاح) شیخ مفید۔

(القرآن والعلوم العصریۃ او معجزات القرن العشرین) جس کو عبد الحلیم نے جامعہ ازہر کے لئے جمع کیا یہ (۱۳۴۷ھ) میں تھا۔

موصوف نے متعدد علوم اور مختلف فنون میں تاریخ، تفسیر، حدیث وغیرہ سے متعدد نمونے کتابوں کی شکل میں مرقوم کئے ہیں۔ کاپیوں میں متعدد فارسی اور عربی اشعار جمع کئے ہیں جواب بھی موجود ہیں۔ کچھ وہ خطبے اور تقریریں جو آپ نے گھر میں سورۂ حجرات اور سورۂ لقمان کی تفسیر کے سلسلہ میں بیان کئے ہیں وہ بھی موجود ہیں۔ آنکھوں کی بصارت چلے جانے کے بعد موصوف اپنے حافظہ سے لوگوں کو فیضیاب کرتے رہتے ہیں۔

موصوف کی سب سے عمدہ اور عظیم کتاب یہی (انوار الھدایۃ الساطعہ) ہے جو آپ کے

---

(۱) ضیاء الابصار جلد ۳ صفحہ ۲۱۹۔

ہاتھوں میں موجود ہے اس میں عمدہ اور بلند و بالا مطالب ہیں جو آنکھوں کی ٹھنڈک اور سینوں کو کشادہ کرتے ہیں۔

روایت اور امور حسبیہ کے اجازے

جب موصوف خداوند عالم کے عطا کردہ علم اور اپنے عمل صالح سے لوگوں کو فیضیاب کرنے لگے تو آپ کے اساتذہ مراجع دین اور ائمۂ مجتہدین نے آپ کو احادیث اور امور حسبیہ کے لئے اجازے عطا کئے، جن میں سے بہت سے اجازے آپ کو عنفوان شباب میں ہی دیدئے گئے تھے جب آپ ۱۶ سال کے تھے تو آیۃ اللہ العظمیٰ سید ابوالحسن موسوی اصفہانی اور آیۃ اللہ العظمیٰ محمد حسین نائینی قدس سرہما نے اجازے دئے، اسی طرح مندرجہ ذیل علماء کرام و آیات عظام نے اجازے دئے: آیۃ اللہ العظمیٰ سید محمد تقی خونساری، آیۃ اللہ العظمیٰ سید آقا حسین طباطبائی بروجردی، آیۃ اللہ العظمیٰ سید ابوالقاسم خوئی، آیۃ اللہ العظمیٰ سید جمال الدین گلپایگانی، آیۃ اللہ العظمیٰ سید ابراہیم شیرازی اصطہباناتی اور آیۃ اللہ العظمیٰ سید شہاب الدین مرعشی نجفی، مرجع کبیر آیۃ اللہ العظمیٰ سید احمد خوانساری نے آپ کو خوانسار میں حوزۂ علمیہ قائم کرنے کے لئے مطلق وکالت دی اس کے بعد بیان کئے گئے تمام مراجع کرام نے اس پر دستخط کئے۔

روایت کرنے والے

موصوف سے بہت سے افراد نے روایت کی ہے جن میں سے موصوف کا زندگی نامہ لکھنے والے عبدالستار حسنی عفی عنہ ہیں۔

آپ کی نسل

موصوف نے اپنے بعد اپنے فرزند آیۃ اللہ محقق کبیر سید مہدی کو چھوڑا جن پر علماء خوانسار فخر کرتے ہیں انھوں نے متعدد کتابیں لکھیں جن میں سے کتاب (ضیاء الابصار فی تراجم علماء خوانسار)

ہے جو اپنی خود مثال ہے، سید بزرگوار مؤلف نے کوئی چیز باقی نہیں چھوڑی مگر یہ اس میں اپنی عمدہ تحقیقات، تصحیح اور دقیق نکات کو جمع کر دیا ہے۔

کتاب مذکور میں ایک ایسی علامت ونشانی پائی جاتی ہے جو اپنے محکم طریقہ کی واحد مثال ہے اور ابواب کے اعتبار سے جامع ہے جبکہ قدیم آثار و کتب میں ایسا نہیں ہے ہم اس نفیس وعمدہ کتاب کے خصوصیات کے بیان کو دوسرے وقت کے لئے چھوڑ دیتے ہیں انشاء اللہ۔ سید مہدی کی تواضع و انکساری کا یہ عالم ہے کہ موصوف نے اپنی شہرت اور فخر ومباہات سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے بیان کیا کہ آپ نے بذات خود اس کتاب کو نہیں لکھا حالانکہ آپ ہی نے سب سے پہلے اس کتاب کے تحریر کرنے کے لئے قدم اٹھایا اور آپ ہی اس کے لئے نمونہ قرار پائے ، اگر آپ عظیم علماء کی طرح ایسا کرتے کہ جنھوں نے اپنی تراجم اور فہارس رجال کو خود مزین کیا ہے تو بذات خود متقدمین میں شیخ الطائفہ کی طرح خود فہرست شیخ اور متاخرین میں سید محسن امین حسینی عاملی کی طرح اعیان الشیعہ تالیف کرتے۔

ہم نے مؤلف بزرگوار آیۃ اللہ سید مہدی سے اس کتاب کے بذات خود نہ لکھنے کے متعلق سوال کیا تو آپ نے بڑی تواضع وانکساری کے ساتھ جواب دیا: میں اس کا مستحق ہی نہیں ہوں یا اس کے مانند کوئی اور جملہ فرمایا۔ یہ باعمل علماء کی فطرت و جبلت ہے جو وہ گذشتہ علماء کی کتابوں کو اہمیت دیتے ہیں۔ آیۃ اللہ کے والد بزرگوار بھی حوزہ علمیہ خوانسار کی تاسیس میں شریک ہوئے آپ حوزہ علمیہ کی بنیاد کو مستحکم ومضبوط کرنے اور اس کے اہم رکن کی دوسری فرد ہیں۔

سید مہدی کے تین فرزند ہیں جو سب کے سب علمائے اعلام میں سے ہیں:

۱۔ علامہ کبیر فقیہ محقق استاد سید محمد دامت برکاتہ، (۱) مدرس حوزۂ علمیہ، آپ کا علم فقہ، اصول اور

---

(۱) ضیاء الابصار جلد ۳ صفحہ ۲۳۴۔

تفسیر میں بڑا رعب دبدبہ ہے آپ کی متعدد کتابیں ہیں جن میں سے کچھ تو شائع ہو چکی ہیں اور کچھ شائع نہیں ہوئی ہیں۔

۲۔علامہ استاد سید محسن دامت برکاتہ (۱) مدرس حوزۂ علمیہ آپ کی بھی کتابیں اور تحقیقات موجود ہیں۔

۳۔علامہ حجت استاد سید جواد دامت برکاتہ (۲) مدرس حوزۂ علمیہ آپ کی بھی کتابیں اور تحقیقات موجود ہیں۔

آپ کے سلسلہ میں مجتہدین اور علماء امت کے اقوال

ایک کتاب میں سادات بشر صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین سے وارد ہوا ہے: **السنة الخلق اقلام الحق**''۔تو یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ یہ زبانیں امت کے علماء اور ائمہ علیہم السلام کے نواب کی زبانیں ہیں؟

سید محمد علی ابن الرضا دام ظلہ کے سلسلہ میں عظیم شہادتیں ہیں ان کے متعلق یہ جملہ بڑے بڑے مراجع کرام ان کے فضل و شرف اور ان کے علمی درجہ کو بلند کرنے کے لئے کہا ہے۔آپ کے متعلق مرجع دینی کبیر آیۃ اللہ حاجی سید محمد تقی خونساری نے فرمایا ہے:

(... سید فاضل جلیل، عالم کامل، نیک طینت، صاحب علم و فضیلت، ثقہ، زکی، سید محمد علی خونساری دامت برکاتہ جو ابن الرضا کے نام سے مشہور ہیں آپ نے اپنی عمر کے عنفوان شباب کے چند سال علوم فقہ اور اصول کے حاصل کرنے میں صرف کئے یہاں تک کہ محمد علم تقویٰ اور دیانت میں بلند

---

(۱) ضیاء الابصار جلد ۳ صفحہ ۲۸۰۔

(۲) ضیاء الابصار جلد ۳ صفحہ ۲۶۹۔

درجہ پر فائز ہو گئے ) جیسا کہ سید خونساری کے اجازے میں سید موصوف کے مطبوعہ اجازے میں کتاب (ضیاء الابصار) میں آیا ہے۔

فقیہ کبیر آیۃ اللہ سید جمال الدین گلپایئگانی نے موصوف کے اجازے میں یوں تحریر کیا ہے:

اہل خوانسار کے لئے اپنی زندگی بسر کرنے کے لئے ان کے اخلاق شریفہ سے مدد لینا سزوار و مناسب ہے ایک مرجع بزرگ کا کہنا ہے: سید ابن الرضا انسانوں کے لئے برکت ہیں اور یہ صرف اہل خوانسار سے ہی مخصوص نہیں ہیں۔

ایک اور عظیم مرجع و مجتہد نے کہا ہے: بیشک سید ابن الرضا انسانی صورت کا ملاک و معیار ہیں۔

ان کے علاوہ سید ابومہدی دامت برکاتہ کی شان والا میں متعدد کلمات موجود ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

''إذا مات ابن آدم انقطع عمله إلاّمن ثلاث: صدقة الجارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له''. ب انسان مرجاتا ہے تو تین چیزوں کے علاوہ اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے: صدقۂ جاریہ، وہ علم جس سے استفادہ کیا جاتا رہے اور صالح بیٹا جو اس کے لئے دعا کرتا رہے)۔

اللہ نے تینوں باتیں سید بزرگوار میں جمع فرمائی ہیں خدا انھیں طول عمر عطا فرمائے ان کو صحت و سلامتی دے، الحمد للہ رب العالمین۔

موصوف کے یہ حالات علم اور علمائے دین کے خادم عبد الستار حسنی عفی عنہ نے شوال ۱۴۲۷ھ میں قلمبند کئے ہیں۔

❁❁❁❁❁

# عقل

# پہلی تقریر

فضیلت عقل

عقل کی وجہ سے انسان کو تکلیف دی گئی ہے

فرشتوں انسان کو اسی لئے سجدہ کیا ہے کہ اس کے پیکر میں عقل تھی

عقل علم کی طرف دعوت دیتی ہے

عن ابي جعفر و ابي عبد الله عليهما السّلام قالا:

"لـمّـا خـلـق الـلّـهُ العقلَ استنطقه، ثمّ قال له: أقبل، فأقبل، ثم قال له: أدبر، فـأدبـر، ثـم قـال: و عزّتي وجلالي ما خلقتُ خَلْقاً هو احبُّ اِليَّ منک و لا أكملتُکَ اِلّا فيمنْ اُحبّ، اَمَا انّي ايّاکَ آمُرُ و اِيّاکَ اَنهىٰ و اِيّاکَ اُعاقبُ و اِيّاکَ اُثيبُ. (۱)

جب خدا نے عقل کو پیدا کیا تو اس سے فرمایا: آگے آ! وہ آگے آئی، پھر فرمایا: پیچھے جا تو وہ پیچھے ہٹ گئی پھر فرمایا: قسم ہے مجھے میری عزت وجلال کی، میں نے کوئی مخلوق پیدا نہیں کی جو میرے نزدیک تجھ سے زیادہ محبوب ہو اور میں نے تجھے اسی شخص کے اندر کامل کیا ہے جو مجھے زیادہ عزیز اور زیادہ محبوب ہے، میں تیرے سبب حکم دیتا ہوں اور تیرے ہی واسطہ سے روکتا ہوں اور تیری ہی بنا پر عذاب دیتا ہوں اور تیرے باعث ثواب دیتا ہوں۔

خداوندعالم نے انسان کو جو عظیم ترین نعمت عطا کی ہے اور اسے شرافت وفضیلت کا جو اعلیٰ ترین سبب بخشا ہے وہ عقل ہے، عقل وہ گراں قیمت گوہر ہے جو انسان کے وجود میں قرار دیا گیا ہے تا کہ اس کے

(۱) کافی ج۱ص۱۰، بحار الانوار ج۱ص۹۶

ذریعہ وہ اچھے برے میں تمیز کرے اور خوب و بد کو پہچانے۔

اس روایت سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کو عقل کی ہی بنا پر تکلیف دی گئی ہے اور اسی کے سبب خدا انسان کو بعض چیزں کا حکم دیتا ہے اور بعض چیزوں سے روکتا ہے اور اسی کے باعث اسے عذاب وثواب دیتا ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿انّا عَرَضْنا الأمانَةَ علىٰ السّمٰواتِ و الأرضِ و الْجبالِ فأبَيْنَ أن يَّحْمِلْنَها و أشْفَقْنَ منها و حَمَلَها الإنْسانُ اِنَّهُ كانَ ظَلُوماً جَهُولاً ﴾(۱)

ہم نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے امانت (بار تکلیف) کو پیش کیا لیکن انہوں نے اس بارِامانت (بار تکلیف)۔ کو اٹھانے سے انکار کر دیا۔ نہ آسمان نے تکلیف کو منظور کیا نہ زمین اور پہاڑوں نے۔ ہاں انسان نے بارِتکلیف کو اپنے دوش پر اٹھالیا۔

انسان نے اپنے دوش پر بارِامانت کو اٹھالیا، اس کی وجہ کیا ہے؟ انسان کے اندر ایسی کونسی خوبی تھی کہ جس کی بنا پر انسان نے اس بارِتکلیف کو اٹھالیا۔

اس سوال کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسان کی جو بھی عظمت وفضیلت ہے وہ اس کی عقل ہی کی بنا پر ہے۔ عقل ہی کے سبب اس نے خدا کی امانت کا بار اٹھایا ہے۔

عقل است که بنیان شرف محکم از اوست

افزونی قیمت بنی آدم از اوست

عزت وشرف کی بنیاد عقل ہی کے سبب محکم ومضبوط ہے، انسان کی جو بھی قدر و قیمت ہے وہ عقل ہی کی بنا پر ہے، خداوند متعال فرماتا ہے:

﴿ولَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وحَمَلْناهُمْ في الْبرِّ و الْبَحْرِ و رَزَقْناهُمْ مِنَ الطَّيِّباتِ وفضّلناهُمْ علىٰ كثيرٍ مِمَّن خَلَقْنا تَفْضيلاً ﴾.(۲)

---

(۱) احزاب:۷۲ (۲) اسراء:۷۰

یقیناً ہم نے آدم کی اولاد کو عزت وکرامت عطا کی ہے اوران کو خشکی وتری میں سواری دی ہے اور پاکیزہ رزق دیا ہے اور ہم نے انہیں بہت سے مخلوقات پر فضیلت عطا کی ہے۔

یہ ساری فضیلتیں عقل کی بنا پر ہیں۔

قرآن مجید میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ انسان عقل سے کام لیکر مطالب کو سمجھے۔فرماتا ہے:

﴿لعلّکم تعقلون﴾ (۱)

انسان کائنات کے تمام موجودات سے افضل واشرف ہے اوراس کی شرافت وفضیلت کا راز یہ ہے کہ اس کے اندر سارے عالم سمائے ہوئے ہیں، اس میں عالم ملائکہ، عالم حیوانات، عالم نباتات اور عالم جمادات موجود ہیں اسی جامعیت کی وجہ سے اس نے اتنی استعداد ولیاقت پیدا کرلی ہے کہ وہ خدا کے اسماء و صفات کا مظہر بن جائے۔

نـه فلك راست مسلـم نه ملك را حـاصل

آن چـه در سر سویـداری بنی آدم از اوست (۲)

انسان کے اندر جو عقل ہے اس کی بنا پر فرشتوں نے اسے سجدہ کیا ہے۔تمام موجودات میں صرف انسان نے یہ لیاقت پیدا کی ہے۔

واضح رہے کہ ہر انسان میں یہ لیاقت نہیں ہے بلکہ اس عظمت سے وہ انسان سرفراز ہے جو خدا کے احکام اور شریعت کے دستور پر عمل کرتا ہے۔

انسان اس مقام پر پہنچ سکتا ہے جہاں وہ خدا کے اسماء وصفات کا مظہر بن جاتا ہے اوراس مرتبہ پر فائز ہوسکتا ہے جہاں وہ نبوت وامامت سے سرفراز ہوسکتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ کائنات کی تخلیق کا مقصد انسانِ کامل ہے، یعنی خدا نے سارے موجودات کو انسان کے لئے پیدا کیا ہے اور سارے انسانوں کو اس انسانِ

---

(۱) بقرہ: ۴۳ و ۲۴۲، انعام: ۱۵۱، یوسف: ۲، نور: ۶۱، غافر: ۶۷، زخرف: ۳، حدید ۵۷

(۲) کلیات سعدی مواعظ ص ۱۰۰۱

کامل کے لئے پیدا کیا ہے جو نبیؐ یا امام ہوتا ہے۔

عقل، انسان کی عظمت و بزرگی کا سبب ہے، اس گراں قیمت گوہر کو خدا نے انسان کے وجود میں قرار دیا ہے، اسی گراں بہا گوہر کے واسطہ سے وہ بلند مقام پر پہنچ جاتا ہے اور خدا کی بارگاہ میں تقرّب حاصل کرتا ہے۔

پسندیدہ اخلاق، سارے کمالات اور خوبیاں عقل کی وجہ سے وجود میں آئی ہیں، سب سے پہلے عقل جس چیز کی طرف دعوت دیتی ہے وہ علم ہے، علم سے انسان کا مرتبہ بلند ہوتا ہے، انبیاء اور اولیاء اسی لئے ملائکہ سے افضل ہیں کہ وہ حقیقی علم کے حامل ہیں۔

البتہ عقل کو شریعت کے تابع ہونا چاہئے تاکہ اسے علم کی طرف دعوت دے، کیونکہ شریعت ہر چیز سے قبل علم حاصل کرنے کا حکم دیتی ہے۔

رسولؐ فرماتے ہیں:

''طلب العلم فریضة علیٰ کلِّ مسلم و مسلمة''(۱)

ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے کہ وہ علم حاصل کرے۔

''اطلب العلم و لو بالصین، فانّ طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلمٍ''.(۲)

علم حاصل کرو خواہ اس کے لئے چین جانا پڑے کیونکہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔

نیز فرماتے ہیں:

''لو علم النّاس ما في طلب العلم لطلبوه و لو بسفک المهج و خوض اللجج''(۳)

(۱) بحار الانوار ج ۲ ص ۳۱، مصباح الشریعۃ مترجم ص ۲۵۷ قال الصادقؑ: العلم اصل کلّ حالٍ سنيٍّ و منتهیٰ کلّ منزلة رفیعة لذالک قال النبیؐ: طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلم و مسلمة، ای علم التقویٰ والیقین۔

(۲) بحار الانوار ج ۱ ص ۳۱

(۳) بحار الانوار ج ۱ ص ۱۷۷

اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ علم حاصل کرنے میں کیا فضیلت ہے تو وہ اسے ضرور حاصل کریں گے خواہ اس سلسلہ میں ان کا خون بہہ جائے یا دریا میں ڈوب جائیں۔

اسی لئے علم حاصل کرنے کی اتنی زیادہ اہمیت ہے کہ اگر حصول علم میں مشکلات پیش آئیں تو انسان کو ان کا مقابلہ کرنا چاہئے اور اس سلسلہ میں کوشش کرتے رہنا چاہئے تا کہ علم کے ذریعہ وہ بلند مقامات پر پہنچ جائے۔ارشاد ہے:

﴿فأمّا مَنْ طَغیٰ، و آثرَ الْحَیوٰة الدّنیا، فإنَّ الْجَحیم هي المأویٰ، و أمّا مَنْ خافَ مَقامَ ربِّهِ و نهی النّفسَ عَنِ الهَویٰ ، فإنَّ الجَنَّةَ هي المأویٰ﴾. (۱)

پھر جس شخص نے سرکشی کی اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دی تو یقیناً اس کا ٹھکانہ جہنم ہے لیکن جو خدا سے ڈرا (یعنی جس نے خدا کی معرفت حاصل کی۔ کیونکہ عقل ہر چیز سے پہلے خدا کی معرفت حاصل کرنے کی طرف دعوت دیتی ہے اور جب خدا کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو اس سے اس کی عظمت کا علم بھی ہو جاتا ہے تو انسان کے اندر خوفِ خدا پیدا ہو جاتا ہے) اور اپنے نفس کو خواہشات سے (یعنی شہوت و غضب کی سرکشی سے) باز رکھتا ہے تو اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔

---

(۱) نازعات، ۳۷۔۴۱۔

# دوسری تقریر

کمالِ عقل کی علامتیں فضیلتِ عقل

قناعت، کمال کی علامت

علم دین کمالِ عقل کی علامت ہے۔

تحصیل علم کمالِ عقل کی دلیل ہے۔

جن صفات سے عقل کے مکمل ہونے کا علم ہوتا ہے۔

عقل کی فضیلت کے سلسلہ میں بہت سی آیتیں نازل اور بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں ہم یہاں نمونہ کے طور پر ایک حدیث پیش کرتے ہیں جو امام موسیٰ بن جعفرؑ سے منقول ہے:

ہشام بن حکم سے آپؑ نے جو چیزیں بیان کی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے:

**"یا هشام! من اراد الغنیٰ بلا مالٍ و راحة القلب من الحسد(۱) و السّلامة في الدّين فليتضرّع الیٰ اللّٰه عزّ وجلّ في مسألته بأن يكمل عقله. فمن عقل قنع بما يكفيه و من قنع بما يكفيه استغنیٰ و من لم يقنع بما يكفيه لم يدرک الغنیٰ ابداً". (۲)**

اے ہشام جو شخص مال کے بغیر غنی ہونا اور حسد سے دل کو محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔ یعنی یہ چاہتا ہے کہ وہ کبھی بھی کسی کے لئے برا نہیں سوچے گا بلکہ لوگوں کا بھلا چاہے گا (راحة القلب من الحسد) تو اسے چاہئے کہ بارگاہ خدا میں تضرع وزاری کرے اور یہ دعا کرے کہ خدا اس کی عقل کو کامل کردے، جس کی عقل کامل ہو جاتی ہے وہ قناعت کی صفت سے متصف ہو جاتا ہے اور

---

(۱) بعض روایتوں میں مع الجسد آیا ہے۔

(۲) کافی، ج۱،ص ۱۸

بقدر کفایت چیز پر قناعت کر لیتا ہے اور جو قناعت کرتا ہے وہ بے نیاز ہو جاتا ہے لیکن جو شخص بقدرِ کفایت چیز پر قناعت نہیں کرتا ہے وہ کبھی بے نیاز نہیں ہوگا۔

پس اگر انسان قناعت سے متصف نہ ہو بلکہ وہ حرص کی صفت سے متصف ہو تو وہ کبھی بے نیاز نہیں ہوتا۔

دوسری روایت میں منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

"عزّ من قنع و ذلّ من طمع". (۱)

جس نے قناعت کی اس نے عزت پائی اور جس نے طمع کی وہ ذلیل و رسوا ہوا۔

قناعت توانگر کند مرد را

خبر کن ریص جهان گرد را (۲)

ایک دوسری روایت میں منقول ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا:

"القناعة مال لا ینفد". (۳)

قناعت ایسا مال ہے جو ختم نہیں ہوتا۔

امام موسیٰؑ بن جعفرؑ نے ہشام بن حکم سے فرمایا:

"کان امیر المؤمنینؑ یقول: ما عُبد الله بشيء افضل من العقل، و ما تمّ عقل امرءٍ حتّٰی تکون فیه خصال شتّی" (۴)

امیر المومنینؑ فرمایا کرتے تھے: عقل سے بہتر کسی چیز نے خدا کی عبادت نہیں کی اور آدمی کی عقل اس وقت تک کامل نہیں ہوتی جب تک کہ اس کے اندر چند چیزیں جمع نہ ہو جائیں۔

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱۹ ص ۵۰ اس طرح سے ہے " و قالوا: عز من قنع و زل من طمع" یہ دوسروں کے قول میں سے ہے۔

(۲) کلیات سعدی بوستان ۳۵۳

(۳) نہج البلاغہ کلمہ حکمت: ۵۷ و ۴۷۵

(۴) کافی: ج ۱ ص ۱۸

اس حدیث کا پہلا جملہ امام صادقؑ کی حدیث سے ملتا جلتا ہے، فرماتے ہیں:

''العقل ما عُبِدَ به الرحمان و اکْتُسِبَ به الجنان''۔(۱)

عقل وہ قوت ہے جس کے ذریعہ خدا کی عبادت کی جاتی ہے اور جنت حاصل کی جاتی ہے۔

حضرت امام موسیٰؑ بن جعفرؑ نے جو یہ فرمایا ہے کہ عاقل کے کچھ صفات وخصائل ہیں تو وہ یہ ہیں:

''الکفر و الشرّ منه مأمونان، و الرشد و الخیر منه مأمولان، و فضل ماله مبذول، و فضل قوله مکفوف، و نصیبه من الدّنیا القوت، لا یَشْبعُ مِنَ العلم دَهْرَهُ''.

عاقل کے صفات میں سے یہ بھی ہے کہ کفر و شر ہمیشہ اس سے دور رہتے ہیں، ہمیشہ اس سے نیکی اور خیر کی امید رہتی ہے، ضرورت سے زیادہ مال کو خرچ کر دیتا ہے اور ضرورت سے زیادہ بات نہیں کرتا (چہ جائیکہ وہ کسی کی غیبت کرے یا جھوٹ بولے، یا مذاق استہزاء کرے، مختصر یہ کہ وہ فالتو بات نہیں کرتا ہے) اور دنیا سے بقدرِ کفایت ہی لیتا ہے۔

''ولا یشبع من العلم دهره''.

عقلمند علم حاصل کرنے سے کبھی نہیں اکتاتا (کیونکہ اس کی عقل اسے ہمیشہ علم حاصل کرنے پر ابھارتی رہتی ہے)۔

وہ علوم وفضائل کے حصول میں اس لئے رات دن کوشاں رہتا ہے تاکہ بلند درجات پر پہنچ جائے۔
البتہ طالب علم کا مقصد خدا کی رضا کا حصول ہونا چاہئے نہ کہ دنیا کی سج دھج اور اس کی چند دن کی حکومت۔

علم بهر کمال باید خواند

نه به سودای مال باید خواند (۲)

---

(۱) کافی ج۱ص۱۱

(۲)(۱) جام جم (اوحدی مراغہ ای) اس کا مطلع یہ ہے: چون بہ کسب علوم میل داری

﴿انّما یخشی اللّٰهَ مِن عبادِہ العُلمَاءُ﴾. (۱)

خدا سے بس علماء ہی ڈرتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ علم و معرفت کی حقیقت خدا اور اس کی نافرمانی سے ڈرنا ہے۔

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں:

"الکمال کل الکمال التّفقّہ في الدّین و الصّبر علیٰ النّائبة و تقدیر المعیشة". (۲)

مکمل کمال یہ ہے کہ انسان علمِ دین حاصل کرے مصیبتوں پر صبر کرے اور میانہ روی اختیار کرے۔

اس حدیث سے ملتی جلتی حدیث امام رضاؑ سے بھی منقول ہے اور وہ یہ ہے:

"لا یستکمل عبدٌ حقیقة الایمان حتّٰی فیہ خصال ثلاث، التّفقّہ فی الدّین، و حسن التقدیر فی المعیشة ، و الصّبر علیٰ الرزایا". (۳)

بندہ کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس میں تین خصلتیں پیدا نہ ہو جائیں: علم دین حاصل کرے میانہ روی اختیار کرے اور مصیبتوں پر صبر کرے۔

رسولؐ سے ایک روایت منقول ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی انسان کی سعادت و کامیابی کو تین چیزوں میں منحصر سمجھتے ہیں، فرماتے ہیں:

"اذا ارادَ اللّٰہُ بعبدٍ خیراً فَقَّھَہ في الدِّینِ و زَھَّدَہ في الدُّنیا، و بَصَّرَہُ عُیوبَھا و مَنْ اوتِیَھُنَّ فقد اوتي خیرَ الدُّنیا و الآخرة". (۴)

---

(۲) فاطر: ۲۸

(۲) کافی ج ۱ ص ۳۲

(۳) تحف العقول ص ۴۷۱

(۴) بحار الانوار ج ۲۳ ص ۵۵

جب خدا کسی بندے کو خیر سے نوازنا چاہتا ہے تو اسے دین کا فقیہ اور دنیا سے بے رغبت بنا دیتا ہے اور اسے اس کے عیوب کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ جس کو یہ خصوصیتیں عطا ہو جاتی ہیں اسے دنیا و آخرت کی سعادت مل جاتی ہے۔

یعنی اس کی پوری توجہ اپنے نفس کے عیوب کی طرف ہوتی ہے وہ دوسروں کے عیوب کی ٹوہ میں نہیں رہتا ہے کہ انہیں ظاہر کرے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ جس علم کی طرف رغبت دلائی گئی ہے اور جس کے حصول پر اتنا ابھارا گیا ہے، جس کا اتنا ثواب بیان کیا گیا ہے وہ کونسا علم ہے؟

جواب: یوں تو ہر علم اچھا ہے لیکن تین علوم کے حاصل کرنے کے لئے زیادہ تاکید کی گئی ہے اور وہ یہ ہیں:

۱۔علم اصول دین ،۲۔علم فروع دین ،علم اخلاق

ایک حدیث میں رسولؐ کا ارشاد ہے:

" اِنَّـمـا العلم ثلاثةٌ، آية محكمة او فريضة عادلة ،او سنّة قائمة و ما خلاهن فهو فضل". (۱)

اس کے دو ترجمے کئے جاسکتے ہیں:

۱۔آیت محکمہ سے مرادعلمِ قرآن اور سنّت قائمہ سے مراد واجبات و مستحبات اور فریضۂ عادلہ سے مرادعلمِ اخلاقیات ہے۔

۲۔آیت محکمہ سے مرادعلم اصول دین اور سنّت قائمہ سے مراد تمام واجبات و مستحبات کا علم اور فریضہ عادلہ سے مرادعلم اخلاق ہے۔

شاید دوسرے معنی زیادہ بہتر ہیں۔

---

(۱) کافی ج۱ص۳۲

پس عقلمند کسی وقت بھی علم حاصل کرنے سے نہیں تھکتا ہے۔

"لا تزول قدما عبدٍ یومَ القیامة حتّٰی یُسأل عن اربع: عن عمره فیما افناه و شبابه فیما ابلاه و عن ماله من این کسبه و فیما انفقه و عن حبنا اهل البیتؑ" (۱)

قیامت کے دن بندہ ایک قدم بھی نہیں اٹھا پائیگا کہ اس سے چار چیزوں کے بارے میں سوال کیا جائیگا:

۱۔ عمر ایسی گراں بہا چیز کے بارے میں سوال ہوگا کہ اس سے کیا فائدہ اٹھایا ہے۔

۲۔ جوانی کے بارے میں پوچھا جائیگا کہ اسے کہاں صرف کیا ہے؟ علوم و فضائل کے حصول میں صرف کیا ہے یا نہیں؟

۳۔ مال کے متعلق دریافت کیا جائیگا کہ کہاں سے حاصل کیا اور کہاں خرچ کیا۔

۴۔ ہم اہل بیتؑ کی محبت کے بارے میں پوچھا جائیگا۔

اہل بیتِ رسولؐ سے محبت کرنا اجرِ رسالت ہے کیونکہ یہی ذوی القربیٰ ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿قُلْ لّا اَسْئلُکُم علیه اَجراً اِلّا المَودّة في القُربیٰ﴾(۲)

جناب امیرؑ فرماتے ہیں:

"الذّلّ احبُّ الیه مع اللّٰه مِنَ العزِّ معَ غیرِه".

عقلمند غیر کے ساتھ ملنے والی عزت سے زیادہ اس ذلت کو دوست رکھتا ہے جو خدا کے ساتھ مل سکتی ہے۔

"و التواضع احبّ الیه من الشّرف".

(۱) بحار الانوار ج ۷۱ ص ۱۸۰

(۲) شوریٰ: ۲۳

عقلمند کے لئے شرف سے زیادہ محبوب انکساری ہے۔

"مَنْ تَواضَعَ للّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ و مَنْ تكبَّرَ خَفَضَهُ اللّٰه". (۱)

جو شخص خدا کے لئے فروتنی کرے گا خدا اسے بلندی پر پہنچائے گا اور جو تکبر کرے گا خدا اسے ذلیل پست کرے گا۔

"يَسْتَكثِرُ قَليلَ المعروفِ مَنْ غَيْره".

اور یہ (عقلمند) کسی کے ساتھ زیادہ احسان کرتا ہے تو اسے ناچیز سمجھتا ہے۔

"يَستَقِلُّ كثيرَ المعروف من نفسه".

اور اپنے زیادہ احسان کو بہت کم سمجھتا ہے۔

"و يرىٰ النّاس كلّهم خيراً منه و انّه شَرُّهُم في نفسه".

تمام لوگوں کو اپنے سے بلند اور خود کو سب سے حقیر سمجھتا ہے۔

"و هو تمامُ الامر". (۲)

اس جملہ کے معنی میں دو احتمال ہیں:

۱۔ یہ صفت سارے صفات کی آئینہ دار ہے۔

۲۔ اس شخص کی تکمیل و تمامیت یہی ہے۔ یعنی انسان کے وجود میں اس وقت اعلیٰ ترین صفات پیدا ہوتے ہیں جب وہ خود کو سب سے چھوٹا سمجھتا ہے۔

❁❁❁❁❁

---

(۱) بحار الانوار ج ۵۷ ص ۱۲۲۔ عن ابي عبد اللّٰہ قال: أفطر رسول اللّٰہ عشية الخميس في مسجد قبا، فقال: هل من شراب فأتاه أوس بن خولة الأنصاري بعسّ من لبن مخيض بعسل فلمّا وضعه علىٰ فيه نحاه، ثم قال: شرابان يكتفى بأحدهما عن صاحبه لا أشربه ولا أحرّمه ولكني أتواضع للّٰه فانّ من تواضع للّٰه رفعه اللّٰه ومن تكبّر خفضه اللّٰه ومن اقتصد في معيشته رزقه اللّٰه ومن أكثر ذكر اللّٰه أحبه اللّٰه۔

(۲) کافی ج ۱ ص ۱۸۔۱۹

# تیسری تقریر

عقل شہوت وغضب کو اعتدال پر رکھتی ہے اور اس کے سبب حکمت پیدا ہوتی ہے۔

ظاہری و باطنی حجّت
عقل کے ساتھ انبیاء کی ضرورت
عقل کی اہمیت اور غضب وشہوت سے اس کا ربط
عدالت کس طرح حاصل ہوتی ہے؟
جہاد بالنفس اور عقل وروح سے اس کا رابطہ
عقل کو ابھارنا اور نکھارنا بعثتِ انبیاءؑ کا مقصد

**قال الامام الهمام موسىٰ بن جعفرؑ:**

**"یا هُشامُ اِنَّ للّٰهِ علیٰ النّاس حُجّتین، حجّةً ظاهرةً وحجّةً باطنةً فامّا الظّاهرةُ فالرّسُلُ و الأنبیاءُ و الأئمةُ و أمّا الباطنةُ فالعقول". (۱)**

امام موسیٰ بن جعفرؑ کا ارشاد ہے:

اے ہشام! لوگوں پر خدا کی دو حجتیں ہیں ایک حجّت ظاہری دوسرے حجّت باطنی؛ ظاہری حجّت انبیاء ورسل اور ائمہ ہیں اور حجّت باطنی عقل ہے۔

بنابرایں یہ کہا جا سکتا ہے کہ خدا نے انسان کے لئے دو قسم کے پیغمبر قرار دیئے ہیں ایک ظاہر میں اور وہ ہیں انبیاءؑ اور دوسرے باطن میں اور وہ ہے عقل، عقل کی مثال ایک فرشتہ کی سی ہے جو انسان کی ہدایت کرتا ہے لیکن خدا نے اسے ایک طاقت کی صورت میں انسان کے اندر رکھ دیا ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ہمارے باطن میں ایک پیغمبر عقل کی صورت میں موجود ہے اور وہ انسان کو خدا کی وحدانیت اور فضائل و کمالات کی طرف دعوت دیتی ہے اور اسے برائیوں سے روکتی ہے تو پھر حجّت ظاہری-انبیاء- کی کیا ضرورت ہے؟

---

(۱) کافی: ج۱ص۱۶

جواب: عقل کسی بھی چیز کے اجمالی مفہوم کو درک کرتی ہے لیکن اس کے سامنے چونکہ ایک پردہ ہوتا ہے لہذا اس کی راہنمائی ہونی چاہئے تاکہ یہ پردہ ہٹ جائے اور عقل اس راہنما کی مدد سے حقائق کا ادراک کرے۔

مثلاً انسان کی آنکھ میں قوۂ باصرہ۔ دیکھنے کی طاقت۔ ہے اور ہر حال میں یہ طاقت اس کے ساتھ رہتی ہے لیکن جب انسان کے چاروں طرف اندھیرا ہوتا ہے تو اس وقت یہ طاقت کام نہیں کرتی مگر روشنی کے آتے ہی تاریکی کا پردہ ہٹ جاتا ہے اور انسان ہر چیز کو دیکھنے لگتا ہے۔ قوۂ عقل بھی ایسی ہی ہے یہ انسان کے وجود میں حقائق کو سمجھنے کی طاقت ہے۔ اجمال کے ساتھ سمجھتی ہے۔ تفصیل سمجھنے کے لئے راہنما کی ضرورت ہے۔

بعبارت دیگر عقل ایک باطنی نور ہے۔ اس کے ساتھ ایک ظاہری نور کی ضرورت ہے تاکہ حقائق کے ادراک میں وہ اس کی مدد کرے۔

اگر کسی کے پاس عقل نہیں ہوتی تو اس کو کوئی تکلیف بھی نہیں دی جاتی اور اسے پیغمبروں کی ضرورت بھی نہیں ہوتی لیکن اگر کوئی عقل رکھتا ہے تو وہ خدا کے پیغمبروں کی مدد سے الٰہی جلال و جمال کا مظہر اور ذاتِ احدیت کا مقرّب بن جاتا ہے۔

آدمی زاده طرفه معجونی است
از فرشته سرشته و از حیوان
گر رود سوی این شود پس از این
و ز رود سوی آن شود به از آن (۱)

انسان عجیب قسم کا معجون ہے فرشتہ اور حیوان سے اس کی سرشت ہے اگر اس طرف جاتا ہے تو فرشتہ اور اس طرف جاتا ہے تو جانور بن جاتا ہے۔

---

(۱) کشف الغطاء عن وجوہ مراسم الاهتداء (مولیٰ حسن قزوینی)

حد انسان به مذهب عامه
حیوانی است مستوی القامه
پهن ناخن، برهنه پوست زموی
به دو پا، ره سپر به خانه و کوئی
هر که را بنگرند کاین سان است
می برندش گمان که انسان است
آدمی چیست؟ برزخی جامع
صورت خلق و حق در او واقع
متصل با حقایق ملکوت
مشتمل بر دقایق جبروت
ظاهرش خشك لب به ساحل فرق
باطنش در محیط وحدت غرق

جب ہم نے عقل کے مرتبہ کو پہچان لیا تو ہمیشہ خدا سے یہ دعا کرنی چاہئے کہ ہماری عقل میں اضافہ فرما۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ عقل ایک فرشتہ کی مانند مستقل طور پر انسان کی راہنمائی کرتی ہے لیکن اس بات کو بھی یاد رکھنا چاہئے کہ انسان کے اندر جس طرح عقل کا وجود ہے اسی طرح اس کے اندر غضب وشہوت کا وجود بھی ہے چنانچہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ دونوں سرکشی پہ اتر آتے ہیں اور اپنی حد سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔

شہوت وغضب مملکتِ بدن کے بادشاہ، روح کو اپنا مطیع بنانا چاہتے ہیں تاکہ جو چاہیں کریں، لیکن غضب وشہوت کے مقابلہ میں عقل موجود ہے، اگرچہ یہ دونوں، غضب وشہوت، عقل کو نابود کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر عقل کا مقصد ان کو فنا کرنا نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد ان کی اصلاح کرنا ہے کیونکہ انسان کے

بدن میں غضب وشہوت کا ہونا بھی ضروری ہے، شہوت کے وسیلہ سے انسان اپنے فوائد حاصل کرتا ہے اور غضب کے ذریعہ نقصان سے بچتا ہے، انسان کی زندگی کے لئے اگر چہ یہ دونوں مفید ہیں لیکن جب کبھی یہ سرکشی کرتے ہیں تو پھر ان کے اور عقل کے درمیان کشمکش کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، عقل چاہتی ہے کہ ان کو اعتدال پر رکھے اگر یہ اپنی سرکشی سے باز نہیں آتے تو اس وقت انسان کے وجود میں ایک جنگ چھڑ جاتی ہے۔

اگر انسان کی روح غضب وشہوت کی پیروی کرنا چاہے اور یہ دونوں اس پر غالب ہو جائیں تو عقل، کہ جس کو خدا نے روح کی مدد کے لئے پیدا کیا ہے، روح کی تقویت کرتی ہے اور یہ ان دونوں کو کچلنے کا سبب ہوتی ہے، اسی کا نام جہاد بالنفس ہے۔

نفس امارہ اس نفس کو کہتے ہیں جس پر غضب وشہوت غالب آجاتے ہیں، اگر غالب آجائیں تو انسان کا فرض ہے کہ انہیں کچل دے، خدا نے اس کی مدد کے لئے عقل نام کا ایک فرشتہ بھیج رکھا ہے، تاکہ اس کی مدد سے وہ ان دونوں کو دائرہ میں رکھ سکے۔ اگر عقل اپنی ذمہ داری پوری کرے اور شہوت کو اعتدال پر لے آئے تو اس سے عفت وجود میں آتی ہے اور اگر غضب میں اعتدال پیدا کر دے تو اس سے شجاعت وجود پذیر ہوتی ہے بنا برایں شجاعت حد وسط میں ہے۔

جب قوۂ غضبیہ معتدل ہو جاتی ہے تو بہت سے پسندیدہ صفات وجود میں آجاتے ہیں اسی طرح قوۂ شہویہ ہے کہ جس سے عفت پیدا ہوتی ہے عفت سے بہت سے فضائل وکمالات وجود پذیر ہوتے ہیں۔

جن چیزوں کے بارے میں ہم یہ کہتے ہیں کہ ان کو معتدل ہونا چاہئے، ان کے دو پہلو ہیں ایک پہلو افراط کا ہے دوسرا تفریط کا۔ شہوت میں افراط کا مطلب ہے کہ شہوت میں حد سے گذر جانا اور شہوت میں تفریط کے معنی ہیں جمود یعنی کلی طور پر انسان قوۂ شہویہ سے الگ ہو جائے۔

شجاعت وسط میں ہے اگر اس میں افراط ہو جائے تو تہوّر رہے چنانچہ جو شخص خود کو خطرات اور ہلاکتوں میں ڈالتا ہے اسے متہور کہتے ہیں اور اگر شجاعت میں تفریط ہو جائے تو بزدلی پیدا ہوتی ہے لیکن جب عقل

اس میں اعتدال پیدا کر دیتی ہے تو اسے شجاعت کا نام دیتے ہیں۔

ممکن ہے خود عقل میں بھی انحراف و کجی پیدا ہو جائے، ہو سکتا ہے وہ افراط و تفریط کی شکار ہو جائے، اگر تفریط کی طرف بڑھے گی تو جہالت پیدا ہو گی اور اگر افراط کی طرف جائے گی جز بزہ حاصل ہو گا۔

جز بزہ کے معنی ہیں تفکر و خیال بافی میں اس طرح حد سے آگے بڑھنا کہ جس سے رفتہ رفتہ حقیقت سے بیگانہ ہو کر باطل کی طرف جھک جائے۔ مثلاً یہ سوچنے لگے کہ کوئی خدا نہیں ہے (معاذ اللہ) جو کچھ ہے وہ مادہ ہے یا عقل یہ تصور کرے کہ یہ کائنات ایک خیالی چیز ہے جیسا کہ سوفسطائیوں نے لکھ دیا ہے۔

ان میں سے بعض لوگ بیر ہون کے حکم کے تابع ہیں، بیر ہون یہ کہا کرتا تھا: اس دنیا میں تم جو کچھ دیکھتے ہو یہاں تک کہ تمہارا وجود بھی حقیقت نہیں ہے، یہ صرف خیال ہے، وہ کہتا تھا درد کا کوئی وجود نہیں ہے، وہ ایسی باطل باتوں کا معتقد تھا کہ بازار میں چلتے ہوئے اگر کسی بار بردار یا کسی مویشی وغیرہ سے ٹکرا جاتا تھا تو خود کی حفاظت نہیں کرتا تھا ہاں اس کے شاگرد اس کی حفاظت کرتے تھے وہ اسے پکڑ کر کنارے لے جاتے تھے تا کہ کسی چیز سے نہ ٹکرائے۔

عقل میں افراط و تفریط سے اس طرح جہالت پیدا ہوتی ہے۔ جہل یا بسیط ہوتا ہے یا مرکب، بسیط کا علاج ہو سکتا ہے مرکب کا علاج بہت مشکل ہے۔

آن کس کہ نداند و بداند کہ نداند

بار خرك خويش بہ منزل برساند

جو بے علم ہے اور وہ یہ جانتا کہ وہ نادان ہے وہ کسی نہ کسی کی طرح منزل تک پہنچ جائیگا لیکن جو یہ نہیں جانتا کہ نہیں جانتا بلکہ اس کے برعکس یہ سمجھتا ہے کہ وہ جانتا ہے تو ایسا آدمی ہمیشہ جہل مرکب میں مبتلا رہے گا۔ لیکن

آن کس کہ نداند و نداند کہ نداند

در جہل مرکب ابد الدھر بماند

نتیجہ میں بدن کی مملکت میں عقل اور غضب وشہوت کے درمیان مستقل جنگ رہتی ہے۔ شہوت و غضب ہمیشہ اس کشمکش میں رہتے ہیں کہ عقل اور روح کو اپنا تابع فرمان بنالیں اور اسے حیوانیت کے درجہ پر پہنچادیں (شہوت وغضب کو خواہش کا نام دیا جاتا ہے) یہ دونوں عقل کو فنا کردینا چاہتے ہیں لیکن عقل ان کے بارے میں کبھی یہ نہیں سوچتی کہ ان کو نابود کرے وہ تو ان کو اعتدال پر لانا چاہتی ہے۔ عقل روح کو اپنا پیرو بنانا چاہتی ہے تا کہ وہ اطاعت خدا کے ذریعہ قرب الٰہی تک پہنچ جائے۔ اگر روح عقل کی پیروی کرتی ہے تو بلند مراتب پر فائز ہوکر قرب خدا تک پہنچ جاتی ہے اور اگر شہوت وغضب کا اتباع کرتی ہے تو حیوانیت کے زمرہ میں چلی جاتی ہے۔

آدمی زادہ طرفہ معجونی است
از فرشتہ سرشتہ و از حیوان
گر رود سوئے این شود بہ از این
ور رود سوئے آن شود از آن (۱)

حضرت امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں:

"الحِلْمُ غِطاءٌ ساترٌ والعقلُ حُسامٌ قاطعٌ، فاستُرْ خَلَلَ خُلْقِکَ بِحلْمِکَ وقاتِلْ هَواکَ بِعَقْلِکَ ۰." (۲)

عقل تیز دھار تلوار ہے اور حلم و بردباری چھپانے والا پردہ ہے پس حلم و بردباری کے ذریعہ اپنی اخلاقی کمزوریوں کو چھپاؤ اور عقل کے ذریعہ خواہش نفس سے جنگ کرو۔

اس سے جہاد بالنفس کی اہمیت واضح ہوتی ہے اور انسان کا اپنے نفس سے جہاد کرنے کا فلسفہ بھی

---

(۱) کشف الغطاء عن وجوہ مراسم الاهتداء (مولیٰ حسن قزوینی)

(۲) نہج بلاغہ کلمہ حکمت: ۴۲۴

آشکار ہوجاتا ہے۔ نفس کو شہوت وغضب کی پیروی کرنے کی اجازت نہیں دینا چاہئے بلکہ اسے عقل کے حکم کے مطابق چلنے پر مجبور کرنا چاہئے۔

البتہ نفس سے جہاد کرنا بہت مشکل کام ہے، خواہش نفس سے جنگ کرنے کے لئے بڑی طاقت درکار ہے۔

رستمی باید که تا خصمی کند بادیو ے نفس

گر بر او غالب شوی افاسیاب افگنده ای (۱)

نفس کے دیو سے لڑنے کے لئے رستم چاہئے، اگر تم نے نفس کو زیر کرلیا تو گویا افراسیاب کو پچھاڑ دیا۔

چونکہ عقل اور غضب وشہوت کے درمیان ہمیشہ جنگ ہوتی رہتی ہے اگر عقل غالب ہوتی ہے تو وہ

انسان کو شریعت کی پیروی اور علم کے مطابق عمل کرنے پر ابھارتی ہے اور اسے تقرّب خدا کی منزل پر لے جاتی ہے اور اگر شہوت وغضب غالب ہوجاتے ہیں تو اسے حیوانیت میں گھسیٹ لے جاتے ہیں اور شیطانوں سے متصل کردیتے ہیں۔

جب امام صادقؑ سے عقل کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا:

"العقلُ ما عُبِدَ بِهِ الرَّحمٰنُ و اكْتُسِبَ بِهِ الجِنْانُ". (۲)

عقل وہ ہے جس کے ذریعہ رحمان کی عبادت کی جاتی ہے اور جنت حاصل کی جاتی ہے۔

اصحاب نے پھر دریافت کیا:

معاویہ میں جو چیز تھی کیا وہ عقل نہیں تھی؟

---

(۱) کلیات سعدی مواعظ ص ۱۰۲۰

(۲) کافی ج ۱ ص ۱۱، بحار الانوار ج ۱ ص ۱۱۶ نیز ج ۳۳ ص ۱۷۰.... (اصل: ۳۱)

آپؑ نے فرمایا:

نہیں! معاویہ میں عقل نہیں تھی بلکہ اس میں مکر وشیطنت تھی جو عقل سے مشابہہ ہوتی ہے عقل نہیں ہوتی۔

بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ انسان کے اندر چار طاقتیں ہیں اور یہ ایک حدتک تمام قوا پر فوقیت رکھتی ہیں:

۱۔عقل، ۲۔شہوت، ۳۔غضب، ۴۔وہم

قوۂ واہمہ کا کام جزئیات کا ادراک کرنا ہے اور قوۂ عاقلہ کا کام کلیات کا ادراک کرنا ہے اگر قوۂ عاقلہ معتدل ہوگئی اور افراط وتفریط سے بچی رہی تو حکمت پیدا ہوگی۔

حکمت یعنی طاقت بشری کے مطابق اشیاء کے حقائق کو جاننا۔

اگر شہوت میں اعتدال آ گیا تو عفت پیدا ہوگی اور جب غضب میں اعتدال پیدا ہوگا تو شجاعت پیدا ہوگی۔

علماء اخلاق کی ایک جماعت نے بھی یہی کہا ہے کہ ان تین طاقتوں: شجاعت، (اعتدالِ غضب) عفت (اعتدالِ شہوت) اور حکمت (قوت عاقلہ کا اعتدال) ہی اصل ہے؛ تمام کمالات وفضائل کی بنیاد یہی ہیں اگر کسی میں یہ تینوں طاقتیں ہیں تو وہ عادل ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قوت واہمہ معتدل ہو جائے تو ان کی مراد یہ ہے کہ قوت واہمہ کے اعتدال کے نتیجہ میں عدالت وجود میں آتی ہے۔

بنا بر ایں انبیاء کی بعثت کا مقصد عقل کو حرکت میں لانا اور اسے بیدار کرنا ہے، حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

"فَبَعَثَ اللّٰهُ فيهِمْ رُسُلَهُ و واتَر اليهِم أنبيائَهُ لِيَسْتأدوهُمْ ميثاقَ فِطْرَتِهِ و يُذَكِّروهُمْ مَنْسِيَّ نِعْمَتِهِ و احْتَجُّوا عَلَيهِمْ بالتَبْليغ و يُثيرو لهم دَفَائِنَ العُقولِ."(۱)

---

(۱) نہج البلاغۃ خطبہ ۱

خدا نے ان کے درمیان اپنے رسولوں کو بھیجا اور پے در پے اپنے انبیاء بھیجے تا کہ وہ ان سے اس عہد کو پورا کرائیں جو خدا نے ان کی فطرت سے کیا تھا اور انہیں خدا کی وہ نعمت یاد دلائیں جسے وہ فراموش کر چکے ہیں اور انسان کے اندر چھپے ہوئے عقل کے خزانہ کو باہر لائیں، اس استعداد کو ظاہر کریں تا کہ لوگ اس استعداد کے ذریعہ انبیاء کے احکام کی اطاعت کریں۔

عقل کا ایک کام یہ ہے کہ وہ انسان کو علم و دانش کی طرف دعوت دیتی ہے۔ عقل انسان کو علم حاصل کرنے پر ابھارتی ہے تا کہ وہ توحید و نبوت اور دوسرے تمام عقائد کو جان لے۔

انسان جن بلند ترین فضائل و کمالات کا تصور کر سکتا ہے ان میں سے علم بھی ہے۔ اگر علم نہ ہو تو انسان عقل و شریعت سے استفادہ نہیں کر سکتا۔ اسی لئے علم کی بے پناہ اہمیت ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ تحصیل علم میں بھرپور طریقہ سے کوشش کی جائے۔

# پہلی تقریر

علم کی فضیلت

علم الٰہی کا حاصل کرنا واجب ہے

علم الٰہی کی عظمت

علم کو مکارم اخلاق کے ساتھ ہونا چاہئے

علم کو فکر و نظر کے ساتھ ہونا چاہئے

علم الٰہی مکارم اخلاق اور بلند افکار کے ساتھ ہے

قال عليٌّ امیرُ المومنین ؑ:

"العِلمُ وراثةٌ كريمة و الآدابُ حُلَلٌ مُجَدَّدَةٌ والفِكْرُ مِرْآةُ صافيةٌ"(۱)

حضرت امیر المومنین ؑ فرماتے ہیں: علم شریف وعظیم ترین میراث ہے اور علمی وعملی آداب نو بنو خلعت ہیں اور فکر صاف شفاف آئینہ ہے۔

علم کی فضیلت وشرافت بدیہی اور نا قابل انکار حقیقت ہے، انسان ذرا عقل سے کام لے تو معلوم ہو جائے کہ علم سراپا شرافت ہے۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الّذينَ يَعْلَمُونَ و الّذِينَ لا يَعْلَمُونَ اِنّما يَتَذَكَّرُ أُولوا الألْبابِ﴾(۲)

اے رسول ؐ! ان لوگوں سے کہہ دیجئے: کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہیں؟! بیشک اس بات کو، کہ عالم وجاہل برابر نہیں ہیں، صاحبان عقل ہی سمجھتے ہیں۔

یعنی صرف صاحبانِ عقل ہی یہ سمجھتے ہیں کہ علم، جہل سے بہتر ہے، یہ دونوں برابر نہیں ہیں۔

(۱) نہج البلاغہ، حکمت ۵

(۲) زمر: ۹

دین اسلام، علم و دانش کا دین ہے، ہمیشہ اپنے پیرؤوں کو علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

رسولؐ کی اس حدیث کو آپ لوگوں نے بارہا سنا ہوگا:

''طَلَبُ العِلْمِ فَرِيضَةٌ علىٰ كُلِّ مُسلِمٍ و مُسلِمَةٍ''. (۱)

بعض روایتوں میں ''مسلمہ'' کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے جبکہ بعض روایتوں میں صرف لفظ مسلم آیا ہے البتہ یہ لفظ مرد و عورت دونوں کو شامل ہے۔

ایک روایت میں ارشاد ہے:

''اطلبوا العِلْمِ ولو بالصين فاِنّ طَلَبَ العلمِ فَريضةٌ عَلىٰ كلّ مُسلِمٍ''.(۲)

علم حاصل کرو خواہ اس کے لئے تمہیں چین جانا پڑے کیونکہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔

یعنی علم کی اتنی زیادہ اہمیت ہے کہ اگر علم حاصل کرنے کے لئے دور دراز کا سفر کرنا پڑے تو بھی اس کے حصول میں کوتاہی نہیں کرنا چاہئے۔

دوسری روایت میں ارشاد ہے:

''اُطلُبِ العِلْمِ مِنَ المَهْدِ الىٰ اللّحد''. (۳)

گہوارہ سے گور تک علم حاصل کرو۔

چنین گفت پیغمبر راست گوی

زگہوارہ تا گور دانش بجوی

(۱) مستدرک الوسائل ج ۷ اص ۲۴۸، بحار الانوار ج ۲ ص ۳۱، مصباح الشریعۃ مترجم ص ۲۵۷، قال الصادقؑ: العلم أصلُ كلِّ حالٍ سنيٍّ و منتهى كل منزلةٍ رفيعة، لذالك قال النبيّ: طلبُ العِلْم فَريضةٌ علىٰ كلِّ مسلمٍ و مسلمةٍ، اى عِلْمُ التقوىٰ و اليقين۔

(۲) بحار الانوار ج اص ۱۸۰ (۳) تفسیر قمی ج ۲ ص ۴۰۱

دوسری روایت میں ارشاد ہے:

"سمعتُ ابا عبد اللّٰہ علیہ السّلام یقول تفقّھوا فی الدّین فاِنّہ مَنْ لم یتفقّہ منکم في الدّین فھو اعرابيٌّ. انّ اللّٰہ عزّ و جلّ یقول في کتابہ: لیتفقّھوا في الدِّین و لِیُنْذِروا قَومَھُمْ اذا رجعوا الَیْھِمْ لعلّھُمْ یَحْذَرُونَ."(۱)

راوی کہتا ہے: میں نے ابوعبداللہؑ سے سنا کہ فرماتے ہیں: علمِ دین حاصل کرو کیونکہ جو شخص دین کی گہرائی کو نہ سمجھے وہ گنوار اور جاہل ہے بیشک خداوند عالم اپنی کتاب میں فرماتا ہے: ان لوگوں کو چاہئے کہ علم دین حاصل کریں اور جب اپنی قوم کی طرف لوٹ کر جائیں تو انہیں ڈرائیں ہوسکتا ہے وہ ڈریں۔

اس سے متعلق قرآن کی بہت سی آیتیں ہیں ان میں سے چند آیتیں درج ذیل ہیں:

﴿شَھِدَ اللّٰہُ انَّہُ لا الٰہ الّا ھو وَالمَلائِکَۃُ واُولوا الْعِلْمِ قائِماً بالقِسْطِ لا الٰہ الّا ھُوَ العَزِیزُ الحکیمُ﴾(۲)

خدا خود اپنی وحدانیت کی گواہی دیتا ہے اور اس کے فرشتے اور صاحبان علم یہ گواہی دیتے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔

خدا نے یہاں صاحبان علم کی گواہی کو اپنی گواہی کے برابر قرار دیا ہے، لیکن واضح رہے کہ اہل علم کا بالا ترین مصداق ائمۂ اطہار ہیں اور ان میں اولین جناب امیرالمومنینؑ ہیں آپؑ کے بارے میں خدا فرماتا ہے:

﴿قُلْ کَفیٰ باللّٰہِ شَھیداً بَیني و بَیْنَکُمْ و مَنْ عِنْدَہُ عِلْمُ الْکِتَابِ﴾(۳)

اے رسول ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میری نبوت کی گواہی دینے کے لئے خدا اور وہ شخص کافی ہے جس کے پاس علم کتاب ہے۔

---

(۱) توبہ:۱۲۲ او کافی ج ۱ ص ۳۱، بحار الانوار ج ۱ ص ۲۱۵

(۲) آل عمران:۱۸

(۳) رعد:۴۳

دوسری آیت میں فرماتا ہے:

﴿يَرْفَعِ اللّهُ الّذينَ آمَنُوا مِنْكُمْ والّذِينَ أُوتُوا العِلْمَ دَرَجات﴾ (۱)

خداوندعالم تم میں سے مومنوں اوران لوگوں کے درجات بلند کرتا ہے جن کوعلم دیا گیا ہے۔

آیت میں ارشاد ہے:

﴿اللّٰهُ الّذي خَلَقَ سَبْعَ سَمٰواتٍ وَمِنَ الأرضِ مِثْلَهُنَّ يَتنزّلُ الأمرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَموا أنَّ اللّٰهَ علىٰ كُلِّ شيءٍ قديرٌ و أنَّ اللّٰهَ قَدْ أحاط بكُلِّ شَيءٍ عِلْماً﴾(۲) .....(اصل: ۴۲)

خداوہ ہے جس نے سات آسمانوں اورانہیں کے مثل زمینوں کو پیدا کیاان میں خدا کا امر نازل ہوتا ہے یہ اس لئے ہے تاکہ تم جان لو کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے اور خدا کا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔کائنات کی تخلیق اس لئے ہوئی ہے تاکہ تم خدا کی معرفت حاصل کرواور یہ جان لوکہ خداقدرت والا اور جاننے والا ہے کیونکہ معرفت خدا کاعلم تمام علوم پرفوقیت رکھتا ہےاورتمام علوم کی بنیاد یہی ہے۔

"العِلْمُ نُورٌ يَقْذِفُهُ اللّه في قَلْبِ مَنْ يَشاءُ". (۳)

علم ایک نور ہے خدا جس کے قلب میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے۔

علم بالیست مرغ جانت را
بر سپهر او برد روانت را
دل بی علم چشم بی نور است

(۱) مجادلہ:۱۱

(۲) طلاق:۱۲.

(۳) مصباح الشریعہ:۱۶.

مـــرد نـــادان ز آدمـــی دور اســـت

عـلـم نـور اسـت و جهـل تـاریـکـی

عـلـم راحـت بـرد بـه بـاریـکـی

جـوهـر عـلـم هـم چـو زر بـاشـد

کـه چـو شـد کهـنـه تـازه تـر بـاشـد (۱)

علم تمہاری روح کے لئے بال و پر ہے وہ تمہاری روح کو آسمان پر پہنچا سکتا ہے۔ جس دل میں نور نہیں ہوتا وہ اندھے کی مانند ہے، نادان و جاہل آدمی نہیں ہے، علم نور ہے اور جہالت تاریکی ہے علم تمہیں باریک ترین راستہ سے گذار سکتا ہے، علم بھی سونے کی طرح ہے پرانا ہونے پر بھی نیا رہتا ہے۔

مـی روی بـادل تـو هـمـراه اسـت

مـی نشیـنـی زجـانـت آگـاه اسـت

کـس نهـانـش بـه خـاك نتـوانـد

تـنـد بـادش هـلاك نتـوانـد (۲)

جہاں تم جاتے ہو علم تمہارے دل کے ساتھ رہتا ہے اور تم بیٹھتے ہو وہ تمہاری روح و جان سے آگاہ رہتا ہے، کوئی اسے خاک میں نہیں چھپا سکتا اور تیز و تند ہوا اسے ہلاک نہیں کر سکتی۔

حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

"العِلْمُ وِراثَةُ كَرِيمَةٌ".

علم بہترین ثروت ہے۔

کـفـیٰ بـالـعـلـم فـي الـظـلـمـات نـوراً

---

(۱) سابق حوالہ

(۳) جام جم اوحیدی مراغہ ای/علم کی صفت میں اس کا مطلع یہ ہے: خنک آن پر دلان دین پرور۔

يبيّـــن فـــي الـــحيـــا لـــنـــا الأُمـــورا

فـــكـــم وجَـــدَ الـــذليـــلُ بـــــه اعتـــزازاً

وكـــم لبـــس الـــحـــزيـــنُ بـــه ســـرورا

علم کے لئے یہی بہت ہے کہ وہ تاریکیوں کا چراغ ہے ہماری زندگی کی بہت سی گھتیوں کو سلجھاتا ہے، کتنے ہی بے عزت لوگوں نے اس کے سبب عزت پائی ہے اور کتنے ہی غم زدہ علم کے باعث خوشی سے ہمکنار ہوئے ہیں۔

چونکہ علم ایک بہت بڑا سرمایہ ہے، اس لئے اس کی بہت زیادہ فضیلت ہے۔

"و الآدابُ حُلَلٌ مُجَدَّدةٌ".

پسندیدہ اخلاق اور صفات حمیدہ پاکیزہ اور صاف ستھرے لباس کی مانند ہیں۔ ہمیشہ انسان کے لئے باعث زینت ہیں۔

علم کی اہمیت اس وقت ہوتی ہے جب اس کے ساتھ پسندیدہ صفات اور تقویٰ و پرہیزگاری ہوتی ہے لہٰذا انسان کو چاہئے کہ وہ پسندیدہ صفات، راست گوئی، مہربانی، بردباری، تواضع و انکساری، صبر و شکیبائی سے خود کو متصف کرے۔

بـــرتـــری مـــردمـــان بـــه دانـــش و تقویٰ اســـت

رو تـــوز تـــنـــزيـــل ان اكـــرمـــكـــم خـــوان

آب حيـــات اســـت عـــلـــم در طـلـبـــش كـــوش

خـضـــر صـفـــت زنـده كـن بـدان تو دل و جـان

علم و تقویٰ کی بنا پر مردوں کو فضیلت ملتی ہے، جاؤ قرآن کی آیت "ان اکرمکم" پڑھو۔ علم آبِ حیات ہے اس کو تلاش کرو اور خضرؑ کی مانند اپنے دل و جان اس سے زندہ کرو۔

"و الفِكْرُ مِرْآةٌ صَافيةٌ".

فکر صاف وشفات آئینہ کی مانند ہے۔

اس سلسلہ میں ایک دوسری روایت بھی ہے۔

"عن ابي عبد اللّٰہ: تَفکُّرُ ساعةٍ خَيْرٌ مِنْ عِبادَةِ سَنَةٍ (اِنّما يَتَذَكَّرُ اولوا الألْباب)". (۱)

ایک ساعت غور وفکر کرنا ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے، بیشک ان باتوں کو صاحبان عقل ہی سمجھتے ہیں۔

جس فکر کی اتنی زیادہ اہمیت ہے وہ کونسی فکر ہے؟

اس اہمیت کی حامل فکر وہ ہے کہ جو خدا کی قدرت کے بارے میں کی جاتی ہے، اس کی عجیب ترین صنعت کے متعلق سوچا جاتا ہے اور اس کی آیتوں میں غور کیا جاتا ہے، انسان کو خود اپنے وجود کے متعلق سوچنا چاہئے اور خدا کی اس قدرت نمائی کو کہ جس کو اپنے وجود اور کتاب کائنات میں مشاہدہ کرتا ہے، اس کے بارے میں غور کرنا بھی انسان کے لئے بلند ترین فکر ہے۔

دوسری فکر کہ جس کی بہت زیادہ اہمیت ہے دنیا کی بے وفائی کے متعلق سوچنا ہے انسان کو یہ سوچنا چاہئے کہ دنیا جلد ختم ہو جانے والی ہے لہذا اسے اہمیت نہیں دینا چاہئے بلکہ حوادث اور گذشتہ لوگوں کی تاریخ سے عبرت حاصل کرنا چاہئے ان چیزوں کے بارے میں سوچنے والا دنیا سے دل نہیں لگائے گا اور اس سے محبت نہیں کرے گا۔

تحصیل علم بھی خدا ہی کے لئے ہونا چاہئے، دنیا کے لئے نہیں، اگر دنیا کے لئے ہوگا تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ علمی مطالب، توحید، اصول دین، فقہ، احکام، اخلاق، تفسیر، مختصر یہ کہ اسلامی علوم کے بارے میں غور کرنا بھی فکر کی اعلیٰ قسموں میں سے ہے۔

❁❁❁❁❁

(۱) رعد: ۱۹؛ بحار الانوار ج ۷۱ ص ۳۲۷، مستدرک الوسائل ج ۱۱ ص ۱۸۳، تفسیر عیاشی ج ۲ ص ۲۰۸، بعض کتابوں میں ستین سنۃ نقل ہوا ہے، بحار الانوار ج ۶۹ ص ۲۹۳

# دوسری تقریر

تحصیل علم کی فضیلت ،اس کا ثواب اور طالب علم کے فرائض

تحصیل علم کی فضیلت

معرفت خدا کے نتائج

پہلے علم حاصل کرے پھر دوسروں کی ہدایت کرے

طالبانِ علم کے فرائض

علم خدا کے لئے

علم، عمل کے ساتھ ہے

علم تقویٰ و پرہیز گاری کے ساتھ ہے

علم حسنِ اخلاق کے ساتھ ہے

علم استاد کی تعظیم کے ساتھ ہے

انسان کے لئے جن بلند ترین صفاتِ کمال کا تصور کیا جا سکتا ہے ان میں سے علم بھی ہے۔

قرآن مجید کی بہت سی آیتیں ہیں جو علم کی فضیلت کو بیان کر رہی ہیں۔ ان میں سے بعض درج ذیل ہیں۔

﴿بسمِ اللّٰهِ الرّحمنِ الرّحیمِ، اقْرَأ باسمِ رَبِّکَ الَّذي خَلَقَ، خَلَقَ الانْسانَ مِنْ عَلَقٍ، اقرأ وَ رَبُّکَ الأکْرَمُ، الَّذي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الانْسانَ مَالَمْ یَعْلَمْ﴾ (۱)

ان ابتدائی آیتوں میں انسان کے وجود کو بیان کیا گیا ہے جو کہ علقہ سے بنا ہے اس کے بعد انسان کے بلندترین مرتبہ، علم، کو بیان کیا گیا ہے۔

بہت سی حدیثوں میں بھی علم کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔

رسولؐ سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

''تَعَلَّموا العِلْمَ فإنَّ تَعَلُّمَهُ حَسَنَةٌ وَمُدارَسَتَهُ تَسْبیحٌ ، وَالْبَحْثَ عَنْهُ جِهادٌ، وتَعْلِیمَهُ مَنْ لا یَعْلَمُهُ صَدَقَةٌ، وَبَذْلُهُ لأهْلِه قُرْبَةٌ، لأنّه مَعالِمُ الحَلالِ والْحَرامِ، وَسالِکٌ بِطالِبِه سُبُلَ الجَنَّةِ، وَمُونِسٌ في الوحدةِ، وَصاحِبٌ في الغُرْبَةِ، وَدَلِیلٌ علیٰ السرّاءِ، وَسِلاحٌ علیٰ الأعْداءِ، وَزَینُ الأخلاّءِ، یَرْفَعُ اللّٰهُ بِهِ

---

(۱) علق ۱-۵

أقواماً يَجْعَلُهُم في الخَيرِ أئِمَةً يُقْتَدىٰ بِهِم، تُرْمَقُ أعمالُهُم وَتُقْتَبَسُ آثارُهُمْ وتَرْغَبُ الْمَلائِكَةُ في خُلَّتِهِم لأنَّ العِلْمَ حَياةُ القُلُوبِ و نُورُ الأبْصارِ مِنَ العَمَىٰ وقُوَّةُ الأبْدانِ مِنَ الضَّعْفِ ويُنْزِّلُ اللّٰهُ حامِلَهُ مَنازِلَ الأحِبّاءِ ويَمْنَحَهُ مُجالَسَةَ الأبْرارِ في الدُّنْيا والآخِرَةِ، بالعِلْمِ يُطاعُ اللّٰهُ ويُعْبَد ، وبالعِلْمِ يُعْرَفُ اللّٰهُ ويُوَحَّدُ، وبِهِ تُوصَلُ الأرْحَامُ، وبِهِ يُعْرَفُ الحَلالُ وَالحَرامُ، والْعِلْمُ اِمامُ العَقْلِ، وَالعَقْلُ يُلْهَمْهُ السُّعَدَاءُ وَيُحْرَمْهُ الأشْقِياءُ. (۱)

تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ، فَاِنَّ تَعَلُّمَهُ حَسَنَةٌ.

علم حاصل کرو، بیشک علم حاصل کرنا حسنہ ونیکی ہےاوراس کی طلب میں رہنا عبادت ہے۔

عبادت بھی انسان کی پیدائش کی غرض غایت ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الجِنَّ وَالاِنْسَ اِلاّ لِيَعْبُدُونِ﴾ (۲)

اورہم نے جن وانس کونہیں پیدا کیا مگر یہ کہ وہ ہماری عبادت کریں۔

پس انسان کی غرض تخلیق عبات کرنا ہے،اورعلم صرف عبادت ہی نہیں بلکہ بلندترین عبادت ہے۔کیونکہ یہ تمام عبادتوں کا مقدمہ ہے،اگر علم نہ ہوتو انسان یہ نہیں سمجھ پائے گا کہ کس طرح عبادت کرے۔

''وَمُدارِسَتُهُ تَسْبِيحٌ''

علم کامباحثہ ومذاکرہ کرنا تسبیح ہے۔

اگرانسان خدا کا ذکر کرے۔مثلاً

''سُبْحانَ اللّهِ وَالْحَمْدُ للّهِ وَلا اِلهَ اِلاّ اللّهُ واللّهُ اكبَرُ کہے یا لاحَوْلَ وَلا قُوَّةَ اِلّا بِاللّهِ العَلِيِّ الْعَظِيمِ کہےتو جتنااس کے ذکر کا ثواب ہے اتنا ہی علم کے مباحثہ ومذاکرہ کا ثواب ہے ایک حدیث

(۱) تحف العقول ص ۲۸، بحار الانوار ص ۱۶۶، امالی صدوق ص ۶۱۵

(۲) ذاریات:۵۶

میں رسولؐ نے فرمایا ہے:

جب مومن بندہ تسبیح کرتا ہے، خدا کو پاکی کے ساتھ متصف، کرتا ہے اور سبحان الله و الحمد للّٰه وَلا اِلٰهَ اِلاّ اللّٰهُ و اللّٰهُ اکبَرُ کہتا ہے تو خدا اپنے فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ اس کے لئے جنت میں ایک پودہ لگاؤ تا کہ بہشت کے یہ درخت پھل دینے لگیں اور اس کے لئے جنت کا میوہ تیار ہو جائے۔(۱)

مختصر یہ کہ جتنا تسبیح کا ثواب ہے اتنا ہی ثواب علم کے مذاکرہ کا بھی ہے۔

"والْبَحْثُ عَنْهُ جِهادٌ وتَعَلِيمُهُ مَن لا يَعْلَمُه صَدَقَةٌ وبَذْلِهِ لأهلِهِ قُرْبَةٌ".

علمی مباحثہ کا ثواب راہِ خدا میں جہاد کے برابر ہے، اور اہل کو علم سکھانا خدا کے تقرّب کا باعث ہے اور جو نہیں جانتا اسے تعلیم دینا، صدقہ کا ثواب رکھتا ہے۔

علم کا اتنا زیادہ ثواب کیوں ہے؟

فرماتے ہیں:

"لأنَّهُ مَعالِمُ الحَلالِ وَالحَرامِ".

اسلئے کہ علم کے ذریعہ انسان حلال وحرام (اچھے برے اور خوب وبد) کو جان لیتا ہے۔(اور یہ سمجھ لیتا ہے کہ کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں)

"وَسالِکٌ بِطالِبِهِ سُبُلَ الجَنَّةِ".

علم اپنے طالب وشائق کو جنت میں لے جاتا ہے۔

---

(۱) وسائل الشیعہ ج۷ص۱۸۵، عن ابي جعفرؑ في حديث انّ رسول اللهؐ قال لرجل: اذا اصبحت و امسيت فقل سبحان الله و الحمد لله ولا اله الله و الله اكبر، فانّ لك ان قلته بكل تسبيحة عشر شجرات فى الجنّة من انواع الفاكهة هن الباقيات الصالحات۔ وسائل الشيعة ج٧ ص ١٨٦ عن ابى جعفرؑ قال: قال رسول اللهؐ: من قال سبحان الله غرس الله له بها شجرة في الجنّة ومن قال الحمد لله غرس الله له بها شجرة في الجنّة ومن قال لا اله الا الله غرس الله له بها شجرة في الجنّة ومن قال الله اكبر غرس الله له بها شجرة في الجنة۔ فقال رجل من قريش: يا رسول الله ان شجرنا في الجنّة لكثير؟ فقال: نعم ولكن اياكم ان ترسلوا عليها نيراناً فتحرقوها وذلك ان الله عز وجل يقول: ﴿يا ايّها الّذين آمنوا اطيعوا الله و اطيعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالكم﴾۔

رسولؐ فرماتے ہیں:

"مَنْ سَلَکَ طَرِیقاً یَطْلِبُ فِیهِ عِلْماً سَلَکَ اللّٰهُ بِهِ طَرِیقاً اِلیٰ الْجَنَّةِ". (۱)

جو شخص تحصیل علم کے لئے راستہ طے کرتا ہے خداوند عالم اس کے راستہ کو جنت تک پہنچا دیتا ہے۔ (یعنی تحصیل علم کا سلسلہ جنت پر منتہی ہوتا ہے)۔

"و مونِسٌ في الوحدة".

علم تنہائی میں انسان کا مونس ہوتا ہے۔

"وَصاحِبٌ في الغُرْبَة".

علم غربت و وحشت میں انسان کا ساتھی و رفیق ہوتا ہے۔

"و دَلِیلٌ علیٰ السرّاء".

اور علم سختی و خوشحالی میں انسان کی راہنمائی کرتا ہے۔

علم انسان کو سختیوں پر صبر کرنے کا حوصلہ دیتا ہے اور اجر و پاداش کی امید دلاتا ہے، نعمت کی فراوانی اور عیش کے زمانہ میں بھی اس کی راہنمای کرتا ہے، علم انسان کو خدا کا شکر ادا کرنے کی رغبت دلاتا ہے اور ہر نعمت کو اس کے موقع محل پر صرف کرنے کا سلیقہ سکھاتا ہے۔

جب انسان کو خدا کی معرفت ہو جاتی ہے تو اس کے اندر علم حاصل کرنے کی حرص پیدا ہوتی ہے اور چونکہ خدا کے احکام و دستورات علم پر موقوف ہیں لہذا جب تک علم حاصل نہیں کرے گا اس وقت تک وہ خدا کے احکام سے واقف نہیں ہوگا۔

---

(۱) کافی ج۱ ص۳۴، امالی صدوق ۶۰، المجلس الرابع عشر، ثواب الاعمال ص۱۳۱، عن ابی عبد اللہؑ قال: قال رسول اللہؐ: من سلک طریقاً یطلب فیه علماً سلک اللہ به طریقاً الیٰ الجنة و اِنّ الملائکة لتضع اجنحتها لطالب العلم رضاً به وانه یستغفر لطالب العلم من في السّماء ومن في الارض حتّٰی الحوت في البحر وفضل العالم علیٰ العابد کفضل القمر علیٰ سائر النجوم لیلة البدر وان العلماء ورثة الانبیاء. ان الانبیاء لم یورّثوا دیناراً ولا درهماً ولکن ورّثوا العلم فمن اخذ منه اخذ بحظ وافر۔

درج ذیل روایت میں ارشاد ہے:

"بالعلمِ یُطاعُ اللّٰہُ و یُعْبَدُ وبالعلمِ یُعْرَفُ اللّٰہُ ویوحَّد".

صرف علم کے ذریعہ خدا کی معرفت ہوتی ہے اور علم ہی کے ذریعہ اس کی عبادت کی جاتی ہے۔

پس علم حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور جہاں تک ہو سکے تحصیلِ علم میں خلوص سے کام لینا چاہئے فقط خدا کے واسطہ علم حاصل کرے منصب و مال کے لئے نہیں، علم کو علم ہی کے لئے حاصل کرے دنیا کمانے کے لئے نہیں۔

"أقبلْ علیٰ النّفسِ و استکمِلْ فضائِلَھا

فأنتَ بالنفسِ لا بالجسمِ اِنسانُ". (۱)

اپنی روح کی طرف پوری طرح متوجہ رہو اور یہ کوشش کرو کہ تمہاری روح فضائل و کمالات سے آراستہ ہو جائے کیونکہ تمہاری انسانیت روح کی وجہ سے ہے نہ کہ جسم و بدن کی وجہ سے۔

انسان کو چاہئے کہ علم کے حصول اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے اور جب انسان کما حقہ علم میں کامل ہو جائے اور اس کے مطابق عمل کرنے لگے تو دوسروں کی ہدایت کے لئے قدم اٹھائے۔

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں:

"مَن عَلَّمَ بابَ ھُدیً فلَہُ مِثلُ أجرِ مَنْ عَمِلَ بِہِ ولا یَنْقُصُ أولئِکَ مَنْ أُجُورِھِمْ شیئاً ، ومَنْ عَلَّمَ بَابَ ضَلالٍ کانَ عَلَیہِ مِثْلُ أوزارِ مَنْ عَمِلَ بِہِ ولا ینْقُصُ أولئِکَ مِنْ أوزارِھِمْ شیئاً. (۲)

جو شخص لوگوں کے لئے ہدایت کا باب کھولتا ہے اس کا اجر اس ہدایت پر عمل کرنے والے کے برابر ہے جبکہ عمل کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور اگر کسی شخص نے لوگوں کو گمراہی و

---

(۱) کشکول شیخ بہائی ص ۱۷۵

(۲) کافی ج ا ص ۳۵

ضلالت کے راستہ پر لگا دیا تو اس شخص کو وہی سزا ملے گی جو عمل کرنے والوں کی ہے جبکہ ان کی سزا و عقوبت میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

انسان کو چاہئے کہ لوگوں کو ہدایت کرے لیکن دوسروں کو ہدایت کرنے سے پہلے خود عمل کرے۔

حضرت امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں:

"مَنْ نَصَّبَ نَفْسَهُ لِلناسِ اِماماً فَلْيبدأ بِتَعْلِيمِ نَفْسِهِ قَبْلَ تعليمِ غَيْرِهِ وَلْيكُنْ تَأدِيبَهُ بسيرَتِهِ قَبْلَ تَأديبِهِ بِلسانِه ومُعَلِّمُ نفسِهِ ومُؤدِّبُها أحقُّ بالاِجلالِ مِنْ مُعَلِّمِ النّاسِ ومُؤدِّبِهِمْ."(۱)

جو شخص لوگوں کا پیشوا بنتا ہے اسے چاہئے کہ لوگوں کو تعلیم دینے سے پہلے خود علم حاصل کرے اور زبان سے تعلیم و تادیب کرنے سے قبل اپنی سیرت کو سنوار لے، واضح رہے کہ اپنے نفس کو تعلیم و تادیب کرنے والا لوگوں کو تعلیم و تادیب دینے والے سے زیادہ احترام کا مستحق ہے۔

## طالبان علم کے فرائض

ا۔ طالب علم کا ایک فریضہ یہ ہے کہ وہ صرف خدا کی خوشنودی کے لئے علم حاصل کرے کیونکہ علم ایک عظیم عبادت ہے لہذا صرف خدا کے لئے ہونی چاہئے۔

طالب علم کو خلوص کا پیکر ہونا چاہئے اور اسے خدا سے یہ دعا کرنی چاہئے کہ اسے علم و عمل کی توفیق مرحمت فرمائے، تحصیل علم کے لئے کوشش کرنی چاہئے۔

قرآن مجید فرماتا ہے:

﴿والَّذينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنا﴾(۲)

جو لوگ ہماری راہ میں بھاگ دوڑ اور جانفشانی۔ جہاد۔ کرتے ہیں انہیں ہم ضرور منزل مقصود تک

(۱) نہج البلاغہ کلمہ حکمت ۷۳ (۲) عنکبوت: ۶۹

پہنچائیں گے۔

۲۔اس کے علاوہ طالب علم کو اپنے علم پر عمل کرنا چاہئے کیونکہ عمل کے بغیر علم کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

"العالِمُ بِلا عَمَلٍ كالشَّجَرِ بِلا ثَمَرٍ".

بے عمل عالم بے ثمر درخت کی مانند ہے۔

۳۔علم کو تقویٰ پرہیز گاری کے ساتھ ہونا چاہئے۔اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے نفس کو نفسانی ملکات، بہترین اخلاق اور پسندیدہ صفات، حلم و بردباری، تواضع وانکساری، راستی وسچائی، توکّل ورضا اور صبر" سے آراستہ کرے۔

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں:

"ما شِيْبَ شَيْءٌ بِشَيْءٍ أحسنُ مِنْ حِلْمٍ بِعِلْمٍ". (۱)

اس علم سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے کہ جس کے ساتھ حلم ہوتا ہے۔

حلم وبردباری انبیاء کی صفت ہے، اس صفت کے ذریعہ خدا نے ان کی مدح کی ہے۔طالب علم کو علم کے ساتھ حسن خلق کا حامل بھی ہونا چاہئے۔

۴۔رسولؐ فرماتے ہیں:

"اِنَّ أكْمَلَ الْمُؤْمِنِينَ اِيمانا ًأحْسَنُهُم خُلُقاً". (۲)

بیشک مومنین میں سے انہیں لوگوں کا ایمان کامل ہے کہ جن کا اخلاق اچھا ہے۔

خداوند عالم نے اسی صفت کے ساتھ اپنے حبیب کی تعریف کی ہے، فرماتا ہے:

﴿واِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾(۳)

بیشک آپؐ اخلاق کے بلندترین درجہ پر فائز ہیں۔

---

(۱) بحار الانوار ج ۲ ص ۵۳

(۲) وسائل الشیعۃ ج ۱۲ ص ۱۵۶، بحار الانوار ج ۷۷ ص ۱۵۱ یہ روایت امام محمد باقرؑ سے بھی نقل ہوئی ہے، ملاحظہ فرمائیں وسائل الشیعۃ ج ۱۲ ص ۱۴۸ (۲) قلم: ۴

حسن خلق ائمہؑ کی صفت رہا ہے۔

ایک روایت میں منقول ہے:

"خِيارُكُمْ اَحْسَنَكُمْ أخْلاقاً الّذينَ يَألَفُونَ ويُؤْلَفُونَ". (١)

تم میں سے وہی لوگ اچھے ہیں جن کا اخلاق اچھا ہے اور لوگوں سے الفت رکھتے ہیں اور وہ بھی ان سے الفت رکھتے ہیں۔

ایک دوسری روایت میں بیان ہوا ہے:

"قال رَسُولُ اللهؐ: اوّلُ ما يوضَعُ في مِيزانِ الْعَبدِ يَومَ القيامةِ حُسْنُ خُلْقِهِ". (٢)

روزِ قیامت میزان عمل میں سب سے پہلے حسن خلق ہی رکھا جائیگا۔

رسولؐ سے منقول ہے کہ آپؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

"اَلا أُخبِرُكُم بأشْبَهِكُم بِي أخلاقاً؟ قالوا: بلىٰ يا رسولَ الله! قال أحْسَنَكُم أخْلاقاً و أعْظَمَكُم حِلْماً و أبَرَّكُم بِقَرابَتِه و أشَدَّكُم اِنصافاً مِنْ نَفْسِهِ في الغَضَبِ والرِّضا". (٣)

کیا میں تمہیں یہ خبر نہ دوں کہ اخلاق کے لحاظ سے کون مجھ سے زیادہ مشابہ ہے؟ سب نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! بتائے آپؐ نے فرمایا: تم میں سے وہ شخص مجھ سے مشابہ ہے جس کا اخلاق تم میں سب سے اچھا ہے جو حلم و بردباری میں عظیم اور اپنے قرابتداروں پر زیادہ احسان کرنے والا

---

(۱) بحار الانوار ج ۷۷ ص ۱۴۹

(۲) بحار الانوار ج ۷۱ ص ۳۸۵

(۱) کافی ج ۲ ص ۲۴۰، وسائل الشیعۃ ج ۱۵ ص ۱۹۳، بحار الانوار ج ۶۶ ص ۳۰۶ ج ۷۴ ص ۱۵۴، تحف العقول ۴۸

اورخوشی وناخوشی کے موقعہ پر اپنے نفس سے انصاف کرنے والا ہو۔

۵۔طالب علم کے فرائض میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے اساتذہ کا شائستہ طریقہ سے احترام کرے۔ رسولؐ کا ارشاد ہے:

"اِنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ وَضَعَ أرْبَعاً في أرْبَع، بَرَکَۃَ الْعِلْمِ في تَعْظِیمِ الْأُسْتاذِ و بقاءَ الایْمانِ في تَعْظِیمِ اللّٰهِ وَلَذَّۃَ الْعَیْشِ في بَرِّ الوَالِدَین و النَجاۃَ مِنَ النّٰارِ في تَرْکِ اِیذاءِ الخَلْقِ".(۱)

خدانے چار چیزوں کو چار چیزوں میں رکھا ہے:

الف۔علم کی برکت اس میں ہے کہ جب طالب علم اپنے استاد کو دیکھے تو اس کا احترام کرے جب اس کی شان کے مطابق اس کا احترام کرے گا تو اس کے علم میں برکت وافزائش ہوگی اور اگر اس کے شایان شان اس کا احترام نہیں کرے گا تو یہ علم اس کے پاس نہیں رہے گا۔

ب۔اگر انسان خدا کی عظمت۔موجودات کے بارے۔میں غور وفکر کرے تو اس کے اندر ایمان باقی رہے گا۔ لیکن اگر خدا کی عظمت کے بارے میں غور وفکر نہیں کرے گا تو وہ علم سے تہی دامن ہو جائیگا۔

ج۔ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے میں زندگی کی لذت رکھی گئی ہے۔

ماں باپ کے ساتھ جتنی زیادہ نیکی کی جائے گی اسی تناسب سے دنیا وآخرت میں کامیابی نصیب ہوگی اور زندگی میں لذت محسوس ہوگی۔

د۔لوگوں کو نہ ستانے میں جہنم سے نجات رکھی گئی ہے۔

یعنی جو شخص کسی کو بھی اذیت نہیں پہنچا تا ہے خدا اسے جہنم سے محفوظ رکھتا ہے۔

پس ہمیں متقی و پرہیز گار بننے کی کوشش کرنا چاہئے، حسن اخلاق اور پسندیدہ صفات سے متصف ہونا چاہئے، ماں، باپ اور اساتذہ کا احترام کرنا چاہئے اور جہاں تک ہو سکے لوگوں کو آزار نہ پہچائیں۔

---

(۱) الاثنیٰ عشریۃ، فیما رواتہ العامۃ من الاخبار النبویۃ۔

# تیسری تقریر

علم سیکھنے اور سکھانے کی فضیلت

علم عبادت کا سبب ہے

علم حاصل کرنے اور لوگوں کی ہدایت کرنے کی فضیلت

حضرت امیر المومنینؑ نے اپنے صحابی جناب کمیل بن زیاد نخعیؒ سے فرمایا:

''اِنَّ هذهِ القُلُوبُ اَوْعِيَةٌ فَخَيْرُها اَوْعاها''.(۱)

بیشک -لوگوں کے -یہ دل ظرف ہیں اور ان میں سے بہترین ظرف وہی ہیں جن میں زیادہ گنجائش ہوتی ہے۔ جو زیادہ نگہداشت کرنے والا ہے۔

حضرت علیؑ کا یہ قول: ''فخیرھا اوعاھا'' سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ابتداء میں استعدادوں میں فرق ہوتا ہے اور لوگوں کے دلوں کی وسعت ونگہداشت آغاز ہی سے مختلف ہیں اور چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ تمام لوگوں سے اعتقادات اور شرعی فرائض کی انجام دہی کا مطالبہ کیا گیا ہے لیکن ہر شخص سے اس کی عقل کے مطابق صحیح ایمان وعقیدہ کا مطالبہ کیا گیا ہے کیونکہ اس لحاظ سے لوگ یکساں نہیں ہیں۔

''فاحفظ عني ما اقول لک: النّاسُ ثَلاثة، فعالِمٌ رَبّانيٌّ ومُتَعَلِّمٌ علیٰ سبيل نَجاةٍ وَهَمَجٌ رُعاعٌ أتباعُ كُلِّ نَاعِقٍ يَميلُونَ مَعَ كُلِّ رِيح لَمْ يستَضِيئُوا بِنُورِ العِلْمِ وَلَم يَلْجَؤُوا اِلیٰ رُكْنٍ وَثِيقٍ.''

لہذا جو میں تم سے بیان کروں اسے یاد کرلو۔ دنیا کے لوگوں کی تین قسمیں ہیں:

(۱) نہج البلاغہ کلمہ حکمت: ۱۴۷

۱۔عالم ربانی

انبیاء وائمہ اطہارؑ جو کہ علم خدا کے مظہر ہیں۔ان کی نمایاں فرد ہیں ان کے بعد علماء ہیں، عالم کو ربانی کہنے کی دو وجہ ہو سکتی ہیں:

الف۔ممکن ہے رب اور اللہ کی طرف منسوب ہو یعنی وہ عالم کہ جس نے خدا کی ربوبیت کو قبول کر لیا ہے۔

ب۔ممکن ہے ربانی سے مراد لوگوں کی تربیت کرے والا ہو کیونکہ وہی لوگوں کی تربیت کرتا ہے۔

۲۔جو لوگ علماء کے علم سے استفادہ کرتے ہیں اور راہ نجات طے کرتے ہیں، اور علم آموزی و مطالعہ میں منہمک رہتے ہیں۔

۳۔وہ لوگ ہیں جو مکھی مچھروں کی مانند ہیں جن کو ہوا جس طرف چاہتی ہے لے جاتی ہے یہ ہر پکارنے والے کے پیچھے چل دیتے ہیں کیونکہ ان کے دل نورِ علم سے روشن نہیں ہوتے ہیں اور انہیں نے محکم و مضبوط سہارے سے ٹیک نہیں لگائی ہے۔

”یا کمیلُ! العِلْمُ خیرٌ مِنَ المَالِ، العِلْمُ یَحْرُسُکَ وَاَنْتَ تَحْرُسُ الْمَالَ“.

اے کمیل! علم مال سے بہتر ہے کیونکہ علم تمہاری حفاظت کرتا ہے جبکہ مال کی تمہیں حفاظت کرنا پڑتی ہے۔علم تمہیں تمام دنیوی اور اخروی خطروں سے بچاتا ہے حالانکہ مال کی حفاظت تمہیں کرنا پڑتی ہے۔

ان دونوں میں اتنا فرق ہے کہ ایک چیز انسان کی حفاظت کرتی ہے اور دوسری کی خود انسان حفاظت کرتا ہے۔

”وَالْمَالُ تَنْقُصُہُ النفقَۃُ، والعِلْمُ یَزْکُوا علیٰ الانْفاقِ وصَنِیعُ الْمَالِ یَزُوْلُ بِزَوالِہِ“.

مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے لیکن علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے اور جو شخص مال کی وجہ سے بڑا بنا

ہے اگر اس کا مال ختم ہو جائے تو اس کی عزت بھی ختم ہو جائیگی۔لیکن علم کبھی ختم نہیں ہوتا وہ ہمیشہ انسان کے ساتھ رہتا ہے۔

"مَعْرِفَةُ الْعِلْمِ دَينٌ يُدانُ بِهِ".

علم کی معرفت خود دین ہے،جس کی آخرت میں جزا دی جائیگی۔

"بِهِ يَكْسِبُ الاِنسانُ الطّاعَةَ في حَياتِهِ".

علم کے سبب انسان اپنی زندگی میں عبادت واطاعت کرتا ہے۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ و الاِنْسَ اِلاّ لِيَعْبُدُونِ﴾(۱)

میں نے جن وانس کو نہیں پیدا کیا مگر یہ کہ وہ میری عبادت کریں۔

﴿وَما أُمِروا اِلاّ لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدّينَ﴾ (۲)

انہیں اس کے علاوہ کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ وہ مخلصانہ خدا کی عبادت کریں۔

مختصر یہ کہ عالم کی خلقت کا مقصد خدا کی عبادت و اطاعت کرنا ہے اور علم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی عبادت کس طرح کریں اور علم نہ ہو تو انسان یہ نہیں سمجھ سکتا کہ کس طرح انفاق کرے،کس طرح نماز پڑھے،کیسے معاشرت کرے،خلوص کیسے پیدا کرے ان تمام چیزوں کو علم دین بیان کرتا ہے۔

"بِهِ يَكْسِبُ الاِنْسانُ الطّاعَةَ في حَياتِهِ".

کے معنی یہ ہیں کہ انسان علم دین کے ذریعہ سے اپنی زندگی میں خدا کی عبادت وطاعت کو اپنا شعار بنالیتا ہے۔

"وَجَميلَ الأُحْدُوثَةِ بَعْدَ وَفاتِهِ".

اور اس کے مرنے کے بعد اس کا نام علم ہی کے ذریعہ زندہ رہتا ہے۔

"الْعِلْمُ حاكِمٌ و الْمالُ مَحْكُومٌ عَلَيهِ".

علم حکم دیتا ہے کہ فلاں مال حلال ہے،فلاں حرام ہے،کس ذریعہ سے حاصل کرنا چاہئے اور کس

---

(۱)ذاریات:۵۶ (۲)بینہ:۵

طریقہ سے فراہم کرنا چاہئے اور کس طرح خرچ کرنا چاہئے۔

"هَلَکَ خُزّانُ الأمْوالِ وهُمْ أحْياءٌ". مال جمع کرنے والے جیتے جی مرجاتے ہیں۔

والْعُلَماءُ بَاقُونَ مَا بَقِيَ الدَّهرُ، أعْيَانُهُمْ مَفقُودَةٌ، وأمْثالُهُمْ في الْقُلُوبِ مَوْجُودَةٌ

ہاں علماء زندہ ہیں جب تک زمانہ باقی ہے اگر چہ ان کے بدن فنا ہو جاتے ہیں، آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں لیکن ان کی یاد (اور تصویر) دلوں میں موجود رہتی ہے۔

مثلاً شیعوں کے بڑے علماء نے تصنیفات وتالیفات کا عظیم سرمایہ چھوڑا ہے اس کے سبب وہ زندہ ہیں یہ الگ بات ہے کہ اس وقت وہ معاشرہ میں موجود نہیں ہیں۔

حضرت علیؑ کی طرف منسوب اشعار ملاحظہ فرمائیں:

۱. النّاسُ مِنْ جِهَةِ التمثالِ أكْفاءُ
أبُوهُمُ آدمٌ و الأُمُّ حَوّاءُ

۲. لا فَضْلَ إلاّ لأهْلِ الْعِلْمِ أنّهُمُ
عَلَىٰ الهُدىٰ لِمَنِ استَهْدىٰ أدِلاّءُ

فَقُمْ بِعِلْمٍ وَلا تَبْغِي لَهُ بَدلاً
فالناسُ مَوْتَىٰ وَأهلُ الْعِلْمِ أحْياءُ (۱)

---

(۱) دیوان امیر المومنینؑ ابیات ۱-۷

| | |
|---|---|
| النّاس من جهة التمثال اكفاءُ | أبوهم آدمٌ و الأُمُّ حوّاءُ |
| وإنّما أُمّهاتُ النّاسِ أوعيةٌ | مستودعاتٌ وللأحساب آباءُ |
| فإن يكُنْ لَهُم مِنْ أصْلِهِمْ شَرَفٌ | يُفاخِرُونَ بهِ فالطينُ والماءُ |
| فإن أتيتَ بفخرٍ مِنْ ذَوي نَسَبٍ | فإنّ نِسبَتَنا جودٌ وعَلياءُ |
| لا فَضْلَ إلاّ لأهلِ العِلْمِ إنّهمُ | علىٰ الهُدىٰ لِمَنِ استهدىٰ أدلاءُ |
| وقيمةُ المَرْءِ ما قَدْ كانَ يُحْسِنُهُ | و الجاهلونَ لأهلِ العلمِ أعداءُ |
| فَقُمْ بِعلمٍ ولا تَبْغِي له بَدَلاً | فالنّاسُ موتىٰ وأهلُ العِلْمِ أحْياءُ |

۱۔لوگ شکل وصورت میں ایک جیسے ہیں ان کے باپ آدم اور ماں حوا ہیں۔
۲۔اہل علم کے علاوہ کسی کو کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے کیونکہ وہ ہدایت چاہنے والوں کے لئے راہنما ہیں۔
۳۔پس علم کے لئے کوشش کرو اور کسی چیز کو اس کا عوض نہ سمجھو کیونکہ اہل علم ہی زندہ ہیں اور سب مردہ ہیں۔

دوسرا شاعر کہتا ہے:

العِلْمُ انفسُ شَيءٍ انتَ ذاخرُهُ
مَنْ يَدْرُسِ العِلمَ لَم تَدْرُس مفاخِرُهُ
فقُمْ بعِلْمٍ ولا تَطلُبْ لَهُ بَدَلاً
فاوّلُ العِلْمِ اِقبالٌ وآخِرُهُ

علم بڑی قیمتی چیز ہے تم اسے ذخیرہ کر سکتے ہو اور جو شخص درس دیتا ہے اور درس دینا جانتا ہے اس کے مفاخر پرانے نہیں ہوتے ہیں پس علم کے حصول کے لئے اٹھو اور کسی چیز کو اس کا عوض قرار نہ دو کیونکہ علم کے آغاز میں بھی اقبال اور انتہاء میں بھی اقبال ہے۔

اگر کوئی شخص کسی کو ہدایت کر دیتا ہے تو اس کے لئے ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن پر سورج نے روشنی ڈالی ہے۔(۱)

اگر کوئی شخص علم میں کامل ہو گیا اور اس نے لوگوں کو ہدایت نہ کی تو بے علم ان کی ہدایت کریں گے اور اس سے جو غلط نتائج برآمد ہونگے وہ واضح ہیں۔

به هر چه از راه دور افتی چه کفر آن حرف و چه ایمان
به هر چه از دوست وامانی چه زشت آن نقش و چه زیبا

---

(۱) بحار الانوار ج ۳۲ ص ۴۴۸۔قال امیر المؤمنینؑ: فانّ رسول اللہؐ قال لي یوم خیبر: لِانْ یهدي اللّٰہُ بک رجلاً واحداً خیر لک مما طلعت علیه الشمس۔

سـخـن کـز روی دیـن گـویـی چـه عبرانی چـه سریانی

مـکـان کـز بهـر حـق جـویـی چـه جـابـلـقا چه جابلسا

شهـادت گـفتـن آن بـاشـد کـه هم زوال در آشـامـی

هـمـه دریـای هستـی را بـدان حـرف نهـنگ آسـا

چـو علمت هست خلمت کـن چـو دانایان که زشت آید

گـرفتـه چـینیـان احـرام و مـکـی خـفتـه در بطحـا (۱)

تیسرے شعر کے یہ معنی ہیں:

لا الٰہ الا اللہ کے معنی یہ ہیں کہ انسان خدا کے علاوہ تمام چیزوں کو خود سے دور کر دے اور اس کا دل صرف خدا کی محبت کا مرکز قرار پائے ، اس کی توجہ خدا کی طرف ہونا چاہئے بس اس کی محبت ہونی چاہئے واضح رہے رسولؐ و آل رسولؐ کی محبت خدا ہی کی محبت ہے اسی طرح مومنین کی آپس کی محبت بھی خدا ہی کی طرف پلٹتی ہے کیونکہ جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے محبت کرتا ہے تو اس کے متعلقین سے بھی محبت کرتا ہے۔

❁❁❁❁❁

---

(۱) دیوان سنایی غزنوی در مقام اہل توحید، اسکا مطلع یہ ہے: مکن در جسم و جان منزل کہ این دون است و آن والا۔

# توحید

# پہلی تقریر

| | |
|---|---|
| ظہور حق تعالیٰ اور اس کے پوشیدہ ہونے کی علت | وجودِ خدا ہر شیء سے زیادہ آشکار ہے۔<br>انسان کے بدلتے ہوئے حالات اثباتِ صانع کی دلیل ہے<br>خدا کی ضد نہ ہونا اس کے پوشیدہ ہونے کی علت ہے<br>انسان کا اپنے کھانے کے بارے میں غور کرنا بھی توحید کی ایک دلیل ہے۔ |

اس کائنات کا بنانے والا خدا ہے اور اس کا وجود ہر چیز سے زیادہ آشکار ہے۔ خدانے متعال فرماتا ہے:

﴿افي اللّٰہِ شکٌّ فاطِرِ السّمٰواتِ والأرضِ﴾(۱)

کیا خدا کے وجود میں کوئی شک ہے؟ اس خدا کے بارے میں جو زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا ہے۔

حضرت امام حسینؑ دعائے عرفہ میں، بارگاہِ خدا میں اس طرح عرض پرداز ہیں:

''ایکونُ لغیرکَ مِنَ الظهور ما لیس لَکَ حتّٰی یکونَ هوَ المُظْهِرُ لکَ متیٰ غِبْتَ حتّٰی تَحتاجَ الیٰ دلیلٍ یَدُلُّ علیکَ ومتیٰ بَعُدتَ حتّٰی تکونَ الآثارُ هي التي توصِلُ الیکَ''۔(۲)

معبود! کیا تیرا غیر تجھ سے زیادہ آشکار وظاہر ہے کہ وہ تجھے پہنچوائے اور تجھے ظاہر وآشکار کرے؟ تو غائب ہی کب تھا کہ جس سے ایسی دلیل کی ضرورت ہوتی جو تیری طرف راہنمائی کرے اور تو دور ہی کب تھا کہ تیرے آثار تیرے وجود کو ثابت کرتے۔

---

(۱) ابراہیم: ۱۰

(۲) بحار الانوار ج ۹۸ ص ۲۲۶، مفاتیح الجنان اعمال عرفہ کے ذیل میں، امام حسین کی دعائے عرفہ

اس دعا کا جومفہوم ہے وہ ائمہ ہی سے مخصوص ہے، وہ ہر چیز میں پہلے خدا کو دیکھتے ہیں بعد میں اس کے غیر کو مشاہدہ کرتے ہیں۔

حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

"مارأيتُ شيئاً الّا و رأيتُ اللّٰهَ قَبْلَهُ و بَعدَهُ و مَعَهُ" (۱).

میں نے کسی چیز کو نہیں دیکھا مگر یہ کہ اس سے پہلے، اس کے بعد اس کے ساتھ خدا کو دیکھا ہے۔

دعائے ابوحمزہ ثمالی میں امام زین العابدینؑ بارگاہِ خدا میں اس طرح عرض کرتے ہیں:

"بکَ عَرَفْتُکَ و انتَ دَلَلْتني عليکَ و لو لا انت لم ادرِ ما انت". (۲)

معبود! مجھے تیری معرفت تجھ ہی سے ہوئی ہے خود تو نے مجھے اپنی معرفت سے سرفراز کیا ہے اگر تو نہ ہوتا تو مجھے تیری معرفت نہ ہوتی۔

"هُوَ الأوّلُ و الآخِرُ و الظّاهِرُ و الباطِنُ و هو بکلِّ شَيءٍ عَليمٌ". (۳)

وہی اوّل ہے وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

روایت ہے کہ امام جعفر صادقؑ کے زمانہ میں ایک دن کچھ خدا کے منکر مسجد الحرام میں بیٹھے تھے ان میں عبداللہ بن مقفع (۴) اور ابن ابی العوجاء بھی تھا۔

---

(۱) کلمات مکنونہ ای فیض:۳

(۲) مفاتیح الجنان اعمال سحر ماہ رمضان، دعائے ابوحمزہ ثمالی

(۳) حدید:۳

(۴) البتہ یہ معلوم نہیں ہے کہ ابن مقفع بعد میں ایمان لایا کہ نہیں ابن مقفع نے ہی کتاب کلیلہ ودمنہ کا قدیم فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا تھا یہ کتاب "کلیلہ ودمنہ" ہندوستان میں لکھی گئی تھی اور وہاں سے انوشہرواں کے قاصد ایران لائے تھے اور قدیم فارسی میں اس کا ترجمہ کیا گیا تھا پھر ابن مقفع نے فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا تھا اس دور کے مشہور شاعر رودکی نے اس کا منظوم ترجمہ کیا۔ پھر غزنویں کے عہد میں اسی کتاب کا معمولی فارسی میں ترجمہ ہوا اور صفویوں کے زمانہ میں ملاحسین کاشفی سبزواری نے اس کا ترجمہ نہایت ہی سادہ زبان میں انوار سہیلی کے نام سے کیا تھا۔

ابن مقفع مسجد الحرام کے ایک گوشہ میں بیٹھا تھا، مسجد کے ایک گوشہ میں امام جعفر صادق بھی تشریف فرما تھے کچھ مسلمان خانۂ کعبہ کا طواف کر رہے تھے، اسی اثناء میں ابن مقفع نے ابن ابی العوجاء کو مخاطب کر کے کہا: یہ لوگ کہ جن کو تم دیکھ رہے ہو، ان میں کوئی بھی آدمی نہیں ہے ہاں مسجد کے فلاں گوشہ میں جو آدمی بیٹھا ہے وہ واقعی انسان کامل ہے اس کا اشارہ امام جعفر صادقؑ کی طرف تھا۔

ابن ابی العوجاء نے کہا: یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟! کیا وہ تمام لوگوں سے جدا ہیں؟! وہ بھی ہماری طرح انہیں میں سے ایک ہے۔

ابن مقفع نے کہا: ایسا نہیں ہے۔ جو بات میں نے ان کے اندر دیکھی ہے وہ کسی اور میں نہیں دیکھی

ابن ابی العوجاء نے کہا: ان کے بارے میں تم نے جو بات کہی ہے اس کو پرکھنا چاہئے۔

ابن مقفع نے کہا: ایسا نہ کرنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اپنے مسلک سے ہاتھ دھو بیٹھو!

ابن ابی العوجاء نے کہا: یہ تم اس لئے کہہ رہے ہو کہ تمہیں اس بات کا ڈر ہے کہ ان کے بارے میں جو تمہارا نظریہ ہے وہ غلط ثابت ہو جائیگا۔

ابن مقفع نے کہا: اگر تم میری اس بات کی تصدیق نہیں کرتے ہو کہ وہ انسانِ کامل ہیں تو جاؤ ان سے گفتگو کرو۔

ابن ابی العوجاء اٹھا اور امام جعفر صادقؑ کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ ابھی اس نے کوئی بات نہیں کہی تھی کہ امام صادقؑ نے فرمایا: اگر تمہاری بات حق ہے۔ اگرچہ ایسا نہیں ہے کہ تمہاری بات حق ہو۔ تو ہم اور تم دونوں برابر ہیں لیکن اگر ہماری بات حق ہے۔ اور یقیناً ہماری بات حق ہے۔ تو اس وقت تمہارا کیا ہوگا، ابد تک عذاب میں مبتلا رہو گے۔

اس گفتگو سے امام صادقؑ کا مقصد یہ تھا کہ اگر تمہارے عقیدہ کے مطابق کوئی خدا نہیں ہے تو پھر ہم نے اور تم نے دینا میں جو کچھ بھی کیا ہے، دونوں یکساں ہیں اور یہ افعال۔ تمہارے قول کے مطابق۔ ختم ہو جائیں گے۔

لیکن اگر خدا ہے اور قیامت آئیگی، جیسا کہ ہمارا عقیدہ ہے تو اس وقت تمہارا کیا ہوگا۔

یہاں ابن ابی العوجاء کو موقعہ مل گیا کہنے لگا: ہمارے اور آپ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

آپؑ نے فرمایا: ہمارے اور تمہارے درمیان کیسے اختلاف نہیں ہے؟ ہم کہتے ہیں اس کائنات کا پیدا کرنے والا قادر ہے اور وہ موجود ہے، جزاء وسزا دی جائے گی جبکہ تمہارا عقیدہ اس کے برخلاف ہے، تم کہتے ہو کہ نہ کوئی خدا ہے اور نہ جزا وسزا دی جائیگی، پس ہمارے اور تمہارے درمیان اختلاف ہے۔ دونوں کا نظریہ ایک نہیں ہے۔

ابن ابی العوجاء نے کہا: اگر تمہارا عقیدہ برحق ہے اور اس کائنات کا کوئی خالق ہے تو خود خدا ظاہر کیوں نہیں ہوتا اور لوگوں کے سامنے کیوں نہیں آتا؟ اور لوگوں سے ہم کلام ہو کر ان سے اپنی بات کیوں نہیں کہتا تا کہ یہ اختلاف ختم ہو جائے؟

آپؑ نے فرمایا: وہ خدا تم پر کیسے پوشیدہ ہے کہ جس نے تمہیں پیدا کیا ہے؟ تم عالم وجود میں نہیں تھے، پھر تمہیں کس نے خلق کیا ہے؟ اور یہ اعضاء وجوارح اور نعمتیں کس نے تمہیں عطا کی ہیں، تم گوناگوں حالات کو اپنے وجود میں مشاہدہ کر رہے ہو، کبھی بیمار ہو جاتے ہو، کبھی صحت مند، اس صورت میں تمہاری بیماری کے بعد خدا تمہیں صحت دیتا ہے اور تم پر ظاہر ہوتا ہے۔ کبھی تم قوی وطاقتور ہوتے ہو اور کبھی کمزور و ناتواں، اس وقت بھی خدا تمہیں تمہاری طاقت و ناتوانی کا احساس دلاتا ہے غضب کے بعد خوشنودی اور اس خوشنودی کے بعد غضب سے تمہیں آگاہ کرتا ہے۔ شکم سیری کے بعد بھوک اور سیرابی کے بعد تشنگی کا احساس دلاتا ہے،

عزت کے بعد ذلت اور بہت سی چیزوں کی طرف رغبت کے بعد ان سے نفرت کی طرف متوجہ کرتا ہے اس طرح امام صادقؑ ان کیفیتوں کو یکے بعد دیگرے بیان کرتے رہے جو انسان کے دل پر طاری ہوتی ہیں یہاں تک کہ ابن ابی العوجاء اٹھا اور عبداللہ بن مقفع کے پاس گیا۔

ابن مقفع نے پوچھا: کیا ہوا؟

ابن ابی العوجاء نے جواب دیا: وائے ہو تمہارے اوپر یہ شخص- امام صادقؑ- بشر نہیں ہے یہ تو انسان

کامل ہے، یہ انسان کی صورت میں فرشتہ ہے، انہوں نے مجھ سے اس طرح گفتگو کی ہے کہ گویا میں نے آشکارا خدا کو دیکھ لیا چنانچہ میں ان کے پاس سے اٹھ کر تمہارے پاس آیا ہوں۔(۱)

مختصر یہ کہ خدا ہر چیز سے زیادہ آشکار وظاہر ہے وہ اپنے آشکار ہونے کی وجہ سے مخفی ہے۔

"یــا مَــنْ قَــدِ اخْتَــفــیٰ لِـفَــرْطِ نــورِہ

الــظّــاھِــرُ و البــاطِـنُ فــي ظُھُــورِہٖ(۲)

اے وہ ذات جو اپنے نور کی شدت کی وجہ سے پوشیدہ ہے وہ اپنے ظاہر وباطن میں ظہور رکھتا ہے۔

نیاك پیــــدا و ســــخــــت دوری

طــرفــه نــزدیك و بــو الــعــجــب دوری

دورو نــــــزدیك چــــون در آب ....

خــویــش و بیگــانــه چون در آئــنــه مهـر(۳)

بشر کی عقلوں سے خدا کے پوشیدہ ہونے کی دوری کی وجہ یہ ہے کہ اس کی کوئی ضد نہیں ہے اور لوگ ہر چیز کو اس کی ضد سے پہچانتے ہیں مثلاً تاریکی نہ ہوتی تو کوئی بھی یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ نور کیا ہے، انسان نور کا ادراک اس وقت ہوتا ہے جب اس کی ضد - تاریکی - ہوتی ہے۔

بنابرایں ہر چیز کی شناخت اس کی ضد کے پہچاننے پر موقوف ہے لیکن خدا کی کوئی ضد نہیں ہے لہذا، خدا بعض عقلوں پر مخفی ہے۔

ظهــور جــمــلــه ی اشیــاء بــه ضــد اسـت

ولــی حــق را نــه مــانــند و نــه نــد اســت

---

(۱) کافی ج ۱ ص ۴۷

(۲) منظومہ، ملا ہادی سبزواری

(۳) کلمات مکنونہ ملا فیض کاشانی

اگـــر خـــورشیـــد بـــر یك حـــال بـــودی؟

شـــعـــاع او بـــه یك مـــنـــوال بـــودی؟

نـــدانستـــی کســـی کـــاین پـــرتـــو اوســـت

نبـــودی هیـــچ فـــرق از مـــغـــز تـــا پـــوســـت

جهـــان جـــمـــلـــه فـــروغ نـــور حـــق دان

حـــق انـــدر وی ز پیـــدایـــی اســـت پـــنهـــان

چـــو نـــور حـــق نـــدارد نـــقـــل و تـــحـــویـــل

نیـــابـــد ذات او تـــغییـــر و تبـــدیـــل

تـــو پـــنـــداری جهـــان، خـــود هســـت دایـــم؟

بـــه ذات خـــویشتـــن پیـــوســـتـــه قـــایـــم؟

خـــرد را نیســـت تـــاب نـــور آن روی

بـــرو از بهـــر او چشـــمـــی دگـــر جـــوی(۱)

ساری چیزیں ایک دوسرے کی ضد سے پہچانی جاتی ہیں لیکن خدا کا کوئی مثل ہے نہ کوئی ضد۔

اگر سورج ہمیشہ درخشاں رہتا اور اس کی شعاعیں یکساں پڑتی رہتیں تو یہ معلوم ہی نہ ہوتا کہ یہ اس کا پرتو ہے، کوئی فرق ہی نظر نہ آتا۔

ساری کائنات نورِ حق سے منور ہے نور کی کثرت سے حق تعالیٰ آشکار ہوتے ہوئے بھی مخفی ہے۔

چونکہ خدا کا نور یکساں ہے اس میں ردوبدل نہیں ہوتی ہے، لہٰذا اس کی ذات میں تغیر نہیں ہے۔

تم یہ سوچتے ہو کہ کائنات خود ہی ہمیشہ سے قائم ہے؟ عقل اس کے پیدا کرنے والے کے نور کو دیکھنے کی تاب نہیں رکھتی، اس لئے دوسری آنکھ تلاش کرو۔

---

(۱) گلشن راز'' مجموعہ ی آثار شیخ محمود شبستری ص ۷۰-۷۱

بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ خدا ہر چیز سے زیادہ آشکار ہے ان اشعار میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہوا ہے کہ اگر یہ آفتاب ہمشہ درخشاں رہتا تو کوئی بھی یہ نہ سمجھ پاتا کہ یہ آفتاب کا نور ہے لیکن چونکہ سورج طلوع و غروب ہوتا ہے تو اس کی جگہ اس کی ضد آجاتی ہے جس سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ نور سورج کا ہے۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿قُلِ انظروا ماذا في السّمٰواتِ والأرضِ﴾ (۱)

اے رسولؐ ان سے کہہ دیجئے کہ آسمانوں اور زمین کو دیکھو ان میں کیا چیزیں خدا کی نشانیاں موجود ہیں۔

صاحبانِ علم وحکمت کا دلچسپ مشغلہ کتاب کائنات کا مطالعہ ہے وہ خدا کی عظمت، حکمت وقدرت اور اس کے علم کے بارے میں غور کرتے ہیں اور اس لذت کی طرف دعوت دینے والوں میں قرآن سرِ فہرست ہے شاید سات سو جگہوں پر قرآن نے لوگوں کو اس بات کی طرف دعوت دی ہے کہ ان موجودات اور ممکنات کے بارے میں غور کرو تاکہ تم خدا کی قدرت کا مشاہدہ کرسکو۔

ارشاد ہے:

﴿قُلِ انظروا ماذا في السّمٰواتِ والأرضِ﴾ (۲)

اے رسولؐ! ان لوگو سے کہہ دیجئے کہ آسمانوں اور زمین کو دیکھو ان میں کیا چیزیں- آیتیں اور نشانیاں- موجود ہیں۔

دوسری جگہ فرماتا ہے:

﴿أفَلَمْ يَنْظروا الىٰ السّماءِ فَوقَهُمْ كيفَ بنيناها و زَيَّنّاها ومَا لَها مِنْ فُروج﴾ (۳)

---

(۱) یونس: ۱۰۱

(۲) یونس/ ۱۰۱

(۳) ق: ٦

کیا ان لوگوں نے آسمان کی طرف نہیں دیکھا، جو کہ ان کے سروں پر ہے، کہ ہم نے اسے کیسے بنایا ہے، اسے کیسے بلند کیا ہے؟ اس میں کوئی شگاف خلل دکھائی نہیں دیتا۔

پھر فرماتا ہے:

﴿وفي الأرضِ آياتٌ للموقِنينَ وفي أنْفُسِكُمْ أفلا تُبْصِرُونَ﴾ (۱)

اور خدا کی وحدانیت ویگانگی پر، یقین کرنے والوں کے لئے زمین میں اور خود تمہارے نفسوں میں نشانیاں موجود ہیں کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟

ان عجیب وغریب چیزوں کو جو تمہارے نفسوں میں موجود ہیں اور ان نعمتوں کو دیکھو جو خدا نے تمہیں مرحمت کی ہیں۔

دوسری آیت میں فرماتا ہے:

﴿فَلْيَنْظُرِ الانْسانُ الىٰ طَعَامِهِ﴾ (۲)

انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے کھانے کو دیکھے۔

کھانے کی طرف دیکھنے سے ایک قسم کی لذت بھی ملتی ہے، اگر انسان بغیر دیکھے کھانا کھائے تو کم لذت محسوس ہوگی، اور کھانے کی طرف دیکھ کر کھانے سے زیادہ لذت ملے گی۔

لیکن یہاں آیت کے یہ معنیٰ مراد نہیں ہیں بلکہ یہ معنی ہیں کہ انسان اس کھانے کو دیکھے جسے کھا رہا ہے اور یہ غور کرے کہ یہ کھانا کن اسباب کے ذریعہ فراہم ہوا ہے۔

﴿اِنّـا صَبَبْنا الْمَاءَ صَبّاً، ثُمَّ شَقَقنا الأرْضَ شَقّاً، فأنبتنا فيها حبّاً، وعِنباً وَقَضْباً، وزَيتوناً ونَخْلاً، وحَدائِقَ غُلباً، وفاكِهةً وأبّاً، متاعاً لكم ولأنعامِكُم﴾ (۳)

بیشک ہم نے پانی برسانے کی طرح برسایا، پھر ہم نے زمین کو شگافتہ کرنے کی طرح شگافتہ کیا پھر

---

(۱) ذاریات: ۲۱-۲۲

(۲) عبس: ۲۴

(۳) عبس: ۲۴ تا ۳۰

ہم نے اس میں دانے پیدا کئے، اور انگور و ترکاریاں، اور زیتون و کھجور، اور گھنے گھنے باغ، اور میوے اور چارہ پیدا کیا ہے، یہ تمہارے اور تمہارے جانوروں کے لئے سرمایۂ حیات ہے۔

آیت میں خداوند عالم انسانوں یہ دعوت دے رہا ہے کہ وہ اس غذا کے بارے میں غور کرے کہ جس کو کھاتا ہے اور یہ سوچے کہ اس غذا میں کون سے عوامل کارفرما ہیں۔

ابرو بادو مہ و خورشید و فلك در کارند
تاتونانی بکف آری و بہ غفلت نہ خوری

ہمہ از بھرِ تو سر گشتہ و فرمان بردار
شرط انصاف نباشد کہ تو فرمان نبری(۱)

بادل، ہوا، چاند، سورج اور آسمان سبھی اسلئے کام میں مشغول ہیں تا کہ تمہیں روٹی مل سکے اور تم غفلت سے نہ کھاؤ، سب تمہارے لئے پریشان اور تابعِ فرمان ہیں، یہ انصاف نہیں ہے کہ تم خدا کے فرمانبردار نہ بنو۔

انسان کی زندگی میں ان تمام عوامل کا دخل ہے۔ اگر آفتاب نہ ہوتا تو زمین سے کوئی چیز نہ اگتی اور انسان وحیوان زندہ نہیں رہتا اور اگر ہماری زمین کا فاصلہ اس سے کم ہوتا جتنا ہے تو روئے زمین کے سارے ذی روح جل جاتے اور اگر اس سے زیادہ فاصلہ ہوتا تو پیڑ، پودے نہ اگتے اور انسان وحیوان زندہ نہ رہتے، یہ خدا کی مشیّت کا تقاضا ہے کہ اس نے زمین کو مخصوص وعین فاصلہ پر رکھا ہے۔

ان عوامل کے علاوہ ایک زارع اور بونے والا بھی ہو، تا کہ وہ دانہ ڈالے اور اس سے پہلے زمین کی جتائی کرے۔ اور پھر موقعہ بموقعہ اسکی سینچائی کرے اور آفتوں سے بچائے تا کہ محصول میسر ہو، کھیتی کاٹنا، اس کی گٹھڑی باندھنا، دانا نکالنا اور پھر چکی میں پسوانا، آٹا گوندھنا، روٹی پکانا، اتنے مراحل طے کرنے کے بعد انسان کو روئی ملتی ہے، یہ تمام عوامل واسباب انسان کو روٹی فراہم کرنے میں شریک ہیں پس غور کریں کہ

(۱) کلیات سعدی گلستان دیباچہ

روٹی کی فراہمی میں اتنے انسان اور اتنے آلات درکار ہیں۔

جب انسان موجودات کی حیرت انگیزیوں کے بارے میں غور کرتا ہے، زمین، دریا، آسمان اور دوسرے موجودات کا مطالعہ کرتا ہے مثلاً زمین کو دیکھتا ہے کہ گرمیوں میں مردہ ہو جاتی ہے اور برسات میں بارش ہونے کے بعد زندہ ہو جاتی ہے، ہر جگہ سبزہ لہلہانے لگتا ہے، مختلف رنگ و ذائقے کے پھل آ جاتے ہیں۔ اس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اس وسیع و عریض کائنات کو ایک عالم و قادر کارساز چلا رہا ہے۔

بامدادی که تفاوت نکند لیل و نهار
خوش بود دامن صحرا و تماشائے بهار

بلبلان وقت گل آمد که بنالند از شوق
نه کم از بلبل مستی تو بنال ای هوشیار

آفرینش همه تنبیه خداوند دل است
دل ندارد که ندارد به خداوند اقرار

این همه نقشِ عجب بر در و دیوار وجود
هر که فکرت نکند نقش بود بر دیوار

کوه و دریا و درختان همه در تسبیح اند
نه همه مستمعی فهم کنند این اسرار

خبرت هست که مرغان سحر می گویند
آکر ای خفته سر از خواب جهالت بردار؟

هر که امروز نبیند اثر قدرت او
غالب آنست که فرداش نبیند دیدار

تـا کـی آخـر چـو بـنـفـشـه سـر غـفـلت در پیـش
حیف بـاشـد کـه تـو در خـوابی و نرگـس بیدار

کـه تـوانـد کـه دهـد میوه ی الوان از چوب
یـا کـه دانـد کـه بـر آرد گل صد برگ از خار؟

عـقـل حیـران شـود از خـوشـه ی زریـن عـنـب
فهـم عــاجـز شـود از حـقـه ی یـاقـوت انـار

آب در پـــای تـــرنـج و بـــه و بـــادام، روان
هـــم چـــو در زیـــر درختـــان بهشتـــی انهـــار

گـو نـظـر بـاز کـن و طـلـعـت نـارنـج ببیـن
ای کـه بـاور نـکـنـی فـی الشجـر الاخضـر نـار

پـاك و بـی عیـب خـدایـی کـه بـه تـقـدیر عزیز
مـاه و خـورشیـد مسـخـر کند و لیل و نهـار

پـادشـاهـی نـه بـه دستـور کـنـد یـا گـنجور
نـقـش بـنـدی نـه بـه شـنـگرف کند یـا زنـگـار

نـعـمتـت بـار خـدایـا ز عـدد بیرون اسـت
شـکـر انـعـام تـو هـر گـز نکند شکر گزار (۱)

صبح کے وقت رات اور دن میں فرق محسوس نہیں ہوتا اور دامن صحرا خوشنما اور بہار کا منظر سہانا لگتا ہے۔
بابلیں شوق میں آنسو بہا رہی ہیں کہ بہار کا موسم آ گیا ہے،

(۱) کلیات سعدی ص ۹۰۵-۹۰۷

اے ہوشیار! سرمست بلبل سے تو بھی کم گریہ نہ کر، ساری کائنات یہ اشارہ دے رہی ہے کہ دل کو پیدا کرنے والا خدا ہے۔ اس شخص کے پاس عقل و دل نہیں ہے جس کو خدا کا اقرار نہیں ہے،

وجود کے در و دیوار پر عجیب و غریب قسم کے نقش و نگار بنے ہوئے ہیں جو شخص ان نقوش کے بارے میں غور نہیں کرتا وہ بھی ایک نقش ہی کی مانند ہے۔

پہاڑ، دریا اور اشجار خدا کی تسبیح کر رہے ہیں، صرف سنتے ہی نہیں ہیں بلکہ ان اسرار کو سمجھتے بھی ہیں۔

تمہیں خبر ہے کہ سحر کے وقت چہچہاتے ہوئے پرند کہتے ہیں،

اٹھ بھی جاؤ خواب جہالت و غفلت میں سونے والو!

جو شخص اس کی قدرت کی نشانی کو آج نہیں دیکھ رہا ہے کل اسے خدا کا دیدار بھی نہیں ہوگا۔

تم بنفشہ کی مانند کب تک سر جھکائے خواب غفلت میں رہو گے،

افسوس ہے کہ تم خواب غفلت میں پڑے ہو اور نرگس بیدار ہے،

یہ کیسے ممکن ہے کہ سوکھی شاخ پر رنگ برنگ کے پھل لگیں،

کیا کانٹے پر بہترین پھل کھل سکتا ہے؟

انگور کے سنہرے گچھے کو دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے، اور انار کے قوت کو دیکھ کر خرد درماندہ رہ جاتی ہے۔

ترنج، بہی اور بادام کے درختوں کے نیچے اس طرح پانی بہہ رہا ہے جیسے جنت کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

آنکھ کھولو! اور نارنگی کے حسن و خوبصورتی کو دیکھو!

اے وہ شخص کہ جو ہرے درخت سے آگ کے وجود کا انکار کرتا ہے۔

پاک اور بے عیب خدا نے زبردست اندازہ کے تحت چاند، سورج اور رات دن کو مسخر کیا ہے۔

خدا کی نعمتیں بے شمار ہیں اور اگر تم اس کی نعمت کا شکر ادا کرتے ہو تو بھی اس کا شکر گزار نہیں بن سکتے۔

# دوسری تقریر

آفاق کی نشانیا ایک حکمت والے خدا کے وجود پر دلالت کرتی ہیں

زبانوں کا اختلاف وجود خدا کی دلیل ہے۔

رنگوں میں اختلاف وجودِ خدا کی دلیل ہے۔

موجودات کی تسبیح

ہر موجود، ضروری صلاحیت کا حامل ہے یہ بھی وجود خدا کی دلیل ہے

انسان کی تخلیق کا مقصد خدا کی معرفت وعبادت ہے

قال اللّٰہ تبارک و تعالیٰ فی محکم کتابہ:

﴿ومِنْ آیاتہ خَلْقُ السَّمٰواتِ والأرضِ واخْتِلافِ ألْسنتِکُمْ و ألوانِکُمْ اِنّ في ذلک لآیات للعالِمین﴾(۱)

اس کی نشانیوں میں سے آسمان وزمین کی خلقت اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف بھی ہے بیشک اس میں صاحبان علم کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔

علماء اور دانشور اس کائنات میں خدا کی قدرت کے آثار دیکھ کر لذت اندوز ہوتے ہیں، زمین وآسمان کے عجائب کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔

اس آیت میں خداوند عالم نے زمین وآسمان کی خلقت کو بیان کرنے اور کتاب کائنات کا ایک صفحہ پیش کرنے کے بعد فرمایا ہے:

خدا کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی خلقت بھی ہے۔یہ اس کتاب کا ایک صفحہ ہے۔ تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف بھی اس کی نشانیوں میں سے۔یہ اس کتاب کا دوسرا صفحہ۔ ہے۔

زمانوں کے اختلاف میں سے لغتوں کا اختلاف بھی ہے مثلا اردو، عربی، انگلش اور فارسی وغیرہ دوسرا

---

(۱) روم:۲۲

اختلاف آوازوں کا اختلاف ہے باوجودیکہ سارے انسان اسی خطۂ زمین پر زندگی گذارتے ہیں پھر بھی ان کے لہجوں میں اشتباہ نہیں ہوتا ہے یہاں تک کہ دو آدمیوں کے لہجہ میں اشتباہ نہیں ہوتا ہے چنانچہ جب کوئی شخص بولتا ہے تو- پس دیوار سے بھی- آپ یہ بتادیں گے فلاں شخص بول رہا ہے اشتباہ نہیں ہوتا ہے۔

روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کا لہجہ جدا ہے حالانکہ ان سب کا جسم انہیں آنکھوں، کانوں اوراعضاء وجوارح سے بنا ہے۔ لیکن انکا لہجہ کچھ اس طرح کا ہے کہ دوسرے سے کسی کا لہجہ نہیں ملتا ہے۔ ہر شخص کا مخصوص لہجہ ہے اگر سب کا لہجہ جدا نہ ہوتا تو یہ معلوم نہیں ہوسکتا تھا کہ کون بول رہا ہے؟ لوگوں کے لئے جینا دشوار ہو جاتا اس لئے خدا کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ سب کا لہجہ جدا ہوتا کہ اشتباہ نہ ہو۔ (العَظَمَةُ للّٰه)

ایک اختلاف رنگوں میں اختلاف ہے، سیاہ، سفید، زرد وسرخ اسی طرح دوسرے رنگ لیکن اس کا ایک مفہوم اور ہے اور وہ یہ کہ ساری سفیدیاں، ساری سیاہیاں، ساری زردیاں یکساں نہیں ہیں بلکہ ان میں بھی کمی بیشی ہے یا انسانوں میں رنگوں کے اختلاف کے یہ معنی ہیں کہ ہر ایک کی شکل وصورت جدا ہے، اورایک دوسرے بالکل مشابہہ نہیں ہے چنانچہ سب ہی ایک شکل وصورت کے ہوتے تو شناخت دشوار ہو جاتی باپ، بیٹا لگتا اور بیٹا باپ یہاں تک کہ بھائی بھائی میں تمیز مشکل ہو جاتی اور انسان کی زندگی محال ہو جاتی جب انسان اس سلسلہ میں غور کرتا ہے تو خدا کی قدرت کی کرشمہ سازیوں کو دیکھ کر مبہوت رہ جاتا ہے کہ روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کی آواز ولہجہ اوران کی شکل وصورت جدا جدا ہے یکساں نہیں ہے۔

البتہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دو بھائی ایک حد تک - نہ ہر لحاظ سے - ایک دوسرے سے مشابہہ ہوتے ہیں۔ (۱)

---

(۱) قم میں دو بھائی طالب علم تھے وہ ایک دوسرے سے بہت مشابہہ تھے ان کے پہچاننے میں لوگوں کو اشتباہ ہوتا تھا لیکن غور کرنے سے معلوم ہو جاتا تھا کیونکہ بالکل مشابہہ نہیں تھے۔

بعض موقعوں پر خدا کچھ چیزوں کو خلاف دستور انجام دیتا ہے تا کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ خدا نے کس طرح قدرت نمائی کی ہے۔ زبانوں کے اختلاف کو بیان کرنے کے بعد فرماتا ہے:

ان تمام چیزوں، لغتوں، لہجوں، زبانوں، شکل اور صورتوں- میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو علم رکھتے ہیں۔

رنگوں کے اس اختلاف کو دوسری آیت میں اس طرح بیان کرتا ہے:

﴿الم تَرَ أنَّ اللّٰهَ أنْزَلَ مِنَ السَّماءِ مَاءً فأخْرَجْنا بِهِ ثَمَراتٍ مختلفاً ألوانُها ومِنَ الجِبَالِ جُدُدٌ بِيضٌ وحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ ألوانُها وغرابيبَ سُودٌ، ومِنَ النّاسِ والدَّوابِّ والأنْعامِ مُخْتَلفٌ ألوانُهُ كذالِكَ انّما يَخْشَىٰ اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ العُلَمَاءُ﴾(۱)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ خدا نے آسمان سے پانی نازل کیا ہے اور پھر ہم نے اس کے ذریعہ مختلف رنگوں کے پھل پیدا کئے اور پہاڑوں میں سرخ وسفید راستے بنائے اور بعض بالکل سیاہ رنگ تھے اور انسان، چوپایوں اور جانوروں میں بھی مختلف رنگ کی مخلوق پائی جاتی ہے لیکن اس کے بندوں میں اللہ سے ڈرنے والے صرف صاحبان علم ہیں۔

دوسری آیت میں ارشاد ہے:

﴿وما ذَرَأ لَكُمْ في الأرْضِ مُخْتَلِفاً ألوانُهُ اِنَّ في ذٰلكَ لآيةً لِقَومٍ يذّكّرون﴾ (۲)

یعنی یہ رنگوں کا اختلاف تمام چیزوں میں پایا جاتا ہے، یہ تمام موجودات خدا کی تسبیح کرتے ہیں، ارشاد ہے:

﴿تُسبّحُ لَهُ السَّمٰوٰاتُ السَّبْعُ والأرْضُ ومَنْ فِيهِنَّ وإنْ مِنْ شَيءٍ اِلاّ يُسَبِّحُ

(۱) فاطر: ۲۷ تا ۲۸ (۳) اسراء: ۴۴

بحَمْدِهِ ولکن لا تفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ ﴾(۱)

ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے وہ خدا کی تسبیح کرتا ہے اور کوئی چیز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ خدا کی حمد وثنا کرتی ہے۔

جب حضرت موسیٰؑ اور ان کے بھائی جناب ہارون کو یہ حکم ملا کہ فرعون کو خدا پرستی کی دعوت دو تو انہوں نے اسے جا کر خدا کی عبادت کی دعوت دی، اس کے بعد کے مرحلہ کو قرآن اس طرح بیان کرتا ہے:

﴿قَالَ فَمَنْ رَبُّكُمَا يَا مُوسَىٰ قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ﴾(۲)

فرعون نے کہا: اے موسیٰ تم دونوں کا پروردگار کون ہے؟ موسیٰ نے کہا: ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شئے کو اس کی مناسب خلقت عطا کی ہے اور پھر ہدایت بھی دی ہے۔

در گنجینۂ حق را گشادند
بھر کس ہر چہ لائق بود دادند

**یا**

جھان چون خد و خال و زلف و ابرواست
کہ ھر چیزی بہ جائے خود نیکوست(۳)

خدا نے ہر مخلوق و موجود کو ہر وہ چیز عطا کی ہے جو اس کی خلقت کے لئے ضروری تھی مثلاً انسان کو جس چیز کی ضرورت تھی وہ اسے عطا کی ہے، یہ اعضا و جوارح اس کے مناسب حال خلق کئے ہیں حیوانات کو بھی ہر وہ چیز عطا کی ہے جو اس کی خلقت کے لئے ضروری تھی، جو خشکی میں زندگی گذارنے والے تھے انہیں

---

(۱) نحل: ۱۳

(۲) طہٰ: ۵۰

(۳) گلشن راز شبستری ص ۹۷

اس طرح پیدا کیا کہ خشکی میں نباہ کرسکیں اور دریائی جانوروں کو اس طرح خلق کیا کہ وہ دریا میں زندہ رہ سکیں اور پرندوں کو اس طرح پیدا کیا کہ وہ ہوا میں اڑ سکیں...

ارشاد ہے:

﴿الَمْ یَروا الیٰ الطَّیرِ مسخَّرَاتٍ في جَوِّ السّماءِ ما یُمْسِکُھُنَّ اِلاّ اللّٰہُ اِنَّ في ذٰلِکَ لآیاتٍ لِقَومٍ یُؤْمِنُونَ﴾ (۱)

کیا ان لوگوں نے ان پرندوں کو نہیں دیکھا جو آسمان کی فضا میں اڑتے ہیں؟ خدا کی قدرت کے علاوہ انہیں کوئی اور چیز نہیں روکے ہوئے ہے بیشک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو خدا اور اس کی قدرت پر اعتقاد رکھتے ہیں۔

ایک اہم نکتہ جس پر توجہ رکھنا چاہئے یہ ہے کہ انسان کی تخلیق کا مقصد خدا کی معرفت وعبادت ہے اس سلسلہ میں خدا کا ارشاد ہے:

﴿اللّٰہُ الّذي خَلَقَ سَبْعَ سَمٰواتٍ ومِنَ الأرْضِ مِثْلَھُنّ یَتَنَزَّلُ الأمْرُ بَیْنَھُنَّ لِتَعْلَمُوا أنَّ اللّٰہَ عَلیٰ کُلِّ شَيءٍ قَدِیْرٌ وأنَّ اللّٰہَ قَدْ أحاطَ بِکُلِّ شَيءٍ عِلْماً﴾ (۲)

اللہ وہ ہے جس نے سات آسمانوں کو اور اسی کے مثل زمین کو پیدا کیا ہے انہیں کے درمیان حکم خدا نازل ہوتا ہے تاکہ تم یہ جان لو کہ خدا ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔

ہر چیز کو اپنے علم کے احاطہ میں لئے ہوئے ہے اور ان کے تقاضوں کا علم بھی رکھتا ہے۔ ہر ایک ضرورت واحتیاج کو پورا کرتا ہے۔

---

(۱) نحل: ۷۹

(۲) طلاق: ۱۲

حاجت موری به علم غیب بداند
در بن چاهی به زیر صخره ی صمّا

از در بخشندگی و بنده نوازی
مرغ هوا را نصیب ماهی دریا(۱)

وہ علم غیب سے کنویں کے اندر کالے پتھر کے نیچے رہنے والی چیونٹی کی حاجت کو جانتا ہے۔
معافی و بندہ نوازی کی رو سے ہوا میں اڑنے والے پرندہ کو دریا کی مچھلی عطا کرتا ہے۔
ہواؤں میں اڑنے والے پرندوں کو دریا کی مچھلیاں دیتا ہے اور بڑی مچھلیاں چھوٹے پرندوں کو کھالیتی ہیں۔
آخری مصرع کو اس طرح بھی پڑھا جاسکتا ہے: مرغ ہوا را نصیب، ماھی دریا۔
یعنی ہوا میں اڑنے والے بڑے بڑے پرندوں کو دریا کی چھوٹی مچھلی ہوتی ہے اور اس کو اس طرح بھی پڑھا جاسکتا ہے: مرغ؛ ہوا را نصیب، ماہی؛ دریا۔
یعنی خدا نے مرغ کو ہوا عطا کی ہے کہ وہ ہوا میں زندگی گذارے اور مچھلی کو دریا عطا کیا ہے وہ اس میں زندگی بسر کرے۔

شربت نوش آفرید از مگس نحل
نخل تناور کند ز هسته ی خرما

جانور از نطفه می کند شکر از نی
برگ تر از چوب خوشك چشمه ز خارا

از همگان بی نیاز و بر همه مشفق
از همه عالم نهان و بر همه پیدا

---

(۱) کلیات سعدی ۱۴۱، ۴۴۱

پرتو نور سرادقات جلالش
از عظمت ماورای فکرت دانا

هر که نداند سپاس نعمت امروز
حیف خورد بر نسیم رحمت فردا

بار خدایا مهیمنی و مدبر
وز همه عیبی منزهی و مبرا

ما نتوانیم حق حمد تو گفتن
با همه کروبیان عالم بالا (۱)

شہد کی مکھی سے پینے کے لئے شربت پیدا کیا اور خرمہ کی گٹھلی سے کھجور کا تناور درخت بنایا۔ نطفہ سے جاندار اور گنّے سے شکر پیدا کرتا ہے۔ سوکھی لکڑی سے تر و تازہ پتّہ اور پھتروں سے چشمہ جاری کرتا ہے۔

سب سے بے نیاز ہے اور سب پر مہربان ہے۔ سب سے پوشیدہ اور سب پر آشکار ہے۔

اس کے جلال کے پردوں پر اس کی عظمت کے نور کا پرتو اور تمہاری فکر سے آگے جو چیزے ہیں ان سے واقف ہے۔

جو شخص آج اس کی نعمت کا شکر ادا نہیں کرتا کل وہ رحمت کی ہوا پر افسوس کرے گا۔

اے غالب و مدبّر خدا تو ہر عیب سے منزہ و مبرا ہے۔

ہم تیری حمد و ثنا کا حق ادا نہیں کر سکتے بلکہ عالم بالا کے فرشتے بھی ادا نہیں کر سکتے۔

پس انسان اس دنیا میں اس لئے آیا ہے کہ وہ اس کتابِ وجود، اس وسیع و عریض دنیا سے علم و حکمت اور معرفتِ خدا کا درس حاصل کرے۔

اس عالم کے موجودات اور اس کی وسعت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ ان ستاروں اور کہکشاؤں ہی کو

(۱) کلیات سعدی سابق حوالہ

نہیں گنا جا سکتا۔ آج تک ان کی گنتی ختم نہیں ہوئی ہے، بشر اس کی انتہا تک نہیں پہنچ سکتا۔ جہاں تک انسان کی دست رس ہوئی ہے اگر آپ اسی کے بارے میں غور کریں گے تو بخوبی سمجھ لیں گے کہ کیا قیامت ہے، ان میں اتنی وسعت ہے، اس عالم کو اس لئے پیدا کیا ہے تا کہ انسان اس سے فائدہ حاصل کرے اور معرفتِ خدا کا درس سیکھے۔ بنابراین کائنات اسی عظیم کتاب کی مانند ہے کہ جس کی انتہا تک نہیں پہنچا جا سکتا لیکن اس کی معرفت کے ذریعہ خدا کی قدرت وحکمت کو پہچانا جا سکتا ہے۔

قرآن مجید کہتا ہے:

﴿ولو أنَّ ما في الأرضِ مِنْ شَجَرَةٍ أقلامٌ والبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أبْحُرٍ ما نَفِدَتْ كَلِماتُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾(۱)

اگر روئے زمین کے سارے درخت قلم اور سمندر کو سہارا دینے کے لئے سات سمندر اور آ جائیں تو بھی کلمات خدا کو نہیں لکھا جا سکے گا، خدا کی مخلوقات، عالم کو شمار نہیں کر سکتی۔ بیشک اللہ عزت والا اور حکمت والا ہے۔

❁❁❁❁❁

---

(۱) لقمان: ۲۷

# تیسری تقریر

| | |
|---|---|
| خدا کی ذات کی معرفت کا ممکن نہ ہونا اور اس کی صفات کی معرفت کا امکان اور عبادت موحد کا وظیفہ | خدا کی حقیقت قابل شناخت نہیں ہے<br>خدا کی حقیقت کی معرفت ممکن نہیں ہے<br>حضرت موسیٰ اور فرعون کی داستان میں صفات اور آثار کے ذریعہ معرفت کا ممکن ہونا<br>آفاقی آیات کے ذریعہ خدا کی پہچان<br>خدا کی معرفت رکھنے والوں کا وظیفہ عبادت ہے<br>وہ امور جو ظاہراً عبادت نہیں ہیں لیکن انہیں بعنوان عبادت انجام دیا جاسکتا ہے<br>مبتلا بہ مسائل کا جاننا ضروری ہے |

**قال اللّٰہ تبارک و تعالیٰ**

بسمِ اللّٰہِ الرّحمٰنِ الرَّحیمِ ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الأعْلیٰ الّذي خَلَقَ فَسَوّیٰ﴾(۱)

اس خدا کے نام سے جو-دنیا میں مومنوں اور کافروں اور آخرت میں مومنوں کو-روزی دینے والا ہے۔

اپنے پردرگار کے نام سے تسبیح پڑھیے جو بزرگ و برتر ہے کہ جس نے خلق کیا اور سنوارا ہے۔

خداوند عالم اس سے بزرگ و برتر ہے کہ طائرِ فکر و خیال اس کی حقیقت کا ادراک کر سکے یا عقل اس کی حقیقت کو پا سکے۔

حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

"اِنَّ اللّٰہَ احْتَجَبَ عَنِ العُقولِ کما احْتَجَبَ عَنِ الأبْصارِ و اِنّ المَلأَ الأعلیٰ یَطلبونَہُ کَما تَطلبونَہُ أنتم".(۲)

خداوند متعال (عقلوں کی پرواز سے بہت بلند ہے) عقلوں سے اسی طرح پوشیدہ ہے جس

---

(۱) اعلیٰ: ۱و۲

(۲) بحار الانوار ج۶۹ ص۲۹۲ یہ حدیث اربعین شیخ بہائیؒ کی دوسری حدیث کی شرح میں لکھی ہے، اور تحف العقول میں خطبۂ توحید یہ کے ذیل میں امام صادقؑ سے: احتجب عن العقول کما احتجب عن الابصار تک تحریر ہے۔

طرح آنکھوں سے مخفی ہے (جس طرح آنکھیں اسے دیکھ نہیں سکتیں اسی طرح عقلیں اسے پا نہیں سکتیں)۔

ملائے اعلیٰ والے بھی اسے اسی طرح ڈھونڈتے ہیں جس طرح تم لوگ۔

به بینندگان آفریدننده را
نبینی مرنجان دو بیننده را (۱)

امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

"كلّما مَيَّزْتُمُوه بأوهامِكُم في أدَقِّ معانيهِ مَخلوقٌ مَصْنوعٌ مِثْلُكُمْ مَرْدودٌ اِلَيْكُمْ". (۲)

تم اپنے وہم وخیال میں جس چیز کو خدا جیسا تصور کرتے ہو وہ تمہاری پیدا کی ہوئی اور بنای ہوئی چیز ہے وہ تمہارا تراشا ہوا ہے پیکر، خدا نہیں ہے۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

"لا تُدْرِكُهُ بُعْدُ الهِمَمِ و لا ينالُهُ غَوْصُ الفِطَنِ". (۳)

بلند پرواز ہمتیں اسے پا نہیں سکتیں اور عقل وفہم کی گہرائی اس تک پہنچ نہیں سکتی۔ ابن ابی الحدید معتزلی کہتے ہیں:

فيكَ يا أُعْجُوبَةَ الكَوْنِ غَدا الفِكْرُ كَليلا
انتَ حَيَّرتَ ذَوي اللُبِّ وَبَلْبَلْتَ العقولا
كُلّما أقْدَمَ فِكري فِيكَ شِبْراً فَرَّ مِيلا
ناكِصاً يَخْبُطُ في عَمْياء لا يَهْدِي السَّبيلا (۴)

(۱) شاہنامہ فردوسی، آغاز کتاب، اس کا مطلع یہ ہے: بنام خداوندِ جان وخرد۔

(۲) بحار الانوار ج ۶۹ ص ۲۶۳ بحوالہ اربع شیخ بہائیؒ...(اصل: ۹۸)

(۳) نہج البلاغہ خطبۂ اوّل

(۴) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱۳ ص ۵۱

اے جامع الصفات حسنہ، اے یکتائے زمانہ میری عقل تیری حقیقت کو سمجھے سے قاصر ہے میری کیا بساط، تو نے تمام صاحبانِ عقل کو اپنی حقیقت سمجھنے کے سلسلہ میں متحیر کر دیا ہے۔

میں اپنی فکر کو مرتکز کر کے یہ سمجھے کی کوشش کرتا ہوں کہ تو ایسا ہے اور اس سلسلہ میں اگر بالشت بھر آگے بڑھتا ہوں تو تیرے کمالات کی وجہ سے میلوں پیچھے ہٹ جاتا ہوں۔

ایک فارسی شاعر کہتا ہے:

بـــه عـــقـــل نـــازی حـــکـیـم تـــا کـــی
بـــه فـــکـــرت ایـــن ره نـــمـــی شـــود طـــی

بـــه کـــنـــه ذاتـــش خـــرد بـــرد پـــی
اگـــر رســـد خـــس بـــه قـــعـــر دریـــا

اے حکیم وعقلمند تم اپنی عقل پر کب تک ناز کرو گے؟ یہ راستہ تمہاری فکر سے طے نہیں ہو گا۔
اس کی حقیقت کا اندازہ اتنا ہی دشوار ہے جتنا کہ تنکے کا دریا کی تہہ تک پہنچنا۔

دوسرا شاعر کہتا ہے:

جهـــان متـــفـــق بـــر الٰهیتـــش
فـــرو مـــانـــده در کـــنـــه مـــاهیتـــش

نـــه بـــر اوج ذاتـــش پـــرد مـــرغ وهـــم
نـــه بـــر ذیـــل و صـــفـــش رسد دســـت فهـــم

در ایـــن ورطـــه کـشتـــی فـــرو شـــد هـــزار
کـــه نـــامـــد یـــکـــی تـــختـــه ای بـر کـــنـــار

نـــه ادراك در کـــنـــه ذاتـــش رســـد
نـــه فـــکـــرت بـــه غـــور صـفـاتـــش رســـد

کہ نہ خاصان در این فرس رانده اند

بہ لا احصی از تك فرو مانده اند

اس کے خدا ہونے پر پوری دنیا کے لوگوں کا اتفاق ہے اس کی حقیقت کو جاننے سے ہر ایک قاصر ہے۔

اس کی ذات کی بلندی تک طائرِ فکر بھی پر نہیں مار سکتا اور فہم وخرد اس کے دامنِ صفت تک نہیں پہنچ سکتی۔

اس گرداب میں ہزاروں کشتیاں غرق ہوچکی ہیں اور ان میں سے کوئی بھی نہیں بچا ہے یہاں تک کہ کوئی تختہ بھی کنارے تک نہیں پہنچا ہے۔

ادراک اس کی ذات کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور نہ اس کے صفات کی تھاہ تک تمہارا طائرِ فکر پر مار سکتا ہے۔

اس میدان میں خاصانِ خدا نے بہت گھوڑے دوڑائے ہیں لیکن وہ منزل تک نہیں پہنچ پائے۔

مختصر یہ کہ خدا کی ذات کا ادراک نہیں ہوسکتا۔

جس وقت خدا نے حضرت موسیٰؑ کو فرعون کے پاس تبلیغ کے لئے بھیجا اور جناب موسیٰؑ نے فرعون سے فرمایا:

﴿انّي رسولٌ مِنْ ربِّ العالَمين﴾(۱)

میں عالمین کے پروردگار کا رسول ہوں۔

تو فرعون نے کہا:

﴿وما ربُّ العالَمين﴾(۲)

---

(۱) اعراف:۱۰۴

(۲) شعراء:۲۳

یعنی اس (رب العالمین کی) حقیقت کیا ہے؟

اور چونکہ اس کی حقیقت کو کبھی بیان نہیں کیا جا سکتا لہذا موسیٰ نے ذاتِ حق کے صفات بیان کرنا شروع کئے کہا:

﴿ربُّ السّمٰواتِ والأرضِ وما بَیْنھما اِنْ کنتم موقنینَ﴾ (۱)

وہ آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو۔

یعنی یہ خدا وہ ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔ اس کی قدرت اس کی ذات پر دلالت کرتی ہے اگر چہ اس کی قدرت ہی اس کی ذات ہے۔

جب جنابِ موسیؑ نے یہ فرمایا۔ تو فرعون نے اپنے درباروالوں کی طرف رخ کیا اور کہا:

﴿لِمَنْ حَوْلَهُ أَلا تَسْتَمِعُونَ﴾ (۲)

کیا تم نے نہیں سنا؟ اب میں دوسری بات پوچھتا ہوں۔

لیکن موسیٰ نے اس کا بھی جواب دے دیا: فرعون نے کہا میں اس کی ذات کی حقیقت کے بارے میں سوال کرتا ہوں، تو یہ اس کے صفات بیان کرتے ہیں۔ جناب موسیؑ نے دوبارہ فرمایا:

﴿رَبُّكُمْ و رَبُّ آبَائِكُمُ الأوَّلينَ﴾ (۳)

وہ تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے گذشتہ آباء کا بھی پروردگار ہے۔

فرعون نے کہا:

﴿اِنَّ رَسُولَكُمُ الّذي اُرْسِلَ اِلَيكُمْ لَمَجْنُونٌ﴾ (۴)

(میں نے اس کی ذات کے بارے میں سوال کیا ہے وہ اس کے صفات کو بیان کر رہے ہیں) جو

---

(۱) شعراء: ۲۴

(۲) شعراء: ۲۵

(۳) شعراء: ۲۶

(۴) شعراء: ۲۷

پیغمبر تمہاری طرف بھیجا گیا ہے وہ مجنون ہے۔

موسیٰؑ بن عمران نے پھر فرمایا:

﴿رَبُّ المَشْرِقِ والْمَغْرِبِ وما بينهما اِنْ كُنْتُم تَعْقِلُونَ﴾ (۱)

اگر تم عقل سے کام لو تو یہ خدا وہ ہے جو مشرق و مغرب اور ان کے درمیان کی چیزوں کا پروردگار ہے۔

فرعون نے غیظ میں آ کر کہا:

﴿لَئِن اتَّخَذْتَ الٰهاً غَيْرِي لأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ﴾ (۲)

اگر تم نے میرے علاوہ کسی کو خدا و معبود بنایا تو میں تمہیں قید میں ڈال دونگا۔

موسیٰؑ نے فرمایا:

﴿أوَلَو جِئْتُكَ بِشَيءٍ مُبِينٍ﴾ (۳)

خواہ میں کھلا ہوا معجزہ بھی دکھا دوں، تب بھی تم یہی کہو گے۔

فرعون نے کہا:

﴿فأتِ بِهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادقين﴾ (۴)

اگر تم سچے ہو تو معجزہ دکھاؤ۔

﴿فألْقىٰ عَصَاهُ فإذا هِيَ ثُعْبَانٌ مُبِينٌ، وَنَزَعَ يَدَهُ فإذا هِيَ بَيْضاءَ للناظرين﴾ (۵)

موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا وہ دیکھتے ہی دیکھتے اژدھا بن گیا، اپنے ہاتھ کو گریبان سے نکالا تو وہ نورانی بن گیا۔

---

(۱) شعراء: ۲۸

(۲) شعراء: ۳۹

(۳) شعراء: ۳۰

(۴) شعراء / ۳۱

(۵) شعراء: ۳۲۔۳۳

اس سورہ کی ان آیتوں کو ملاحظہ فرمائیں جن میں سحر و جادو اور جناب موسیٰؑ کی فرعون سے بحث کا ذکر ہے۔

ہم صرف یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ خدا کی حقیقت کا ادراک کسی بھی طرح سے نہیں کیا جا سکتا، ان آیتوں میں بھی جناب موسیٰؑ نے خدا کے صفات ہی بیان کئے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر خدا کو کس طرح پہچانیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ خدا کو اس کی مخلوقات کے بارے میں غور و فکر کر کے پہچانیں اور یہی وجہ ہے کہ:

﴿سَبِّحْ اِسْمَ رَبِّکَ الأَعْلیٰ﴾

اپنے رب کی تسبیح کرو، اس کی حمد و ثنا کرو، وہ اس سے بزرگ و برتر ہے کہ اس کی حقیقت کو پہچانا جا سکے۔

اسکے بعد کہتا ہے:

﴿الَّذِي خلق فَسَوّٰی﴾

اس خدا کی تسبیح کرو جس نے مخلوقات کو پیدا کیا اور پھر اسے سنوارا۔

یعنی ان کے درمیان ایک دستور قائم کیا۔

پس خدا کو ان نشانیوں کے ذریعہ پہچانا جا سکتا ہے جو زمین و آسمانوں میں موجود ہیں۔

دعائے جوشن کبیر کے چند جملے ملاحظہ فرمائیں:

"یا من في السّماء عَظَمَتُهُ یا مَنْ فِي الأَرْضِ آیاتُهُ یا مَنْ في كُلِّ شَيءٍ دلائِلُهُ یا مَنْ فِي البِحارِ عَجَائِبُهُ یا مَنْ في الجِبَالِ خَزائِنُهُ". (۱)

اے وہ خدا جس کی عظمت و بزرگی آسمانوں میں (بھی) ہے، اے وہ خدا جس کی دلیلیں ہر چیز میں ہیں اے وہ خدا جس کے عجائب دریاؤں میں ہیں، اے وہ خدا جس کے خزانے پہاڑوں میں ہیں۔

---

(۱) مفاتیح الجنان، دعائے جوشن کبیر بند ۵۹

مختصر یہ کہ موجودات اور خدا کی بنائی ہوئی چیزوں میں غور وفکر کرنے سے خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔فرماتا ہے:

﴿وفِي الأرْضِ آياتٌ للموقنينَ وفي أنْفُسِكُمْ أفلا تُبْصِرُونَ﴾(۱)

اہل یقین کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں اور تمہارے وجود میں بھی پھر تم غور کیوں نہیں کرتے؟

اگر ہم اپنے وجود کے بارے میں غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ایک وقت ایسا بھی تھا جس میں ہمارا وجود نہیں تھا قدرت نے ہمیں پیدا (کیا) ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے جسم میں اعضاء و جوارح، کان آنکھ، اور ظاہری و باطنی قویٰ ہیں ہمارے پاس قوت باصرہ ہے جس کے ذریعہ ہم چیزوں کو دیکھتے ہیں، ہمارے بدن مین قوت سامعہ ہے جس کے وسیلہ سے ہم آوازوں کو سنتے ہیں ہم قوتِ ذائقہ کے حامل ہیں جس کے وسیلہ سے کھانوں کا مزہ چکھتے ہیں، قوت لامسہ کے مالک ہیں، اس کے واسطہ سے ہم چیزوں کی نرمی، سختی، ان کے ہلکے اور بھاری پن کو سمجھتے ہیں، سرد و گرم اور خشک وتر کو محسوس کرتے ہیں، قوت شامہ کے حامل ہیں اس کے سبب ہم اچھی برے بو میں تمیز کرتے ہیں، ہم ان قوائے ظاہری کے ذریعہ اشیاء کا ادراک کرتے ہیں۔

خداوند عالم نے ایک آیت میں قوت سامعہ و باصرہ کا بطور خاص ذکر کیا ہے، فرماتا ہے:

﴿والـلّـهُ أخْـرَجَـكُـم مِنْ بُطُونِ أُمّهاتِكُم لا تَعْلَمُونَ شَيئاً وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ والأبْصارَ والأفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ (۲)

اور خدا نے اپنی قدرتِ کاملہ سے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکموں سے نکالا جبکہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور۔علوم حاصل کرنے کے لئے۔تم کو آنکھ کان عطا کئے اور تمہارے وجود میں دل قرار دیا۔

---

(۱) ذاریات ۲۰،۲۱

(۲) نحل: ۷۸

یہ دونوں قویٰ یعنی آنکھ وکان قوائے ظاہر ہیں اور جس چیز کا ادراک کرتے ہیں اسے دل کے پاس بھیج دیتے ہیں، باطن میں بھی کچھ قویٰ ہیں جیسے قوت حافظہ، جو کچھ انسان دیکھتا ہے یا زندگی بھر سنتا ہے یا قوت شامہ کے ذریعہ جو کچھ سونگھتا ہے یا قوت ذائقہ کے وسیلہ سے محسوس کرتا ہے یا قوت لامسہ کے توسط سے درک کرتا ہے وہ سب قوت حافظہ میں جمع ہو جاتا ہے۔

قوت حافظہ خدا کی عظیم ترین نعمتوں میں سے ایک ہے اگر ان قویٰ میں سے ایک بھی نہ ہوتی تو زندگی کا کوئی لطف نہ رہتا، اور اگر قوتِ حافظہ نہ ہوتی تو انسان کی زندگی دشوار ہو جاتی کیونکہ لحہ بھر میں بہت سی چیزوں کا ادراک ہوتا اور دوسرے لحہ ان کا نشان تک نہ ملتا اور دوبارہ ان کا حصول ممکن نہ ہوتا۔

قویٰ باطنی میں عقل سب سے اہم قوت ہے اچھے برے اور نیک و بد کو انسان عقل ہی کے ذریعہ سمجھتا ہے۔

بنا برایں ہم موجودات اور خدا کی بنائی ہوئی چیزوں میں غور وفکر کر کے اس کی معرفت حاصل کرتے ہیں اس دنیا کی مثال ایک مدرسہ کی سی ہے جس میں خدا نے ہمیں اس لئے پیدا کیا ہے تا کہ ہم اس کی معرفت حاصل کریں۔

جن وسائل سے علم حاصل ہوتا ہے ان میں سے ایک عقل اور دوسری قوت سامعہ ہے۔

قوت باصرہ خدا کی عظیم ترین نعمتوں میں سے ہے ہم اسی کے وسیلہ سے مخلوقات ومصنوعات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ جس چیز کو بھی ہم دیکھتے ہیں اس میں خدا کی قدرت کے آثار دیکھتے ہیں، ہوا کو لیجئے کہ جس کے ذریعہ ہم سانس لیتے ہیں یہ کچھ اس طرح واقع ہوئی ہے اگر اس میں ذرا بھی رد و بدل ہو جائے تو ہم زندہ نہیں رہ سکیں گے۔ موسم کو دیکھئے اس کی چاروں فصلوں کے بارے میں غور کیجئے (ایران کے لحاظ سے) سردیوں میں زمین مردہ ہو جاتی ہے لیکن بارانِ رحمت کے نازل ہوتے ہی یہ زمین خدا کی حکم سے زندہ ہو جاتی ہے، پیڑ پودے اگ آتے ہیں، زمین سرسبز وشاداب ہو جاتی ہے، درختوں پر پتے آجاتے ہیں، پھول کھلنے لگتے ہیں مختلف رنگ و بو اور گوناگوں قسم کے ذائقہ والے پھل آتے ہیں۔

چشم بگشا بہ گلستان و ببین
جلوہ آب صاف در گل و خار

ز آب بی رنگ صد ہزاران رنگ
لالہ و گل نگر در این گل زار

تا بہ جایی رسی کہ می نرسد
پای اوہام و دیدہ ی افکار

کہ یکی ہست و ہیچ نیست جز او
وحدہ لا الہ الاّ ہو(۱)

آنکھیں کھولو اور گلستاں کا نظارہ کرو پھول اور کانٹے میں صاف پانی کا جلوہ دیکھو بے رنگ پانی سے ہزاروں رنگ پیدا ہو گئے ہیں، اس چمن میں لالہ اور دوسرے پھولوں کو دیکھو، اس طرح تم اس جگہ پہنچ جاؤ گے جہاں فکر و خیال کی رسائی نہیں ہوتی وہی ایک ہے اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے، وہ یکتا ہے اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے۔

اب ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ جب ہم نے خدا کو پہچان لیا تو ہمارا کیا فرض ہے؟
خدا کی معرفت حاصل کرنے والے کا فرض یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کرے۔

﴿وما خَلَقْتُ الجِنَّ و الاِنسَ اِلاّ لِیَعْبُدُونِ﴾ (۲)

جن وانس اس لئے دنیا میں آئے ہیں تاکہ پہلے وہ خدا کی معرفت حاصل کریں اور پھر اس کی عبادت کریں۔

یہ دنیا ایک کتاب کی مانند ہے، اس کتابِ تکوین میں خدا کی قدرت کے مشاہدہ کے ذریعہ انسان خدا

---

(۱) دیوان ہاتف اصفہانی، ترجیح بند

(۲) ذاریات: ۵۶

کی معرفت حاصل کرسکتا ہے۔

بہ نزد آن کہ جانش در تجلی است

ہمہ عالم کتاب حق تعالیٰ است (۱)

جس شخص کا باطن روشن ہے اس کے نزدیک یہ ساری دنیا خدا کی کتاب ہے۔

جب انسان خدا کی معرفت حاصل کر لیتا ہے تو اس کی عبادت کرتا ہے۔ عبادت کی دو قسمیں ہیں: عبادت کی ایک قسم کو اصطلاح میں عبادات کہتے ہیں مثلاً نماز، روزہ، حج وزکوات اور خمس وغیرہ۔

دوسری قسم کو اصطلاح میں عبادات نہیں کہتے لیکن انہیں عبادت کی طرح انجام دیا جا سکتا ہے یعنی عبادی امور، نماز، روزہ، حج وجہاد وغیرہ کے علاوہ انسان، تجارت، کام، کمائی، صنعت وزراعت کو عبادت بھی قرار دے سکتا ہے یعنی جب یہ امور خدا کی خوشنودی، شریعت کے مطابق اور حلال طریقہ سے انجام پذیر ہونگے تو عبادت کی شکل اختیار کر لیں گے۔ منقول ہے کہ رسولؐ نے فرمایا:

"الکاسِبُ حَبیبُ اللّٰہِ".

جو شخص شریعت کے قانون کے مطابق روزی حاصل کرتا ہے وہ خدا کا دوست ہے۔

دوسری روایت میں اس طرح منقول ہے:

جو شخص اپنے اہل وعیال کے اخراجات پورا کرنے، لوگوں کی احتیاج برطرف کرنے اور اپنے دینی بھائیوں کی مدد کرنے کے لئے مشقت وتکلیف اٹھاتا ہے وہ خدا سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس

(۱) بحار الانوار ج ۷۰ ص ۱ بحوالۂ خصال صدوق ج ۱ ص ۹۷

کا چہرہ چودہویں کے چاند کی مانند چمک رہا ہوگا۔ (۲)

اس بنا پر انسان کو چاہئے کہ تجارت وغیرہ شروع کرنے سے پہلے اس کے مسائل کا علم حاصل کرے

---

(۱) گلشن راز مجموعہ آثار شبستری ص ۷۵

(۲) بحار الانوار ج ۱۰۳ ص ۸ بحوالہ ثواب الاعمال صدوق ص ۱۶۴ .... (اصل: ۱۰۷)

اور دیکھے کہ شریعت نے اس کے لئے کونسے احکام مقرر کئے ہیں۔

ایک روایت میں حضرت علیؑ کا قول نقل ہوا ہے:

"الفِقْهُ ثُمَّ الْمَتْجَرُ" (۱)

پہلے خدا کے حلال وحرام کا علم حاصل کرے اور یہ دیکھے کہ فقہ کے لحاظ سے کونسا کام حلال ہے اور کونسا حرام، اس کے بعد کسب وتجارت کرے۔

ایک روایت میں وارد ہوا ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَحَرِّفَ الأَمِینَ". (۲)

بیشک خداوند عالم صنعت حرفت جاننے والے کو دوست رکھتا ہے۔

چنانچہ میدان تجارت میں قدم رکھنے والوں کا یہ اہم ترین فریضہ ہے کہ سچائی اور درستی کو اپنائیں جناب رسولؐ کی ایک حدیث میں منقول ہے:

"مَنْ عَامَلَ النَّاسَ فَلَمْ یَظْلِمْهُمْ، وحَدَّثَهُمْ فَلَمْ یَكْذِبْهُم ووَعَدَهُم فَلَم یَخْلِفْهُم فَهُوَ مِمَّن كَمُلَتْ مُرُوَّتُه، ظَهَرَتْ عدالَتُهُ ووَجَبَتْ أُخوَّتُه وحَرُمَتْ غِیبَتُه".

جو شخص لوگوں کے ساتھ لین دین یا ان کے ساتھ معاشرت کرے اور کسی پر کسی قسم کا ظلم نہ کرے لوگوں سے گفتگو کرے لیکن جھوٹ نہ بولے، ان سے وعدہ کرے اور اس کے خلاف نہ کرے تو وہ مردانگی ومروت میں کامل ہو چکا ہے اور اس کی عدالت ثابت وآشکار ہوگئی ہے، انسان پر واجب ہے کہ اسے بھائی بنائے اس کی طرف اخوت وبرادری کا ہاتھ بڑھائے اور اس کا دینی بھائی بن

---

(۱) بحار الانوار ج ۱۰۳ ص ۱۱۷ قال امیر المومنینؑ: معاشر النّاس الفقه ثم المتجر و الله للربا في هذه الأُمّةِ اخفىٰ من دبیب النمل علىٰ الصفا.

(۲) بحار الانوار ج ۱۰۳ ص ۹۶ بحوالہ خصال صدوق ج ۲ ص ۴۱۳، قال امیر المومنینؑ تعرّضوا للتجارة فاِنّ فیها غنى لكم عما في أیدى النّاس و اِنّ اللّٰهَ یُحبُّ المُتحرّف الأمین.

جائے۔ واضح رہے کہ اس کی غیبت کرنا حرام ہے۔

مختصر یہ کہ انسان اپنے تمام کاموں مثلاً، تجارت لین دین یہاں تک کہ مباح امور کو بھی عبادت قرار دے سکتا ہے۔ کھانا کھانے کو بھی خدا کی عبادت قرار دے سکتا ہے (بشرطیکہ وہ حلال ہو حلال طریقہ سے حاصل ہوا ہو)، کھانے سے اس کا مقصد یہ ہو کہ وہ خدا کی عبادت کے لئے طاقت پیدا کرنے کے لئے کھانا کھا رہا ہے یا اگر سوتا ہے تو اس نیت کے ساتھ کہ نشاط و چستی کے ساتھ خدا کی عبادت کرے گا اس صورت میں اس کی زندگی، خدا کی بندگی قرار پائے گی۔

❁❁❁❁❁

# چوتھی تقریر

کائنات کے اجزاء کا باہم ارتباط اس بات کی دلیل ہے اس کائنات کا کوئی صانع ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

خدا کا کوئی شریک نہیں ہے۔
کائنات کے اجزاء کا باہم ارتباط وجودِ صانع کی دلیل ہے۔
خدا کی معرفت کا ایک فائدہ اس کی عبادت کرنا ہے۔

واعلَم يا بُنَيّ أنَّه لو كانَ لِرَبِّک شَرِيکٌ لأتَتک رُسُلَهُ، ولرأيتَ آثارَ مُلْکِهِ وسُلْطَانِهِ، وَ لَعَرفْتَ أفْعَالَهُ وصِفَاتَهُ، ولكِنَّهُ اللهُ واحدٌ كما وَصَفَ نَفْسَهُ، لا يُضادُّهُ في مُلْکِهِ أحَدٌ، ولا يزولُ ابداً و لَم يَزَلْ، اوّلٌ قَبْلَ الأشْياءِ بلا أوّليّةٍ، و آخِرٌ بَعْدَ الأشْياءِ بِلا نِهايةٍ، عَظُمَ عَنْ أنْ تَثْبُتَ رُبوبيّتُهُ باِحاطَةِ قَلْبٍ أو بَصَرٍ. (۱)

فرزند! یقین رکھو کہ اگر تمہارے پروردگار کا کوئی شریک ہوتا تو اس کے بھی رسول آتے اور اس کی مملکت وسلطنت کے آثار دکھائی دیتے اور اس کے افعال وصفات بھی معلوم ہوتے مگر وہ اکیلا خدا ہے جیسا کہ اس نے خود بیان کیا ہے۔

اس کے ملک میں کوئی بھی اس سے ٹکر نہیں لے سکتا، وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ بغیر کسی آغاز کے تمام چیزوں سے پہلے ہے اور بغیر کسی انتہائی حد کے ساری چیزوں کے بعد ہے وہ اس سے بہت بلند ہے کہ اس کی ربوبیت کا اثبات قلب یا نگاہ سے احاطہ میں آئے۔

مذکورہ بالا عبارت حضرت علیؑ کے اس وصیت نامہ کا اقتباس ہے جو آپؑ نے جنگ صفین سے واپسی پر

---

(۱) نہج البلاغہ، حکمت: ۳۱

اپنے بیٹے امام حسنؑ کے لئے لکھی تھی۔(۱)

بادی النظر میں یہ بات نہایت ہی سادہ معلوم ہوتی ہے حالانکہ بہت عمیق ہے اور خدا کے شریک کی نفی پر محکم استدلال ہے کیونکہ اگر انسان اس عالم ہستی کے بارے میں غور کرے تو معلوم ہوگا کہ سب کا مجموعہ ایک مشین کی مانند ہے کہ جس کے تمام پرزے مربوط ہیں اور اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ ان کا بنانے والا علم وحکمت کا مالک ہے مثلاً ہم ہوا سے مربوط ہیں اگر ہوا نہ ہو تو ہماری زندگی کا خاتمہ ہو جائیگا۔

ھر نفسی که فرو می رود ممد حیات است
و چون بیرون بر می آید مفرح ذات

پس در نفسی دو نعمت موجود است
و برهر نعمتی شکری واجب۔ (۲)

جو سانس اندر جاتی ہے وہ ممد حیات ہے اور جو باہر آتی ہے اس فرحت ملتی ہے۔
پس ہر سانس میں دو نعمتیں ہیں اور ہر نعمت کا ایک بار شکر ادا کرنا واجب ہے۔

حیوانات ونباتات بھی اس ہوا سے مربوط ہیں، اسی طرح پانی سے بھی زندگی کا تعلق ہے، پانی ہماری پیاس بجھاتا ہے۔ پھلوں اور کھانوں کا تعلق ہمارے ذائقہ سے ہے اور ان کے رنگوں کا تعلق ہماری بصارت ہے بلکہ تمام موجودات ہماری قوت باصرہ سے مربوط ہیں صرف ہم ہی پانی سے وابستہ نہیں ہیں کہ اگر نہ ملے تو ہم زندہ نہیں رہ سکیں گے، اسی طرح تمام حیوانات اور تمام موجودات بھی پانی سے وابستہ ہیں۔

(۱) بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہ وصیت نامہ جناب محمد حنفیہ کے لئے تھا لیکن صحیح قول یہ ہے کہ یہ امام حسنؑ ہی کے لئے تھا، اگر چہ اس کے بعض جملے امام حسنؑ کی شان کے مطابق نہیں ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ بظاہر امام حسن مخاطب ہیں حقیقت میں یہ تمام لوگوں کے لئے ہے جیسا کہ دیگر ائمہؑ نے اپنے بیٹوں کو مخاطب قرار دے کر لوگوں کو بہت سی چیزوں کی تعلیم دی ہے۔

(۲) کلیات سعدی، گلستان، دیباچہ

زمین کے تمام اجزاء بھی مربوط ہیں، اس کے علاوہ پوری زمین آسمان سے مربوط ہے مثلاً اگر آفتاب کی حرارت نہ ہوتو ہم زمین پر زندہ نہیں رہ سکتے، بلکہ تمام حیوانات اور نباتات بھی فنا ہو جاتے، نیز کرہ زمین دوسرے کروں سے بھی مربوط ہے اور شمسی نظام دوسرے شمسی نظاموں سے مرتبط ہے، یہ کہکشائیں اور نظام شمسی کہ جن کا ابھی تک انکشاف ہوا ہے وہ سبھی ایک دوسرے سے مرتبط ہیں، یعنی کائنات کی مثال ایک مشین کی سی ہے کہ جس کے مختلف پرزے ہوتے ہیں، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کائنات کے موجودات ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مشین ایک قانون ونظم کے ساتھ چل رہی ہے حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

"وَلٰکِنَّه اِلٰهٌ واحِدٌ".

لیکن اس کائنات کا پروردگار ایک ہی ہے۔

جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں اور جو بھی انبیاء نے بیان کیا ہے اس کا تعلق ایک خدا سے ہے اور جن چیزوں کو آپؐ آیتوں میں مشاہدہ کرتے ہیں وہ بھی ایک ہی ذات سے مربوط ہیں۔

یہ کائنات خود گواہی دے رہی ہے اس کا پیدا کرنے والا ایک ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ہم موجودات وممکنات میں غور کریں، ان پر ایک نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ ان کے پیدا کرنے والے نے ان میں ہر وہ چیز رکھ دی ہے جس کی انہیں ضرورت تھی مثلا اس نے مچھر کو پیدا کیا تو اس کے اندر ہر وہ چیز رکھ دی کہ جو اس کے لئے ضروری تھی۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ خدا نے ایک طرف تو مچھر کو ہر وہ چیز عطا کی جو اس کے لئے ضروری تھی اور دوسری طرف ہاتھی کو وہ چیز عطا کی جس کی اسے ضرورت تھی چنانچہ ان دونوں میں کوئی نقص نہیں ہے۔

زمین پر رینگنے والوں اور تمام جانداروں کا یہی حال ہے، دریائی جانوروں کو جس چیز کی ضرورت تھی انہیں اس سے محروم نہیں رکھا اور خشکی کے جانوروں کو ان کی ضرورت کی ہر چیز مرحمت فرمائی مثلاً اگر کوئی پالتو پرندہ دریا میں گر جائے تو زندہ نہیں رہے گا۔ لیکن بعض پرندے ایسے ہیں کہ وہ دریا میں بھی زندہ رہتے ہیں اور

خشکی میں بھی جیسے مرغابی، اس جانور کو خدا نے ہر وہ چیز عطا کی جس کی اسے ضرورت تھی۔

پس یہاں سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ چیونٹی کو بھی اسی نے پیدا کیا ہے جس نے تمام حیوانوں، مثلاً مور اونٹ اور ہاتھی کو پیدا کیا ہے اور ان کا خالق وہی خدا ہے جس نے انسان کو پیدا کیا ہے، سب یہی گواہی دیتے ہیں کہ خدا ایک ہے، اسی بنا پر امیر المومنینؑ نے فرمایا ہے:

یہ کائنات گواہ ہے کہ خدا کا کوئی شریک نہیں ہے۔ کسی نے آ کر یہ نہیں کہا کہ دوسرا خدا بھی ہے، دوسرے خدا کے اوصاف وافعال کا کہیں پتا نہیں ہے ہاں اس کائنات کی ہر چیز دوسری سے مربوط ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے کارخانے اور کسی مشین کے اجزاء ایک دوسرے سے متصل ہوتے ہیں۔ یہ ارتباط اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا پیدا کرنے والا ایک ہے اور وہ لامتناہی ہے۔

اے همه هستی زتو پیدا شده
خاك ضعیف از تو توانا شده

زیر نشین علمت کائنات
ما به تو قائم چو تو قائم بذات

هستیِ تو صورت پیوند نی
تو به کس و کس به تو مانند نی

ان چه تغیر نپذیرد تویی
و آن که نمرده است و نمیرد تویی

ما همه فانی و بقا بس تراست
ملك تعالیٰ و تقدس تراست (۱)

---

(۱) مخزن الاسرار، نظام گنجوی، مناجات اوّل در ریاست وقہر یزدان

پیش وجود همه آیندگان
پیش بقای همه پایندگان

کیست در این دستگه دیر پای
کاو لمن الملك زند جز خدای

به جبروتش که دو عالم کم است
اوّل ما و آخر ما یك دم است (۱)

اے وہ ذات جس کی قدرت سے یہ کائنات پیدا ہوئی ہے، یہ فرومایہ خاک تیرے سبب سے طاقتور ہوگئی ہے۔

ساری کائنات کا تعلق تیرے علم سے ہے، ہمارا وجود تجھ سے قائم ہے اور تو اپنی ہی ذات سے قائم ہے۔

تیری ہستی کی کوئی شکل نہیں ہے تو کسی سے اور کوئی تجھ سے مشابہ نہیں ہے۔

تیری ذات میں تغیر نہیں ہو سکتا تجھے نہ کبھی موت آئی ہے اور نہ آئیگی۔ ہم سب سے فانی ہیں صرف تو باقی ہے۔

سلطنت و بلندی اور تقدس تجھے ہی زیب دیتے ہیں۔

آنے والوں سے پہلے تیرا وجود ہے اور رہنے والوں سے کے بعد بھی تو باقی ہے۔ اس دنیا میں کوئی مدتوں رہتا ہے لیکن خدا کے علاوہ کون کہہ سکتا ہے کہ آج بادشاہت کس کی ہے؟ اس کے جبروت کے سامنے دو عالم کم ہیں، اور ہمارا اوّل و آخر ایک سانس ہے۔

اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں:

"ولکنّهُ اِلهٌ واحِدٌ کما وَصَفَ نَفْسَهُ".

لیکن وہ یکتا و یگانہ ہے جیسا کہ اس نے خود بیان کیا ہے۔

---

(۲) مخزن الاسرار نظامی گنجوای آغاز سخن

خداوند کریم نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اپنی وحدانیت و یگانگی کو بیان کیا ہے:

"الٰهكم اللهُ واحِدٌ لا اِلٰهَ الاّ هُوَ الرَّحمنُ الرَّحِيمُ". (۱)

تمہارا خدا ایک ہے اس رحمان رحیم کے علاوہ وئی خدا نہیں ہے (دنیا میں مومن و کافر سب پر مہربان ہے لیکن آخرت میں صرف مومنوں پر مہربان ہوگا)۔

اس کے بعد محکم طریقہ سے استدلال فرماتا ہے:

﴿إنّ في خَلْقِ السَّمٰواتِ و الأرضِ و اختلافِ اللّيلِ و النّهارِ و الْفُلْكِ الّتي تجري في البَحْرِ بما يَنْفَعُ النّاسَ و ما أنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السّماءِ مِنْ مَاءٍ فأحيا بهِ الأرْضَ بَعْدَ مَوْتِها وبثّ فِيها مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ و تَصْرِيفَ الرّياح والسّحابِ المُسَخَّرِ بَينَ السَّماءِ و الأرضِ لآياتٍ لِقَومٍ يَعْقِلُونَ﴾(۲)

بیشک زمین و آسمان کے پیدا کرنے، رات، دن کے آنے جانے اور دریا میں ان کشتیوں کے چلنے میں کہ جن کے ذریعہ لوگوں کو نفع پہنچتا ہے اور اس پانی میں جو خدا نے آسمان سے برسایا اور پھر اس کے وسیلہ سے مردہ ہو جانے کے بعد زمین کو زندہ کیا اور پھر اس میں ہر قسم کے چوپایوں کو چلایا اور ہواؤں کے چلنے میں اور اس بادل میں جو زمین و آسمان کے درمیان معلق ہے صاحبان عقل کے لئے نشانیاں ہیں۔

چشم بگشا بہ گلستان و ببین
جلوہ ی آب صاف در گل و خار
ز آب بی رنگ صد هزاران رنگ
لالہ و گل نگر در این گلزار

(۱) بقرہ: ۱۶۳

(۲) بقرہ: ۱۶۴

تـا بـه جـایـی رسـی کـه مـی نـرسـد
پـای اوهـام و پـایـه ی افـکـار
کـه یـکـی هـسـت و نیـسـت غیـر از او
وحـده لاٰ الٰـه الا هـو (۱)

آیۂ شریفہ میں ساری مخلوقات کا ذکر ہے اوران چیزوں میں خدا کی قدرت کی نشانیوں کو بیان کرنے کے بعد فرماتا ہے:

یہ ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

ان سب کو خدا نے مذکورہ آیت میں بیان کیا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے درمیان ایک ربط ہے اور کائنات کے وجود میں ایک ہی خالق ہے، اوران موجودات میں کوئی خلل ورخنہ نہیں ہے۔اس مشین کا مجموعہ خدا کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہے۔

جب آپ خدا کی معرفت حاصل کرلیں گے تب اس کی عبادت کر پائیں گے۔ پہلے انسان کو خدا کی معرفت ہونی چاہئے کیونکہ اگر معرفت نہ ہوگی تو وہ اس کی عبادت نہیں کرسکے گا، یہ علم ہی ہے جس کے ذریعہ انسان حلال وحرام کو پہچانتا ہے۔لہذا تحصیلِ علم کے لئے ثابت قدمی اور سنجیدگی کے ساتھ کوشش کرنا چاہئے اور دین کا جو علم حاصل کرچکے ہیں اس پر عمل کرنا چاہئے۔

رسولؐ سے ایک حدیث میں منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"اِنَّ اللّٰهَ تَعالیٰ وَضَعَ أرْبَعاً في أرْبَعٍ...و بَقاءَ الایمانِ في تَعْظِيمِ اللّٰهِ". (۲)

ایمان کی بقاء خدا کی عظمت کی معرفت حاصل کرنے میں ہے۔

انسان کو چاہئے کہ موجودات کے بارے میں غور وفکر کرے تا کہ اس کا ایمان باقی رہ سکے اور وہ خدا کی

(۲) دیوان ہاتف اصفہانی ترجیع بند

(۱) اثنیٰ عشریة فیما روته العامة من الأخبار النبوية، ان الله تعالیٰ وضع اربعاً فی اربعٍ: بركة الْعِلْمِ في تعظيم الاستاذ وبقاءَ الایمان في تعظيم الله و لذّة العيش في بِرِّ الوالدين و النجاة من النار في تركِ ايذاء الخلق.

کو پہچان سکے کیونکہ خدا کی عظمت و بزرگی کی معرفت اسی وقت ہوتی ہے جب وہ خدا کے سامنے ہر چیز کو چھوٹی سمجھتا ہے۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

"عِظَمُ الخَالِقِ عِندکَ يُصْغِّرُ الْمَخْلُوقَ في عَيْنِکَ". (۱)

جب تمہارے نزدیک خالق عظیم ہوگا تو پھر ساری مخلوق تمہاری نظر میں حقیر ہو جائیگی۔

رہ عقل جز پیچ پر پیچ نیست
برِ عارفان جز خدا هیچ نیست

توان گفتن این با حقایق شناس
ولی خرده گیرند اهل قیاس

که پس آسمان و زمین چیستند
بنی آدم و دام و دد کیستند؟

پسندیده پرسیدی ای هوشمند
بگویم گر آید جوابت پسند

که هامون و دریا و کوه و فلك
پری آدمیزاد و دیو و ملك

همه هر چه هستند از آن کمترند
که با هستیش نام هستی برند

عظیم است پیش تو دریا به موج
بلند است خورشید تابان به اوج

(۲) نہج البلاغہ حکمت ۱۲۹

ولی اهل صورت کجا پی برند
که ارباب معنی به ملی درند

که گر آفتاب است یك ذره نیست
و گر کوه و دریاست یك قطره نیست

چو سلطان عزت علم بر کشد
جهان سر به حبیب عدم در کشد( ۱)

راہ عقل پیچیدہ نہیں ہے، عارفوں کے لئے خدا کے علاوہ کچھ اور ہے ہی نہیں۔

یہ بات حقائق کی معرفت رکھنے والے ہی سے کہی جا سکتی ہے کیونکہ قیاس کرنے والے قیل وقال کرتے ہیں کہ پھر یہ آسمان وزمین کیا ہیں؟

اے عقلمند تم نے پسندیدہ چیز کے بارے میں سوال کیا ہے اگر تمہیں میرا جواب پسند آئے تو میں بتا تا ہوں۔

دریا پہاڑ اور آسمان، پری، آدمی، دیو اور فرشتے جو بھی ہو، سب اس سے نیچے ہیں ان کا وجود اسی کے وجود سے ہے، تم موجزن دریا کو بہت عظیم سمجھتے ہو اور آفتابِ درخشاں کو بلند خیال کرتے ہو، ظاہری صورت دیکھنے والے حقیقت تک کہاں پہنچ سکتے ہیں اس کو صاحبان علم ہی سمجھتے ہیں۔ آفتاب تو ایک ذرہ ہے اور دریا و پہاڑ ایک قطرہ کی مانند ہیں، جب عزت کا بادشاہ علم بلند کرے گا تو سارا جہاں آغوشِ عدم میں چلا جائیگا۔

---

(۱) کلیات سعدی بوستان ص ۲۰۵

# پانچویں تقریر

خدا کے صفات

خدا کے شایان شان نہ اس کی عبادت کی جاسکتی ہے اور نہ اس کا شکر ادا کیا جاسکتا ہے۔

خدا کی حمد اور حمد و مدح میں فرق

خدا کی نعمتوں کو شمار نہیں کیا جاسکتا

خدا کے شایان شان اس کی عبادت نہیں کی جاسکتی

خدا کی حقیقت کی معرفت محال ہے

ان آنکھوں سے خدا کا دیدار نہیں ہوسکتا

دل کی آنکھوں سے دیدار ہوسکتا ہے۔

اشیاء سے خدا کا قرب و بعد

خدا کا تکلم

خدا کا ارادہ

خدا سمیع و بصیر ہے

خدا رحیم ہے۔

ہمارے مولا حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ نہج البلاغہ کے پہلے خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

"الحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لا يَبْلُغُ مِدْحَتَهُ القائِلُونَ ولا يُحْصِي نَعْمَائَهُ العادُّونَ ولا يُؤَدّي حَقَّهُ الْمُجْتَهِدُونَ، الّذي لا يُدْرِكُهُ بُعْدُ الْهِمَمِ ولا يَنالُهُ غَوْصُ الْفِطَنِ". (۱)

ساری تعریف اس خدا سے مخصوص ہے کہ اگر تمام کہنے والے اس کی حمد وثنا کریں تو بھی اس کی حمد کا حق ادا نہیں کر سکتے اور اگر ساری دنیا کے گننے والے جمع ہو جائیں اور اس کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہیں تو شمار نہیں کر سکتے اور عبادت و بندگی میں تمام کوشش کرنے والے اس کی عبادت کا حق ادا نہیں کر سکتے بلند ہمتیں اسے پا نہیں سکتیں اور ذہین و زیرک لوگ دریائے فکر میں غوطہ زنی کر کے اس کی ذات تک پہنچ نہیں سکتے۔

بار خدا مهیمنی و مقدر

وز همه عیبی منزهی و مبرا

(۱) نہج البلاغہ خطبۂ اوّل

ما نہ توانیم حق حمد تو گفتن

با ہمہ کروبیان عالم بالا (۱)

اے نگہبان وتقدیر بنانے والے خدا تو ہر عیب ونقص مبرا ومنزہ ہے۔

ہم تیری حمد کا حق ادا نہیں کرسکتے بلکہ عالم بالا کے فرشتے بھی حق ادا نہیں کرسکتے۔

رسولؐ کے فرمودات میں سے یہ بھی ہے کہ آپؐ خدا کی بارگاہ میں عرض کیا کرتے تھے۔

"لا اُحْصِي ثَناءً عَلَيْکَ، أنْتَ کما أثْنَيْتَ علىٰ نَفْسِکَ". (۲)

معبود میں تیری ایسی حمد نہیں کرسکتا کہ جس کا تو اہل ہے تو ایسا ہی ہے کہ جیسی تو نے خود اپنی حمد کی ہے۔

بعض علماء نے حمد، مدح اور شکر کے فرق کو اس طرح بیان کیا ہے:

"الْحَمْدُ هو الثّناءُ بِالّلسان علىٰ الْجَمِيلِ الاختياريّ نعمةً کان او غيرها".

حمد اس ثنا وستائش کو کہتے ہیں جو اس نیک کام کو دیکھ کر کی جاتی ہے جو صاحب ختیار نے کیا ہو۔ اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ یہ نیکی وخوبی کوئی نعمت ہو یا غیر نعمت۔

اور شکر اس حمد وثنا کو کہتے ہیں جو اس نیک اور اچھے کام کے مقابل میں کی جاتی ہے جو کسی با اختیار سے صادر ہوا ہو جبکہ یہ کام نیک ہو۔

بنا برایں شکر نعمت کی وجہ سے کیا جاتا ہے لیکن حمد نعمت کے عوض میں بھی کی جاتی ہے اور اس کے علاوہ بھی خواہ نعمت مدنظر نہ ہو۔

---

(۱) کلیات سعدی غزلیات ص ۴۱

(۱) مصباح الشریعۃ الباب الخامس فی الذکر بحار الانوار ج ۹۷ ص ۳۲۸ بحوالہ کتاب الدروع، سید بن طاؤس، پانچویں اعمال میں نقل ہوئی ہے:: اللّهم إنّي أعوذُ برضاک من سخطک و بعافيتک من عقوبتک و بک منک لا احصي ثناء عليک انت کما اثنيت علىٰ نفسک۔

"الْمَدْحُ هُوَ الثناءُ بِالجميلِ اِختياراً كان او غير اختياري" (۱)

مدح ایسی ثناء کو کہتے ہیں کہ جو نیکی وخوبی کے مقابل کی جاتی ہے، خواہ یہ نیکی وخوبی اختیار سے ہوئی ہو یا بے اختیاری میں۔

مثلاً ہم کسی انسان کی بھی مدح کرتے ہیں۔ اور کبھی گل وریحان کی بھی لیکن گل وریحان کے لئے مدح نہیں کی جاتی کیونکہ ان کی خوشبو وخوبی ان کا اختیاری فعل نہیں ہے لیکن حمد نیکی وخوبی کے مقابل کی جاتی ہے خواہ وہ نیکی اختیار سے وجود میں آئی ہو خواہ غیر اختیار سے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ائمہ معصومین علیہم السّلام اور بعض شائستہ لوگوں کے لئے حمد ومدح دونوں استعمال ہوتے ہیں جبکہ گل وریحان کے لئے صرف حمد کا استعمال ہوتا ہے۔

"ولا يُحصي نَعْمائَهُ العادّونَ".

اگر دنیا کے سارے شمار کرنے والے جمع ہو جائیں اور اس کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہیں تو ہرگز نہیں کر سکتے۔

یہ ممکن نہیں ہے کہ بشر خدا کی نعمتوں کو شمار کر سکے چہ جائیکہ ان کا شکر ادا کرے۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿وانْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لا تُحْصُوهَا﴾ (۲)

اور اگر تم خدا کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو ہرگز نہیں کر سکتے (تم کسی طرح بھی انہیں شمار نہیں کر سکتے)۔

فضلِ خدای را کہ تواند شمار کرد

یا کیست ان کہ شکر یکی از ہزار کرد

---

(۱) حاشیہ، حاشیہ مولیٰ عبداللہ ص ۳

(۲) ابراہیم ۳۴، نحل ۱۸

آن صانع قدیم کہ بر فرش کاینا
چندین ہزار صورت الوان ، نگار کرد

بحر آفرید و بر و درختان و آدمی
خورشید و ماہ و انجم و لیل و نہار کرد

اجزای خاك مردہ بہ تاثیر آفتاب
بستان میوہ و چمن و لالہ زار کرد

ابر آب داد بیخ درختان تشنہ را
شاخ برہنہ پیرہن نو بہار کرد(۱)

فضل خدا کا انداز ہ کون لگا سکتا ہ یا ہزاروں نعمتوں میں کسی ایک کا شکر کون ادا کر سکتا ہے۔
اس قدیم صانع نے کائنات کے فرش پر رنگ و برنگی ہزاروں تصویریں بنائی ہیں۔
اس نے سمندر، بیابان، درخت اور آدمی، سورج، چاند، ستارے اور رات و دن کو خلق کیا۔
آفتاب کی تاثیر سے مردہ زمین کے اجزء کو پھلدار باغ اور چمن و لالہ زار بنا دیا، پیاسے درختوں کو بادل نے سیراب کر دیا اور بے برگ شاخوں کو نو بہار کا پیرہن دیا۔
مختصر یہ کہ بشر خدا کی نعمتوں کو شمار کرنے سے عاجز ہے چہ جائیکہ ان کا شکر ادا کرے۔

ہر نفسی کہ فرو می رود ممد حیات است و
چون بیرون بر می آید مفرح ذات،

پس در ہر نفسی دو نعمت موجود است و بر
ہر نعمتی شکری واجب۔ ( ۲)

---

(۱) کلیات سعدی مواعظ ص ۱۲۷

(۲) کلیات سعدی گلستان دیباچہ۔

جو سانس اندر جاتی ہے اس سے زندگی کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور جو خارج ہوتی ہے اس سے آرام ملتا ہے پس ہر سانس میں دو نعمتیں ہیں او ہر نعمت کا ایک بار شکر ادا کرنا واجب ہے۔

امام زین العابدینؑ مناجاتِ شاکرین میں خدا کی نعمتوں کو بیان کرنے کے بعد عرض پرداز ہیں:

فآلائُکَ جَمّةٌ ضَعُفَ لِساني عن اِحْصائِها، و نَعْمائُکَ کثیرةٌ قَصُرَ فَهْمِي عن اِدْراکِها فَضْلاً عَن اِستِقْصائِها، فَکَیْفَ لِي بِتَحْصِیلِ الشکْرِ، و شُکْرِي اِیّاکَ یَفْتَقِرُ اِلیٰ شُکْرٍ، فَکُلَّما قُلْتُ لَکَ الْحَمْدُ، وَجَبَ عَلَيَّ لِذلِکَ أنْ أقُولَ لَکَ الْحَمْدُ.(۱)

پروردگار تیری باطنی نعمتیں اتنی زیادہ ہیں کہ میں انہیں شمار نہیں کر سکتا اور تیری ظاہری نعمتیں بھی بے شمار ہیں میں انہیں درک نہیں کر سکتا،

چہ جائیکہ میں انہیں شمار کروں، پس میں کیسے ان کا شکر ادا کر سکتا ہوں؟ میں ہرگز تیرا شکر ادا نہیں کر سکتا اور اگر میں تیرا شکر ادا کرنے میں کامیاب بھی ہو جاؤں تو یہ بھی تیری ایک نعمت ہے کہ تو نے مجھے شکر ادا کرنے کی توفیق عطا کی ہے، لہذا مجھے پھر شکر ادا کرنا ہے۔

بشر خدا کی نعمتوں کو شمار کرنے سے عاجز ہے چہ جائیکہ اس کریم کی نعمتوں کا شکر ادا کرے۔

”ولا یؤدّي حَقَّهُ الْمُجْتَهِدُونَ“.

عبادت و بندگی میں جانفشانی کرنے والے اس کی عبادت کا حق ادا نہیں کر سکتے۔

رسولؐ فرماتے ہیں:

”ما عَرَفْناکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ وما عَبَدْناکَ حَقَّ عِبادَتِکَ“۔(۲)

---

(۱) مفاتیح الجنان، مناجات خمس عشر، مناجات ششم

(۲) عوالی اللئالی ج۴ ص۱۳۲ پر صرف پہلے جملہ کو بیان کیا ہے لیکن بحار الانوار ج۷۱ ص۲۳ مجلسی مرحوم نے روایت کی وضاحت کے لئے تحریر کیا: ولمّا کان الشکر بالجوارح التي هي من نعمه تعالیٰ و لا یتأتیٰ اِلّا بتوفیقه سبحانه فالشکر أیضاً نعمةٌ مِن نعمه و یوجب شکراً آخر فینتهي الیٰ الاِعْترافِ بِالعَجْزِ عَن الشُّکرِ فآخر مراتب الشُّکرِ الاعتراف بالعجز عنه کما

ہم نے تجھے اس طرح نہیں پہچانا جیسا کہ تیری معرفت کا حق تھا اور تیری عبادت اس طرح نہ کر سکے جیسا کہ تیری عبادت کا حق تھا۔(۱)

مشہور ہے کہ شیخ ابو علی سینا نے اس کو منظوم کیا ہے۔

اعتصامُ الوریٰ بمعرفتک
عجَزَ الواصفون عن صفتک
تُبْ علینا فانّنا بشرٌ
ما عرفناک حقَّ معرفتک

"الذي لا يُدْرِكه بُعْدُ الْهِمَمِ ولا يَنالُهُ غَوْصُ الْفِطَنْ".

جس کو بلند ہمتیں نہیں پا سکتیں اور ذہین و زیرک لوگوں کے افکار جس تک نہیں پہنچ سکتے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ مخلوق و بشر خالق کی حقیقت کو سمجھ جائے؟

کسی، کو آدمی را کرد بنیاد
ندام چه ای؟ هر چه هستی توئی(۲)

---

(پچھلے صفحہ کا باقی) أنّ آخر مراتب المعرفة و الثناء الاعتراف بالعجز عنهما و كذا العبادة كما قال سيد العابدين و الشاكرينؑ: لا احصي ثنائاً عليك انت كما أثنيتَ علىٰ نفسكِ و قال: ما عبدناك حقّ عبادتك وما عرفناك حقّ معرفتك۔

(۱) ملا محسن فیض کاشانی (دیوان اشعار، غزل شماره ی ۱۸۵، ای که سر می کشی ز خدمت دوست، گوید:

ما عبدناك گوی بین بی حد — صف زده بر در عبادت دوست
ما عرفناك گو نگر بی عد — و اله کبریا و رفعت دوست

و اقبال لاهوری (ارمغان حجاز، قطعات) گوید:

خدا اندر قیاس ما نگنجد — شناس آن را که گوید ما عرفناك

و هلالی جغتایی (صفات العاشقین، در نعت حضرت سید کائنات و مفخر موجودات علیه افضل الصلوات) گوید:

دلش از معرفت بر اوج افلاك — زبانش در مقام ما عرفناك

(۲) جامی- گزیدہ ہفت رنگ سر آغاز- کہتے ہیں: نہ تنہا بلندی و پستی تو ی- کہ ہستی دہ و ہست و ہستی تو ی نظامی- شرف نامہ بہ نام یزد بخشائندہ- کہتے ہیں: پناہ بلندی و پستی تو ی- ہمہ نیست... آنچہ ہستی تو ی۔

کوئی چیز بھی خدا کے مثل نہیں ہے اور جب خدا کی مانند اور شبیہ کوئی چیز نہیں ہے تو اس کی حقیقت بھی قابل ادراک نہیں ہے۔

قرآن فرماتا ہے:

﴿لَیْسَ کَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ (۱)

اس کے مثل کوئی چیز نہیں ہے۔

جس طرح خدا کی حقیقت کو نہیں پہچانا جا سکتا، اس کو ظاہری آنکھوں سے نہ دینا میں دیکھا جا سکتا ہے اور نہ آخرت میں یہاں تک کہ انبیاء و اوصیاء بھی اسے ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے کیونکہ اس کی ذات ایسی حقیقت نہیں ہے کہ جس کا مشاہدہ ظاہری آنکھیں کر سکیں۔

بـــه بیـــنـــد گـــانِ آفـــریـــنـــنـــده را

نبیـــنـــی مـــرجـــان دو بیـــنـــنـــده را۔ (۲)

حضرت موسیٰ خدا کے وعدہ کے مطابق خدا سے مناجات کے لئے میقات گئے تھے اور اپنے ساتھ بنی اسرائیل میں سے ستر آدمیوں کو لے گئے تھے، اس واقعہ کو قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے:

﴿واختارَ مُوسیٰ قَوْمَهُ سَبْعِینَ رَجُلاً لِمِیقَاتِنَا﴾ (۳)

اور جب موسیٰ نے خدا سے مناجات کے لئے میقات جانے کا ارادہ کیا تو بنی اسرائیل میں سے میقات لے جانے کے لئے ستر آدمیوں کو منتخب کیا۔

جب خدا نے حضرت موسیٰؑ سے کلام کیا تو ان لوگوں نے کہا:

﴿لَنْ نُوْمِنَ لَکَ حَتّیٰ نَرَی اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ (۴)

---

(۱) شوریٰ: ۱۱

(۲) شاہنامہ فردوسی، سرآغاز کتاب

(۳) اعراف: ۱۵۵

(۴) بقرہ: ۵۵

ہم آپ پر اس وقت ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ خدا کو آشکارا طور پر نہیں دیکھ لیں گے۔

لہذا۔ اکثر مفسرین کے بقول۔ حضرت موسیٰؑ نے بھی بارگاہ خدا میں عرض کی:

﴿رَبِّ أرِني أنْظُرْ اِلَيْکَ قال لَنْ تَراني وَلٰكِن انْظُر اِلیٰ الْجَبَلِ فاِنِ اِسْتَقَرَّ مَكانَهُ فَسَوفَ تَراني فَلَمّا تَجَلّیٰ رَبُّه لِلجَبَل جَعَلَهُ دَكّاً وَخَرَّ مُوسَیٰ صَعِقاً فَلَمّا أفاقَ قال سُبْحانَکَ تُبْتُ اِلَيْکَ واَنا أوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (۱)

پروردگار مجھے اپنا جلوہ دکھا دے ارشاد ہوا کہ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے ہاں پہاڑ کی طرف دیکھو اگر وہ اپنی جگہ قائم رہ گیا تو پھر مجھے دیکھ سکتے ہو اس کے بعد جب پہاڑ پر پروردگار کی تجلی ہوئی تو وہ چور چور ہو گیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے پھر جب انہیں افاقہ ہوا تو کہنے لگے پروردگارا تو پاک و پاکیزہ ہے، میں تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جناب موسیٰ نے یہ کیسے کہہ دیا کہ میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں حالانکہ ان سے پہلے بہت سے مومنین گذر چکے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے: موسیٰؑ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دیدار کے تقاضے کے بعد میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں، مجھے یقین ہے کہ ظاہری آنکھوں سے تیرا دیدار ہرگز نہیں ہوگا۔

یہ تھا اکثر مفسرین نے کا نظریہ لیکن علامہ طباطبائیؒ جناب موسیٰؑ کے اس قول:

﴿رَبِّ أرِني أنْظُرْ اِلَيْکَ﴾

کے بارے میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

---

(۱) اعراف ۱۴۳/

جناب موسیٰؑ کا مقصد ظاہری دیدار نہیں تھا بلکہ آپ کی مراد باطنی جلوہ تھا وہی قلبی دیدار جو کہ مرنے کے بعد انسان کو نصیب ہوتا ہے، حجاب اور پردے اٹھ جاتے ہیں اس وقت انسان اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ تمام چیزوں کو دیکھتا ہے حضرت موسیٰؑ نے خدا سے یہی درخواست کی تھی کہ جس طرح آخرت میں دل کی آنکھوں سے تیرا دیدار ہوتا ہے اسی طرح مجھے دنیا میں عطا کردے۔

یہ مفہوم جناب ابراہیمؑ کی اس دعا سے ملتا جلتا ہے:

﴿رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتَىٰ﴾(۱)

پروردگار مجھے دکھادے کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟

ندا آئی:

﴿أَوَلَم تُؤْمِنْ قَالَ بَلىٰ ولكنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي﴾(۲)

کیا تم ابھی ایمان نہیں لائے؟ عرض کی: میں نے اطمینان قلب کے لئے یہ تقاضا کیا ہے۔

جناب موسیٰؑ نے بھی ایسی ہی درخواست کی تھی وہ قلب کی آنکھوں سے اسی دنیا میں خدا کا دیدار کرنا چاہتے تھے جو کہ مرنے کے بعد ہوتا ہے۔ وہ یہیں باطنی دیدار کرنا چاہتے تھے۔(۳)

اگر جناب موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کے مطالبہ کے مطابق دیدار کی درخواست نہیں کی تھی بلکہ باطنی طور پر حق کا دیدار چاہتے تھے تو اس سے ہم حضرت علیؑ بن ابی طالب کے بلند مرتبہ کا اندازہ لگا سکتے ہیں، آپؑ فرماتے تھے:

"لَوْ كُشِفَ الغِطاءُ ما ازدَدْتُ يَقِيناً".

---

(۱) بقرہ/۲۶۰

(۲) بقرہ ۲۶۰

(۳) المیزان ج۸ ص ۲۴۸ تا ص ۲۵۵

اگر پردے اٹھالئے جائیں تو بھی میرے یقین میں اضافہ نہیں ہوگا۔(۱)

یعنی جو یقین انسان کو مرنے کے بعد اور پردے اٹھ جانے کے بعد حاصل ہوتا ہے وہ جناب امیر المومنینؑ کو اسی دنیا میں حاصل تھا۔ اب اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے حضرت موسیٰؑ سے جناب امیرؑ کا مرتبہ کتنا بلند ہے۔

بہرحال خدا کے دیدار کا مسئلہ بہت اہم ہے اس سلسلہ میں بہت سی آیتیں اور بکثرت روایتیں موجود ہیں۔

مثلاً ذعلب یمانی نے حضرت علیؑ کی خدمت میں عرض کی:

"هَلْ رَأيتَ رَبَّکَ يَا أميرَ الْمؤمِنينَ ؟ فقال: أفأعْبُدُ ما لا أرىٰ؟. فقال : كَيْفَ تَراهُ؟ ". (۲)

اے امیر المومنینؑ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ آپؑ نے فرمایا: کیا میں اس خدا کی عبادت کرتا ہوں جس کو میں نے نہیں دیکھا؟! اس نے عرض کیا: اے امیر المومنین تو آپؑ نے اپنے خدا کو کیسے دیکھا ہے؟!

آپ نے فرمایا:

"لا تُدْرِكُهُ العُيونُ بمشاهَدَةِ العَيانِ ولكنْ تُدْرِكُهُ القُلُوبُ بحقائِقِ الايمان".

(۱) بحار الانوار ج ۸۷ص ۳۰۴، تذکرۃ الخواص، مناقب ابن شہر آشوب ج ۲ص ۳۸: کنانی نے روایت کی ہے کہ انہوں نے سنا حضرت علیؑ فرماتے ہیں میں تبلیغ رسالت، بلند مقامات وتمام کلمات کا علم رکھتا ہوں، میرے سینہ میں سارا علم جمع ہے اے کاش کوئی اس کا لینے والا ہوتا، اگر پردے اٹھالئے جائیں تو بھی میرے یقین میں اضافہ نہیں ہوگا۔ ارشاد القلوب ج ۱ص ۱۲۴ غرر الحکم اور کشف الغمہ ج ۱ص ۱۷۰ پر اس طرح تحریر ہے و اعلم انّ انواع العبادة كثيرة و هي متوقفة علىٰ قوة اليقين بالله تعالىٰ و ما عنده و ما أعدّه لأوليائه في دار الجزاء و علىٰ شدة الخوف من الله تعالىٰ وأليم عقابه نعوذ بالله و على القائل: لو كشف الغطاء ما ازددت يقيناً، فشدّة يقينه دالّة علىٰ قوة دينه و رجاحة موازينه و قد تظاهرت الروايات، انّه لم يكن نوع من أنواع العبادة و الزهد و الورع اِلّا حظه منه و افر الاقسام و نصيبه منه تام بل زائد على التمام۔

(۲) نہج البلاغہ خطبہ ۱۷۹

آنکھیں اس کو ظاہر بظاہر نہیں دیکھ سکتیں لیکن ایمان کی حقیقتوں کے ساتھ اس پاک ذات کا ادراک کیا جاسکتا ہے۔

چشم دل باز کن که جان بینی
آنچه نادیدنی است آن بینی

آن چه بینی دلت همان خواهد
آن چه خواهد دلت همان بینی

از مضیق جهات در گذری
وسعت ملك لا مكان بینی

تا به جایی رساندت که یکی
از جهان و جهانیان بینی

با یکی مهر ورز از دل و جان
تا به عین الیقین عیان بینی

که یکی هست و هیچ نیست جز او
وحده لا اله الا هو(۱)

دل کی آنکھیں کھولو تاکہ روح و جان ہستی کو دیکھ سکو۔جس کو دیکھا نہیں جا سکتا اس کو دیکھ سکو۔تم وہی دیکھو گے تمہارا دل اس کا طلبگار ہے اور اسی کا دیدار کرو گے جس کو دیکھنے کے لئے تمہارا دل تڑپتا ہے۔جس کو دل چاہتا ہے اسی کو دیکھو گے۔

سمتوں اور حدود کی تنگنائیوں سے گذر جاؤ تاکہ لامکان۔خدا۔کے ملک کی وسعتوں کو دیکھ لو۔

خود کو اس جگہ پر پہنچاؤ جہاں تم ایک دوسرے عالم اور اس کے باشندوں کو مشاہدہ کرو۔صرف ایک سے

(۱) دیوان ہاتف اصفہانی ترجیع بند

دل و جان کے ساتھ محبت کرو تا کہ عین الیقین کے ساتھ اس کو آشکار دیکھ سکو۔

فقط ایک وہی ہے اور اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے، وہ واحد ہے اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے۔

درج ذیل آیت سے:

"وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ اِلیٰ رَبِّها نَاظِرَةٌ". (۱)

''روزِ قیامت کچھ چہرے بشاش وشاداب ہونگے اور اپنے پروردگار کی طرف نظر جمائے ہونگے۔''

خدا کا دیدار آنکھوں سے نہیں بلکہ ائمہ معصومینؑ کی روایتوں کے مطابق دل کی آنکھوں سے ہوگا سید مرتضیٰ نے بھی اپنی کتاب "المحکم و المتشابہ" میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ روزِ قیامت اس طرح پردے ہٹ جائیں گے کہ انسان کو خدا کے وجود کا پورا یقین ہو جائیگا۔

"قَرِيبٌ مِنْ الأَشْيَاءِ غَيْرَ مُلابسٍ بَعيدٌ مِنها غَيْرَ مُبايِنٍ".

خداوند عالم اشیاء سے قریب ہے لیکن ان سے متصل نہیں ہے (اس کا علم وقدرت ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے) وہ ہر چیز سے دور ہے لیکن اس سے جدا نہیں ہے۔

نیک پیدا و سخت مستوری

خویش و بیگانہ چون در آینہ مهر

"مُتَكَلِّمٌ لا بِرَوِيَّةٍ".

خداوند عالم متکلم ہے لیکن زبان وفکر کے ساتھ نہیں۔

خدا متکلم ہے، جناب موسیٰؑ سے ہمکلام ہوتا تھا۔ شبِ معراج رسولؐ سے ہمکلام ہوا، لیکن اس کا کلام زبان سے نہیں ہوتا نہ اسے کلام کرنے میں غور وفکر کی ضرورت ہوتی ہے، آپؑ کے بیان کا مطلب یہ ہے کہ

---

(۱) سورہ قیامہ/۲۲و۲۳

خدا کا کلام غور وفکر کا محتاج نہیں ہے بلکہ وہ کن کے ذریعہ چیزوں میں کلام پیدا کرتا ہے۔

خدا کے متکلم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ کلام کو پیدا کرتا ہے، قرآن بھی خدا کا کلام ہے۔ خدا نے اسے پیدا کیا ہے لہذا وہ اس کی مخلوق ہے۔ ہاں اس کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ خدا کے حکم سے وجود میں آیا ہے اور حضرت محمد مصطفیؐ کے قلب پر اترا ہے۔

''مُرِيدٌ لا بِهِمَّةٍ''

خداوند عالم اشیاء کو خلق کرنے کا ارادہ کرتا ہے لیکن ہماری طرح نہیں کہ پہلے اس کے بارے میں غور وفکر کرتے ہیں اور جب قطعی فیصلہ کر لیتے ہیں تب اسے انجام دیتے ہیں۔

خدا تمام چیزوں کو ''کن'' کے ذریعہ پیدا کرتا ہے۔

﴿انّما أمْرُهُ اِذا أرادَ شَيْئاً أنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ (۱)

خدا کا امر تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو وجود میں لانا چاہتا ہے تو فرماتا ہے۔ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے

''صانِعٌ لا بِجارِحَةٍ، لَطيفٌ لا يوصَفُ بالخَفاءِ، كبيرٌ لا يوصَفُ بالجَفاءِ، بصيرٌ لا يوصَفُ بالحاسَّةِ''.

کائنات اور اس کی تمام چیزوں کو خدا نے ہی پیدا کیا ہے لیکن اعضاء و جوارح کی مدد سے نہیں، وہ نہایت ہی باریکی ولطافت کے ساتھ امور کو انجام دیتا ہے لیکن اسے پوشیدہ نہیں کہا جا سکتا۔ وہ بڑا ہے مگر اسے ظلم سے متصف نہیں کیا جا سکتا وہ ہر چیز کو دیکھتا ہے لیکن اسے آنکھ یا دوسرے حواس سے متصف نہیں کیا جا سکتا۔

وہ ان تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے جو دید کے قابل ہیں، اسی طرح وہ سمیع۔ سننے والا۔ بھی ہے۔ مگر ہماری طرح کان سے نہیں سنتا ہے بلکہ وہ تمام دیکھی جانے والی اور تمام سنی جانے والی چیزوں کا علم رکھتا ہے۔

---

(۱) یس: ۸۲

بنا برایں خدا کے سمیع و بصیر ہونے کا تعلق اس کے صفات ذات سے ہے، جیسا کہ علم کا تعلق اس کی ذات سے ہے۔

تکلم کا تعلق اس کے صفات فعل سے ہے، وہ کلام کو پیدا کرتا ہے، لیکن سنی جانے والی اور دیکھے جانے والی چیزوں کا علم رکھتا ہے، اس کا تعلق خدا کے علم سے ہے۔

"رَحیمٌ لا یوصَفُ بالرِقّةِ".

خدا مہربان ہے لیکن ہماری طرح دل کی رقت و نرمی کے ساتھ نہیں بلکہ اس کے مہربان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ مخلوق کو بخشش و انعام سے سرفراز کرتا ہے۔

"تَعْنوا الوُجوهُ لِعَظَمَتِهِ".

اس کی عظمت کے سبب چہرے - سر - جھکے ہوئے ہیں۔

"وتَجِبُ القُلُوبُ مِنْ مِخافَتِهِ".

اس کے خوف سے دل لرزاں رہے ہیں۔

# چھٹی تقریر

آفاق وانفس کی آیتوں سے خدا کی معرفت اور یہ کہ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

خدا کے لئے خالص ہونے کے معنی۔

خدا کے صفات کی کیفیت

آفاق وانفس کی آیتوں سے خدا کی معرفت

رنگوں کا اختلاف خدا کے وجود کی دلیل ہے۔

خدا سے صرف علماء ڈرتے ہیں۔

"أوّلُ الدّينِ مَعْرِفَتُهُ و كَمَالُ معْرِفَتِهِ التَصْديقُ بِهِ و كَمَالُ التَّصْدِيقِ بِهِ تَوْحِيدُهُ وكَمَالُ تَوْحِيدِهِ الاِخْلاصُ لَهُ و كَمَالُ الاِخْلاصِ لَهُ نَفْيُ الصِّفَاتِ عَنْهُ فَمَنْ وَصفَ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ فقدْ قَرَنَهُ ومَنْ قَرَنَهُ فَقَدْ ثَنَّاهُ ومَنْ ثَنَّاهُ فَقَدْ جَزَّأهُ ومَنْ جَزّأهُ فَقَدْ جَهِلَهُ". (۱)

دین کی ابتداء معرفتِ خدا سے ہوتی ہے جیسا کہ جناب امیر المومنینؑ نے فرمایا ہے:

دین کا سر آغاز خدا کی معرفت ہے اور اس کی معرفت کا کمال، اس کی تصدیق ہے اور اس کی تصدیق کا کمال توحید ہے اور اس کی توحید کا کمال، اخلاص ہے۔

اخلاص کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں:

۱۔ اخلاص کے مشہور معنی یہ ہیں کہ عمل کو خدا کے لئے خالص کیا جائے یعنی جب انسان موحد ہو جاتا ہے تو اس کی عبادت میں مشغول ہوتا ہے اور جب اس کی عبادت کرتا ہے تو اسے چاہئے کہ صرف خدا کی عبادت کرے اپنی عبادت کو خالص خدا کے لئے قرار دے۔

۲۔ اخلاص کے دوسرے معنی وہی ہیں جو ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں تحریر کئے ہیں: اخلاص یعنی خدا کو خالص و بسیط جاننا اور جو کہا ہے کہ توحید کا کمال اخلاص ہے تو اس کے معنی یہ ہیں

(۱) نہج البلاغہ خطبۂ اوّل

کہ خداوند تعالیٰ بسیط ہے اوراس کے علاوہ ہر چیز مرکب ہے۔(۱)

مختصر یہ کہ خواہ اخلاص کے معنی خدا کے لئے عمل کو خالص کرنا ہو خواہ اسے بسیط جاننا ہو۔اس کے تمام کا کمال یہ ہے کہ اس سے صفات کی نفی کریں، یعنی موجودات میں جو صفات ہیں ان کی نسبت خدا کی طرف نہ دی جائے۔مثلاً زید قادر و عالم ہے، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک زمانہ میں زید قادر و عالم نہیں تھا، بعد میں قادر ہوا، درحقیقت علمِ زید کا زید کے ساتھ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ دو چیزیں ہیں۔ ہر صفت کو جب زید کے ساتھ دیکھیں گے تو وہ مرکب نظر آئیگا۔لیکن خدا کے صفات کی یہ کیفیت نہیں ہے بلکہ خدا ہمیشہ سے ہے اس صفات بھی ہمیشہ سے ہیں اور خدا ہمیشہ رہے گا اوراس کے صفات بھی ہمیشہ رہیں گے۔اس کے صفاتِ کمال اس کی عین ذات ہیں، اس سے جدا نہیں ہیں، اس کی ذات عینِ قدرت وعلم وحیات ہے پس جو شخص خدا کے صفات کو مخلوق جیسے صفات سمجھتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ خدا کے صفات اس کی ذات کے علاوہ ہیں (یعنی اس کے صفات زائد بر ذات ہیں) وہ خدا کو دوسری چیز سے متصل ومقرون کرتا ہے اور جو خدا کو دوسری چیز سے متصل کرتا ہے وہ خدا کے جزء قرار دیتا ہے اور جس نے خدا کے جزء قرار دیئے وہ اس کی معرفت سے بے خبر رہا۔

بنابرایں اس کے صفات زائد بر ذات نہیں ہیں بلکہ حق تعالیٰ کے صفات اس کے عین ذات ہیں۔

پس انسان پر سب سے پہلے خدا کی معرفت واجب ہے۔اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا کو ہم کس طرح پہچانیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ خدا کی معرفت کا بہترین طریقہ آفاق وانفس کی آیات ونشانیاں ہیں وہی

(۱) شرح نہج البلاغہ ج ۱ ص ۳۷ لیکن یہاں اخلاص کے معنی ہیں اس سے جسم وعرض اوراس کے لوازم کی نفی کرنا اس لئے جسم مرکب ہے اور ہر مرکب ممکن ہے اور وہ واجب الوجود ہے ممکن نہیں ہے اور عرض واجب کا محتاج ہوتا ہے اور واجب الوجود کسی کا محتاج نہیں ہے پس واجب الوجود عرض نہیں ہے اور ہر جرثومہ محدث ہوتا ہے اور واجب الوجود محدث نہیں ہے پس واجب الوجود نہ جرثومہ ہے نہ عرض: نہ وہ کسی سمت میں ہے پس جو شخص خدا کی وحدانیت کی معرفت رکھتا ہے اوران امور سے نابلد ہے اس کا توحید کا عقیدہ ناقص ہے اور جس نے اس کی وحدانیت کی معرفت کے بعد ان امور کا علم بھی حاصل کرلیا وہ خدا کی معرفت میں مخلص ہے اوراس کی معرفت کامل ہے۔

نشانیاں جوزمین و آسمان میں موجود ہیں، وہی عجیب وغریب آیتیں جو کائنات میں سب پر آشکار ہیں۔

''و فـــي كُـــلِّ شَـــيءٍ لَـــهُ آيَةٌ

تَـدُلُّ عـلـىٰ انَّـــهُ الـواحِـدُ (۱)

ہر چیز میں ایک نشانی موجود ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ خدا ایک ہے۔

در هـر چـه بـنـگـرم کـو پـدیـدار بـوده ای

ای نـانـمـوده رخ تـو چـه بسیـار بـوده ای (۲)

میں جس چیز کو بھی دیکھتا ہوں اس میں تیرا ہی جلوہ ہے اے رخ سے نقاب نہ اٹھانے والے تو ہر جگہ نظر آتا ہے۔

جو آیتیں خدا کی قدرت کو بیان کرتی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے:

﴿ألَمْ تَرَ أنَّ اللّٰهَ أنْزَلَ مِنَ السَّماءِ مَاءٍ فأخْرَجْنا بِهِ ثَمَراتٍ مُخْتَلِفاً ألْوانُها﴾ (۳)

---

(۱) بحار الانوار ج ۸۱ ص ۱۸۴، ج ۸۶ ص ۲۶۵ ، تفسیر قمی ج ۲ ص ۲۶۷، ج ۲ ص ۳۳۰، عدۃ الداعی ص ۳۲۱، مصباح کفعمی ص ۳۳۱، شرح نہج البلاغہ ج ۳ ص ۳۳۸ ج ۶ ص ۴۱۲، المقام الاسنیٰ ص ۵۸، دیوان ابی العتاہیہ، حرف الدال ۹۲۔ روایت ہے کہ وہ کتاب فروش کی دوکان پر بیٹھا تھا اس نے ایک کتاب اٹھائی اور فی البدیہہ اس کی پشت پر یہ اشعار لکھے۔

ألا اِنَّـــنا كلُّنا بائِدُ — و أيُ بَنِـــي آدمٍ خالِدٌ

و بَدْؤهُمْ كانَ مِـــنْ رَبِّهِمْ — و كلٌّ اِلىٰ رَبِّـــهِ عائِدُ

فيا عَجَباً كَيْفَ يُعْصَىٰ الاِلٰـهُ — أمْ كَيْفَ يَجْحَدُهُ الجَـاحِدُ

و لِلّٰهِ في كُلِّ تَحْرِيـــكَةٍ — و في كُلِّ تَسكِينةٍ شَـاهِـدُ

و في كلِّ شيءٍ لَهُ آيـــةٌ — تَدُلُّ علىٰ أنَّهُ الواحِـــدُ

پھر وہاں سے واپس آ گیا کچھ دیر بعد ادھر سے ابونواس کا گذر ہوا، اس نے وہ اشعار دیکھے معلوم کیا: یہ اشعار کس کے ہیں؟ بتایا گیا ابو العتاہیہ کے ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ وہ میرے تمام اشعار کے بدلے یہ اشعار مجھے دیدے۔

(۲) جام جم اوحدی مراغا ای غزل نمبر ۵۷

(۳) فاطر: ۲۷

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے آسمان سے پانی نازل کیا اور پھر اپنی قدرتِ کاملہ سے مختلف رنگ کے درختوں، پھلوں کو وجود بخشا۔

الوان کے ایک معنی پھلوں کی قسم اور انواع کے ہیں یعنی ہم نے مختلف قسم کے بے شمار پھل پیدا کئے ہیں اور ان انواع میں سے ہر ایک کی الگ الگ قسمیں ہیں، انگور کی کئی قسمیں ہیں، اسی طرح خرمہ، سیب اور دوسرے پھلوں کی بھی متعدد قسمیں ہیں۔

(ثَمراتٍ مُخْتَلِفاً ألوانُها)۔ پھلوں کی انواع واقسام

الوانھا کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ ان کے ظاہری رنگ مختلف ہیں، دیکھئے تو ان پھلوں کے کتنے مختلف رنگ ہیں، حالانکہ یہ سب ایک ہی پانی، ایک ہی ہوا اور ایک ہی زمین سے وجود میں آئے ہیں اس کے باوجود ان کے رنگ جدا جدا ہیں اس کے علاوہ ان کے مزے بھی الگ الگ ہیں ان کی بو بھی مختلف ہے۔

یہ سب خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے انہیں نعمتوں میں غور کر کے انسان دل کی آنکھوں سے ذاتِ خدا کو مشاہدہ کرسکتا ہے۔

خدا تو آشکار اور اپنے اس آشکار ہونے ہی کی بنا پر مخفی ہے۔

یَــا مَــنْ هُــوَ اخْتَـفـىٰ لِـفَـرْطِ نُـورِه

الــظــاهِــرُ البــاطِـنُ فـي ظُهُـورِهِ (۱)

اے وہ خدا جو اپنے نور کی شدت سے مخفی ہے تو اپنے ظہور میں ظاہر بھی باطن۔

ایک فارسی شاعر کہتا ہے:

شــمــع جــوی و آفتــاب بــلــنــد

روز بــســس روشــن و در شــب تــار

گــر ز ظــلــمــات خــود رهــی، بیـنـی

(۱) منظومہ حاج مولیٰ ہادی سبزواری

همـــــه عــــالــم مشــــارق الانــوار

کـــور وش قـــایـــد و عـــصـــا طـلبـی

بهــــــر ایـــــن راه روشـــــن و هـــمـــوار

چشــم بــگشـــا بــــه گـلستـــان و ببیـن

جـلـــوه ی آب صـــاف در گــل و خـــار

ز آب بـــــی رنگ صـــد هـــــزاران رنگ

لالـــــه و گـــل نـــگـــر در آن گـــلـــزار

تـــا بـــه جـــایـــی رسـی کـــه مـی نـرسد

پـــای اوهـــام و پـــایـــه ی افـکـــار

کـــه یـکـی هسـت و هیـچ نیست جز او

وحـــــده لا الـــــــه الا هـــــو۔(۱)

آفتاب کی اس کثیر نور پاشی میں تم شمع ڈھونڈ رہے ہو، دن پورے طریقہ سے روشن ہے اور تم ابھی تک اندھیری رات میں ہو اگر تم اپنی تاریکیوں سے نجات پا جاؤ تو سارا جہاں روشن و درخشاں ہے۔ اس روشن راستہ کے لئے اندھے، راہنما اور عصا ڈھونڈ ھ رہے ہو، آنکھیں کھولو چمنستان کو دیکھو اور خار و گل میں صاف پانی کا کرشمہ اور جلوہ دیکھو، بے رنگ پانی میں ہزاروں رنگ ہیں، اس گلستاں میں لالہ وگل کو دیکھو تا کہ اس طرح تم اس مقام پر پہنچ جاؤ جہاں تک خیالات وافکار کا پرندہ بھی پر نہ مار سکے۔ وہ ایک ہے اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے، ایک ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔

”و مِنَ الجبالِ جُدَدٌ بیضٌ و حُمْرٌ مُخْتَلِفٌ ألوانُها و غرابیبُ سُودٌ “(۲)

پہاڑوں اور ذروں کو دیکھو مختلف رنگوں کو دیکھو سفید، سرخ اور سیاہ نہایت ہی شدید ہیں ان سب

---

(۱) دیوان ہاتف اصفہانی۔ ترجیع بند (۳) فاطر: ۲۸

میں تم خدا کی قدرت کی نشانی دیکھو گے۔

﴿و مِنَ النّاسِ و الدَّوابِّ و الأنْعامِ مُخْتَلِفٌ ألوانُهُ كَذالِكَ﴾ (۱)

اسی طرح زمین پر رینگنے والوں اور چوپایوں کے بھی مختلف رنگ ہیں۔

جب آپ لوگوں کو دیکھیں گے تو یہی رنگ اور نسل کا فرق ان میں بھی مشاہدہ کریں گے۔

ان میں سے دو بھی یکساں نہیں ہیں، یہ شبہ نہیں ہوتا کہ یہ وہی ہے، یہی حال روئے زمین پر بسنے والے انسانوں کا ہے یہ اس کی قدرت کا کرشمہ ہے، لیکن اگر ہم ان رنگوں اور ان نشانیوں میں رہتے ہوئے ان کی طرف توجہ نہ کریں، ان تمام چیزوں کے ہوتے ہوئے، تو خدا کی معرفت نہیں حاصل ہوگی وہ کہتے ہیں: کہاں ہے خدا؟! حالانکہ ہم دل کی آنکھوں سے ہر چیز میں خدا کو دیکھتے ہیں، سر کی آنکھوں سے نہیں۔ اس سلسلہ میں علماء ایک مثال دیتے ہیں:

ایک مرتبہ مچھلیاں جمع ہوئیں اور کہنے لگیں ہم نے بارہا پانی کا قصہ سنا ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ ہم پانی کے طفیل میں زندہ ہیں لیکن ابھی تک ہم نے پانی نہیں دیکھا ہے؟ کسی نے سنا تھا کہ فلاں دریا میں ایک مچھلی ہے اس نے پانی کو دیکھا ہے اس کے پاس چلا جائے تا کہ وہ ہمیں پانی دکھا دے، اس کے پاس جا کر معلوم کیا کہ پانی یا چیز ہے تو اس نے کہا: تم مجھے پانی کے علاوہ کوئی اور چیز دکھا دو تو میں تمہیں پانی دکھا دوں گی۔ (۲)

﴿اِنّما يَخْشَى اللّهَ مِنْ عِبادِهِ العُلَماءُ﴾ (۳)

حقیقت میں خدا سے علماء ہی ڈرتے ہیں۔

اس آیت میں علماء سے وہ صاحبانِ علم مراد ہیں جو موجودات کے حقائق اور ان میں خدا کی قدرت کا کرشمہ دیکھتے ہیں۔ اس کائنات میں ایک عجیب نظم و نسق ہے، غور کیجئے:

(۱) فاطر: ۲۸

(۲) کلمات مکنونہ ص ۶

(۳) فاطر: ۲۸

﴿ويَتَفَكَّرُونَ في خَلْقِ السَّمٰواتِ والأرضِ رَبَّنا ما خَلَقْتَ هذا بَاطِلاً﴾(۱)

اور جولوگ آسمان وزمین کی خلقت کے بارے میں غور کرتے ہیں اور کہتے ہیں: کیا یہ عظیم وعجیب کائنات فضول وعبث پیدا کی گئی ہے اے ہمارے پروردگار تو نے اسے عبث نہیں پیدا کیا ہے۔

جولوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ دوسرا جہان معاد بھی ہے جہاں سوال وباز پرس ہوگی وہ یہ کہتے ہیں:

﴿سُبْحانَکَ فقِنا عَذابَ النَّار﴾ (۲)

تو پاک وپاکیزہ ہے ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا۔

﴿رَبَّنا اِنّنا سَمِعْنَا مُنادِياً يُنادي للاِيمانِ اَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فآمَنَّا رَبَّنا فاغْفِرْ لَنا ذُنُوبَنَا و كَفِّر عَنَّا سَيِّئَاتِنا وتَوَفَّنا مَعَ الأبْرارِ﴾ (۳)

(صاحبان علم تو وہی ہیں) جو یہ کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار ہم نے منادی (حضرت محمدؐ) کی ندا سنی کہ وہ ہمیں تیری وحدانیت کی طرف بلاتے ہیں، پس معبود ہم تیرے اوپر ایمان لائے تو بھی ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہم کو نیک افراد سے ملحق کرتے ہوئے اس دنیا سے اٹھالے۔

(۱) آل عمران ۱۹۱

(۲) آل عمران: ۱۹۱

(۳) آل عمران: ۱۹۳

# ساتویں تقریر

انسان کا اصلی فریضہ یہ ہے کہ پہلے خدا کی معرفت حاصل کرے اور پھر اس کی عبادت کرے۔

عبادت سے تقوے اور یقین کا ربط

ایمان کے استحکام کے طریقے

زمین کا گہوارہ ہونا خدا کی حکمت پر دلالت کرتا ہے۔

خدا کا کوئی شریک نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تبارک و تعالیٰ:

﴿یا أیّھا النّاسُ اعبُدوا رَبَّکم الّذي خَلَقَکُمْ والّذینَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُم تَتَّقُونَ،الّذي جَعَلَ لَکُمْ الأرضَ فِراشاً و السَّماءَ بِناءً و أنْزَلَ مِنَ السَّماءِ ماءً فأخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمراتِ رِزْقاً لَکُمْ فَلا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ أنْداداً و أنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾(۱)

انسان کا اوّلین فریضہ یہ ہے کہ خدا کی معرفت حاصل کرے اور خدا کو پہچاننے کے بعد اس کا دوسرا فریضہ یہ ہے کہ اس کی عبادت کرے تمام انبیاء اس لئے مبعوث ہوئے ہیں تا کہ لوگوں کو خدا اور کلمۂ توحید کی طرف دعوت دیں اور انہیں خدا کی عبادت کی رغبت دلائیں۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿وَلَقَدْ أرْسَلْنَا نُوحاً الیٰ قَوْمِهِ فقالَ یا قومِ اعْبُدوا اللّٰهَ﴾(۲)

قرآن مجید میں ایسی ہی اور بہت سی آیتیں ہیں کہ جن میں لوگوں کو خدا اور اس کی عبادت کی طرف دعوت دی گئی ہے کیونکہ کائنات کی خلقت کا مقصد یہی ہے۔

﴿وما خَلَقْتُ الجنَّ والاِنْسَ اِلاّ لِیَعْبُدُون﴾(۳)

---

(۱) بقرہ:۲۱و۲۲

(۲) اعراف:۵۹

(۳) ذاریات:۵۶

ہم نے جن وانس کونہیں پیدا کیا مگراس لئے کہ وہ ہماری عبادت کریں۔

اوررسولؐ کومخاطب کر کے فرمایا:

﴿وما أرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَسُولٍ اِلاّ نُوحِي اِلَيهِ أنَّهُ لا اِلٰه اِلاّ أنا فاعْبُدُونِ﴾ (۱)

اے رسولؐ! ہم نے آپؐ سے پہلے کسی پیغمبر کونہیں بھیجا مگر یہ کہ اس کی طرف یہ وحی کی کہ میرے علاوہ کوئی معبودنہیں ہے پس میری ہی عبادت کرو (اورلوگوں کوبھی میری عبادت کی طرف بلاؤ)۔

خداوند عالم تمام لوگوں اور ہر طبقہ کومخاطب قرار دیتا ہےاورفرماتا ہے:

﴿يَا أيُّهَا النّاسُ اعبُدوا رَبَّكُم الّذي خَلَقَكُمْ و الّذِينَ مِنْ قَبْلِكُم لَعَلَّكُم تَتَّقُونَ﴾(۲)

اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو کہ جس نے تم کواور تم سے پہلے والوں کو پیدا کیا ہے، ہوسکتا ہےاس طرح تم پرہیز گار بن جاؤ۔

بندگی: یعنی انسان کو چاہئے کہ ہر کام خدا کے حکم کے مطابق انجام دے خواہ اس کام میں عبادی پہلو ہو یااجتماعی، تمام کاموں کوخدا کے لئے انجام دے۔

یعنی خدا کی عبادت کے نتیجہ میں آپ کے اندر ایک طاقت، ملکہ ومہارت اور ایک اخلاق کو پیدا ہونا چاہئے بھر پور طریقہ سے آپ کی توجہ خدا پر مرکوز ہو جائے خدا کے احکام کوشائستہ طریقہ سے بجالانا چاہئے، اور جس چیز سے اس نے روکا ہےاس سے باز رہنا چاہئے، مختصر یہ کہ خود کوتقوے کی صفت سے متصف کرنا چاہئے۔

تقوے کے بلندترین درجات میں سے یقین بھی ہےاورمعرفت وعبادت کا اصل مقصد بھی یہی ہے

---

(۱)انبیاء:۲۵

(۲)بقرہ:۲۱

کہ انسان خدا کے وجود کا کامل یقین حاصل کرے۔

تقویٰ و یقین پیدا کرنے اور ایمان کو قوی و مستحکم بنانے کا یہی طریقہ ہے کہ انسان خدا کے دستورات پر عمل کرے تا کہ واجبات و مستحبات پر عمل کرنے اور حرام و مکروہ چیزوں سے باز رہنے کے نتیجہ میں اس کے اندر تقوے کا ملکہ پیدا ہو جائے اور ان چیزوں کے سبب اسے اس کا اصلی مقصد، کامل ایمان اور کامل یقین، حاصل ہو جائے۔

عبادت و بندگی انسان کے ایمان کو محکم کرتی ہے اور ایمان، عبادت و بندگی کا ولولہ پیدا کرتا ہے در حقیقت یہ سب ایک دوسرے کو محکم کرتے ہیں۔

جو طریقہ انسان کے ایمان کے قوی و محکم ہونے کا سبب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان بہترین اخلاق اور پسندیدہ صفات سے آراستہ ہو جائے۔ جب وہ اچھے صفات، نیک چال چلن، صداقت، تواضع، انکساری، محبت و مہربانی، توکل، تسلیم و رضا سے آراستہ ہو جاتا ہے اور اس کے اندر پسندیدہ اخلاق کامل ہو جاتا ہے وہ خود کو کما حقہ پاک و پاکیزہ بنالیتا ہے اور اخلاق کو سنوار لیتا ہے تو اس کے دل میں نور علم چمک اٹھتا ہے اور وہ جس یقین کو حاصل کرنا چاہتا تھا وہ اسے حاصل ہو جاتا ہے:

''العِلْمُ نُورٌ يَقْذِفُهُ اللّهُ فِي قَلْبِ مَنْ يَّشَاءُ''۔(۱) علم نور ہے خدا جس کے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے۔

رسولؐ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

علم نہ آسمانوں پر ہے کہ کوئی یہ کہے: میں آسمان پر جاؤنگا اور وہاں لاؤنگا اور نہ زمین کے اندر ہے کہ کوئی یہ کہے: میں زمین کی تہ میں جاؤنگا اور وہاں سے علم لاؤنگا بلکہ یہ علم خود تمہارے اندر موجود ہے اور

(۱) مصباح الشریعۃ ۱۶۔ قال الصادقؑ: لا يحل الفتيا لمن لا يصطفى من الله تعالىٰ بصفاء سرّه و اخلاص علمه وعلانيته و برهانٍ مِنْ رَبِّه في كل حال لانَّ مَنْ أفتى فقد حكم و الحكم لا يصح اِلّا باذنٍ مِنَ اللّٰهِ عزّ وجلَّ و برهانه و من حكم بالخبر بلا معاينة فهو جاهل مأخوذ بجهله و مأثوم بحكمه كما دل الخبر: العِلْمُ نُورٌ يَقْذِفُه الله في قلب من يشاء۔ حسن بصری کی حدیث میں امام جعفر صادق سے منقول ہے: ليس العلم بالتعلّم انما هو نور يقع فى قلب مَنْ يريد الله تبارك و تعالىٰ أنْ يَهْدِيَه فاِن أرَدْتَ العلم فاطلب اوّلاً في نفسك حقيقة العبودية و اطلب العلم باستعماله و استفهم الله يفهمك ۔ (رجوع کریں بحار الانوار ج۱ ص ۲۲۵)۔

اس کے حصول کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اپنے نفس کو پاک کرو، مہذب بناؤ، پسندیدہ صفات وعادات اور فرشتوں کے اخلاق سے خود کو متصف کرو اس سے نورِ علم تمہارے وجود کے اندر چمک اٹھیگا۔ عبادت کا مقصد اور علم حقیقی مبداء ومعاد کا یقین ہے۔(۱)

﴿الّذي جَعَلَ لَكُمُ الأرْضَ فِراشاً﴾

خداوہ ہے جس نے اس زمین کو۔ جو کہ مستقل طور پر حرکت میں ہے۔ تمہارے لئے فرش بنایا ہے۔

یعنی اس زمین کو اس نے ایک قسم کا فرش بنایا ہے تا کہ تم اس پر زندگی بسر کرسکو۔

دوسری جگہ اس زمین کو گہوارہ سے تعبیر کیا ہے ارشاد ہے:

﴿الّذي جَعَلَ لَكُمُ الأرْضَ مَهْداً﴾ (۲)

تمہارا خداوہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو گہوارہ بنایا ہے۔

مذکورہ آیت میں مسطح زمین کو، جو کہ متحرک ہے، گہوارہ سے تشبیہ دی ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ زمین کی حرکت کے مسئلہ کو قرآن نے اس وقت بیان کیا جس وقت سارے دانشور زمین کو ساکن سمجھتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ سورج زمین کے گرد گھومتا ہے، قرآن نے اس وقت زمین کو گہوارہ سے تشبیہ دی تھی اور اس بات کی تصدیق کی تھی کہ زمین حرکت میں ہے۔

البتہ زمین کی حرکت کو صریح طور پر بیان نہیں کیا ہے شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ جو چیزیں رسولؐ کے عہد میں محسوسات سے تعلق رکھتی تھیں اگر آنحضرتؐ ان کو صریح طور پر بیان کر دیتے تو لوگ آپؐ کی بات نہ

(۱) کشف الغطاء عن وجوہ مراسم الاهتداء ''غرة الغراء'' (مولیٰ حسن قزوینی) ص ۳۰، محجۃ البیضاء ج ۱ ص ۱۴۹، پہلے زمانہ کی بعض کتابوں میں اس طرح تحریر ہے: اے بنی اسرائیل یہ نہ کہو علم آسمان میں ہے اس کے ساتھ کون نازل ہوتا ہے اور نہ زمین میں ہے اسے وہاں سے کون لاتا ہے اور نہ سمندر کے پار ہے کہ جو عبور کرتا ہے وہ لاتا ہے بلکہ علم تو تمہارے دلوں میں رکھدیا گیا ہے روحانیوں کے آداب سے آراستہ ہوجاؤ اور صدیقین کا اخلاق اپنا کر میری بارگاہ میں آؤ گے تو تمہارا علم تمہارے دلوں سے ظاہر ہوگا اور اپنے نور میں تمہیں ڈھانک لے گا۔

(۲) طہ ۵۳، زخرف ۱۰

مانتے چہ جائیکہ غیر محسوس چیزوں، مثلاً زمین کی حرکت، کے بارے میں آپ کا قول تسلیم کرتے، لیکن اسی بات کو قرآن مجید نے اس انداز میں بیان کیا ہے کہ ہم آج یہ سمجھتے ہیں، یہ کلام اس ذات کا ہے جس نے زمین کو پیدا کیا ہے، جو ہر چیز کا علم رکھتا ہے، ہر شے سے آگاہ ہے، حالانکہ یہ بات، کہ زمین حرکت میں ہے، دو یا تین صدی پہلے کشف ہوئی ہے ورنہ اس سے قبل اکثر علما یہی سمجھتے تھے کہ زمین ساکن ہے۔

زمین کی گہوارہ سے تشبیہ سے ایک بات اور سمجھ میں آتی ہے کہ جس کو مصر کے بعض مفسرین نے تحریر کیا ہے اور وہ ہے:

جس طرح بچہ ہمیشہ گہوارہ میں نہیں رہتا ہے بلکہ مخصوص و معین وقت کے لئے اسے گہوارہ میں لٹاتے ہیں تا کہ وہ کچھ بڑا اور طاقتور ہو جائے، پھر اسے گہوارہ میں نہیں لٹاتے بلکہ زمین پر چھوڑ دیتے ہیں تا کہ (اپنے ہاتھ، پاؤں سے کام لیکر) زمین پر زندگی گزارے خدا نے بھی اس زمین کو گہوارہ سے تشبیہ دی ہے یعنی یہاں تمہیں ہمیشہ نہیں رہنا ہے بلکہ اس کے بعد تمہیں اس سے کہیں وسیع و عریض عالم میں جانا ہے گویا یہ دنیا اس جہاں کا مقدمہ ہے۔(۱)

قرآن مجید میں بہت سی لطیف و دقیق باتیں موجود ہیں مثلاً ارشاد ہے:

﴿و سَلَکَ لَکُمْ فیها سُبُلاً وَأنزَلَ مِنَ السَّماءِ ماءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْواجاً مِنْ نَباتٍ شَتّیٰ، کُلوا وارْعَوا أنعَامَکُمْ اِنَّ في ذٰلِکَ لآیَاتٍ لِأُولي النهیٰ﴾(۲)

اور ہم نے تمہارے لئے زمین میں راستے بنا دیئے ہیں اور آسمان سے پانی نازل کیا ہے۔ اور اس کے ذریعہ نباتات کے مختلف جوڑے پیدا کئے ہیں، اس سے اگنے والی نباتات میں کچھ تم کھاؤ اور کچھ اپنے مویشیوں کو کھلاؤ، ان تمام چیزوں میں عقلمند کے لئے خدا کی قدرت و عظمت

---

(۱) ملاحظہ فرمائیں: تفسیر طنطاوی "الجواہر"، ج ۲۰ ص ۱۶۴، ﴿الّذي جَعَلَ لَکُمُ الأرْضَ مَهْداً﴾ قارّةً یمکن الانتفاع بها و المهد موضع راحة الصبي و الخلق کلّهم یتربون علیٰ الارض و هي موضع راحتهم فلذلك جُعِلَتْ مهاداً لعدد العباد۔

(۲) طہ، ۵۳، ۵۴

کی نشانیاں ہیں۔

﴿مِنْها خَلَقْناكُم وفيها نُعِيدُكُمْ ومِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرى﴾

ہم نے تمہیں اسی زمین سے پیدا کیا ہے اور پھر اسی میں لوٹا دیں گے اور ایک مرتبہ پھر تمہیں اس سے باہر نکال لائیں گے۔

﴿والسَّماءِ بِناءً﴾

خدا نے آسمان کو عمارت کے مثل بنایا ہے۔

خدا نے تمہارے لئے آسمان کو بلند کیا ہے تا کہ جب تم اس کی طرف دیکھو تو ایسا محسوس ہو کہ وہ تمہارے لئے چھت ہے گویا تم آسمان کی چھت کے نیچے زمین کے فرش پر ایک گھر میں بیٹھے ہو، اس وسیع و عریض گھر میں جس پر بلند و بالا آسمان کی چھت ہے۔ حالانکہ یہ زمین حرکت میں ہے، اور تمام سیارے بھی گردش میں ہیں اگر چہ ہم انہیں حرکت میں نہیں دیکھتے ہیں، باوجودیکہ وہ معلق ہیں پھر بھی اپنے مدار پر استحکام کے ساتھ ٹھہرے ہوئے ہیں، اور ہر ایک خاص قاعدہ و قانون اور مخصوص نظم کے تحت اپنے وزن کے ساتھ معین فاصلہ پر گردش کر رہا ہے اگر اس فاصلہ میں کمی، بیشی ہو جائے تو خلل واقع ہو جائے، یہی مخصوص نظم حکمت والے اور علم والے خدا کی طرف ہماری راہنمائی کرتا ہے۔

پس ہمیں اس خدا کی عبادت کرنا چاہئے جس نے اپنی قدرت سے ان چیزوں کو وجود بخشا ہے۔

﴿وَ أنْزَلَ من السَّماءِ مَاءً﴾

(اور اس قادر مطلق نے) آسمان سے بارش برسائی۔

﴿فأخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَراتِ رِزْقاً لكم﴾

(بارش کے نتیجہ میں) زمین سرسبز ہو گئی زمین سے بھانت بھانت کے پیڑ پودے نکل آئے اور یہی تمہارا رزق ہے۔

خدا ایسا ہی ہے، وہ عظمت و قدرت اور علم و حکمت والا ہے، یہ سب نعمتیں اسی نے ہمیں عطا کی ہیں حق

یہی ہے کہ ہم اسی کی عبادت کریں۔

﴿فلا تَجْعَلوا للّهِ أنداداً و أنتم تَعْلَمونَ﴾

اس کا شریک قرار نہ دو جبکہ تم جانتے ہو کہ جن چیزوں کو تم نے اس کا شریک بنایا ہے وہ تمہارا کوئی کام نہیں کر سکتے۔ اسی طرح تم یہ بھی جانتے ہو کہ کائنات کا یہ تعجب خیز نظم و نسق، اس کی قدرت کی کرشمہ سازی اور آفاق و انفس کی آیتیں سبھی خالق و عالم خدا کی طرف توجہ دلانے کے لئے ہیں۔

لیکن بشر ابتدا ہی سے ہلاکت کی طرف بڑھتا ہے اور خدا کے شریک قرار دیتا ہے۔ ایک گروہ سورج کی پوجا کرتا ہے، دوسرا چاند کی پرستش کرتا ہے، بعض ستاروں کو خدا مانتے ہیں کچھ بتوں کے سامنے سر جھکاتے ہیں مختصر یہ کہ لوگوں نے مختلف قسم کے خدا کے شریک بنا لئے تھے۔ اس وقت انبیاء آئے تا کہ انسان کو توحید کی دعوت دیں اور اسے ضلالت و گمراہی سے نجات دلائیں۔

دین خدا ست وحدت و این مردم
بت کرده اند کثرت اشیاء را

چونان خلیل آفل و طاری دان
این آفتاب و اختر رخشا را

ای سالك ار به مسلك توحیدی
بستای خاك یثرب و بطحا را

موسی شنیدی و شجر و وادی
وان آتش و تکلم اصغا را

از سوز سینه و دل انسان بین
نار و درخت و سینه ی سینا را

انسان نه چند صورت بی معنا

انبان بلغم دم و صفرا را

دل مرکب خدای بود زین کن

آن رهنورد بادیه پیما را

خود بین خدای بیند اگر بیند

اعمیٰ سهیل را و ثریا را(۱)

---

(۱)منتخب از دیوان حکیم صفاص۴-۹

# آٹھویں تقریر

خدا کی وحدانیت کا اقرار کرنا فطری ہے اور موجودات کا اس کی تسبیح کرنا بھی فطری ہے۔

خدا کی معرفت فطری ہے موجودات کا خدا کی تسبیح کرنا فطری ہے۔

حضرت امیرالمومنینؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

''واصطفیٰ سبحانه مِنْ وُلْدِهِ [آدم] أنبیاءَ أخَذَ علیٰ الوحي میثاقَهُمْ و علیٰ تَبْلیغ الرسالة أمانَتَهُم لمّا بدّل أكْثرُ خَلْقِهِ عَهْدَ اللّٰهِ اِلَیْهِمْ فَجَهِلُوا حَقَّهُ و اتَّخَذُوا الأنْدادَ مَعَهُ و اجْتالَتْهُمُ الشَّیاطینُ عَنْ مَعْرِفَته و اقْتَطَعَتْهُمْ عَنْ عِبادَتِهِ فَبَعَثَ فِیهِمْ رَسَلَهُ و واتَرَ اِلَیْهِمْ أنْبیائَهُ لیستأدوهُم میثاقَ فِطْرَته ویُذَکِّرُوهُم مَنْسِيَّ نِعْمَته و یَحْتَجُّوا عَلَیهِمْ بِالتبلیغ و یُثیروا لَهُمْ دَفائِنَ العُقول و یُرُوهُم آیاتِ المَقْدِرَةِ.''(۱)

خدا نے حضرت آدمؑ کی اولاد سے ابنیاء کو منتخب کیا اور ان سے وحی پر عہد لیا اور ان سے یہ تقاضا کیا کہ اس کی امانت کی حفاظت کریں اور حکمِ خدا دوسروں تک پہنچائیں، ان انبیاء کی بعثت ایسے وقت میں ہوئی جب لوگوں نے خدا کو بالکل فراموش کر دیا تھا اور اس عہد کو بلا چکے تھے جو خدا نے ان کی فطرت سے لیا تھا، وہ اس کے حق کو نہیں پہچانتے تھے۔ پیغمبر اس وقت آئے تھے جب لوگوں نے خدا کے شریک بنا لئے تھے اور شیطان نے انہیں حیلہ بہانے سے خدا کی معرفت وتوحید سے منحرف کر دیا تھا اور انہیں شرک و بت پرستی میں مبتلا کر دیا تھا اس وقت خدا نے انبیاء کو بھیجا، ان

(۱) خطبہ اوّل نہج البلاغۃ۔

سے یہ عہد لیا کہ وہ رسالت کی تبلیغ کریں گے اور لوگوں کو وہ عہد یاد دلائیں گے جوان کی فطرت سے لیا گیا تھا۔ یہ انبیاء اس لئے آئے تا کہ انسان کو وہ نعمتیں یاد دلائیں جنہیں وہ فراموش کر چکا تھا اور خدا کے احکام پہنچا کر ان پر حجّت تمام کریں اور ان کی عقل کے خزانہ سے پردہ ہٹائیں اور انہیں خدا کی نشانیاں دکھائیں۔

مثلاً یہی زمین کہ جس پر لوگ زندگی گزارتے ہیں اور یہ آسمان جوان کے سروں پر سایہ کناں ہے اور یہ عمر جو خدا نے انہیں عطا کی ہے اور زندگی بسر کرنے کے دوسرے اسباب و وسائل جوان کے لئے فراہم کئے ہیں یہ سبھی تو خدا کی نعمتیں ہیں۔ یہ چیزیں انہیں متوجہ کرتی ہیں کہ خدا ہے اس طرح انہیں انبیاء خدا کی فرمانبرداری پر ابھارتے ہیں، یہی انبیاء کی بعثت کا مقصد۔

سوال اگر یہ سوال کیا جائے کہ دین فطرت میں موجود ہے یعنی چہ؟

جواب خدا نے انسان کو عقل و خرد عطا کی ہے، اسی عقل کے ذریعہ وہ خدا کی معرفت حاصل کرتا ہے۔اور خدا کی وحدانیت پر دلیل و برہان قائم کرتا ہے۔(۱)

البتہ خدا کی معرفت، اسے یاد کرنے اور اس کی تسبیح وتہلیل کرنے کی صلاحیت تمام موجودات میں ہے یعنی سارے موجودات اپنی فطرت کے مطابق خدا کی معرفت رکھتے ہیں اور اسے پہچانتے ہیں، سبھی خدا کی بارگاہ میں خضوع وخشوع کرتے ہیں اور خدا نے انہیں جس ڈگر پر لگایا ہے وہ اسی پر چل رہے ہیں۔(۲)

﴿الَمْ تَرَ أنَّ اللّٰهَ يَسجُدُ لَهُ مَنْ في السّمٰواتِ ومَنْ في الأرضِ والشمسُ والقَمَرُ والنُّجومُ والجِبالُ والشَّجَرُ والدَّوابُ وكثيرٌ مِنَ الناسِ وكثيرٌ حَقَّ عَليهِ العَذابُ﴾(۳)

---

(۱) فطرت عقل ''م''
(۲) فطرت دل ''م''
(۳) حج:۱۸

جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ سب خدا کو سجدہ کرتے ہیں (یعنی ہر موجود اپنے لحاظ سے خدا کی بارگاہ میں خضوع وخشوع کرتا ہے) اور چاند، سورج، ستارے، پہاڑ، درخت، اور زمین پر رینگنے والے اور انسانوں میں سے بہت سے لوگ خدا کی معرفت رکھتے ہیں لیکن بہت سے انسان ایسے بھی ہیں کہ جو خدا کا انکار کرتے ہیں یا انہوں نے خدا کو بھلا دیا ہے اور خدا کے عذاب کے مستحق ہو گئے ہیں۔

اسی چیز کو دوسری آیت میں بیان کیا ہے کہ تمام موجودات کی فطرت میں خدا کو پہچاننے کی صلاحیت موجود ہے:

﴿و اِن مِّن شيءٍ اِلاّ یُسبِّحُ بِحَمْدِهِ ولکنْ لا تَفْقَهُون تَسْبیحَهُمْ﴾ (۱)

اور کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو خدا کی تسبیح نہ کرتی ہو (یعنی کائنات میں جو بھی موجود ہے وہ خدا کو ہر عیب ونقص سے مبرا ومنزہ جانتا ہے، خدا کی تسبیح وتہلیل کرتا ہے) لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔

اس آیت کی تفسیر کے بارے میں بعض مفسرین نے لکھا ہے: یعنی ہر موجودات اپنے عالم میں اپنی دنیا میں خدا کا فرمانبردار ہے، لیکن یہ تفسیر صحیح نہیں معلوم ہوتی کیونکہ آیۂ شریفہ میں صریح طور پر یہ بیان ہوا ہے کہ وہ تسبیح کرتے ہیں جس طرح ہم اس کا ذکر کرتے ہیں اسی طرح وہ اس کا ذکر کرتے ہیں، جس طرح ہم اسے یاد کرتے ہیں اسی طرح وہ بھی اسے یاد کرتے ہیں۔

شیخ بہاء الدّین عاملی نے اسی بنیاد پر، رسولؐ کے ہاتھوں پر سنگ ریزوں کی فصیح زبان میں تسبیح کرنے اور سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر، کہنے کو آپؐ کا معجزہ نہیں مانا ہے، وہ کہتے ہیں:

سنگ ریزوں کا تسبیح کرنا معجزہ نہیں ہے کیونکہ صرف سنگ ریزے ہی خدا کی تسبیح نہیں کرتے ہیں بلکہ ہر موجود خدا کی تسبیح کرتا ہے، ہاں ان کی تسبیح کو سنوا دینا یہ معجزہ ہے۔

---

(۱) حج:۴۴

دوسری آیت میں ارشادفرماتا ہے:

﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰاتِ وَالأرضِ﴾ (۱)

زمین وآسمان کی ہر چیز خدا کی تسبیح کرتی ہے۔

﴿یُسبِّحُ لِلّٰهِ ما فِي السَّمٰوٰاتِ وما فِي الأرضِ﴾(۲)

آسمانوں کی ہر چیز اورزمین کی ہر چیز خدا کی تسبیح کرتی ہے۔

ان آیتوں میں یہ بیان ہوا ہے کہ جو کچھ آسمانوں اورزمین میں موجود ہے وہ خدا کی معرفت رکھتا ہے۔ جب وہ خدا کی معرفت رکھتے ہیں تو اس کی بارگاہ میں تسلیم بھی ہے اور خدا نے انہیں جس راستہ پر لگایا ہے اسی پر چلتے ہیں۔

یہ ستارے اسی طرح گردش میں ہیں جس طرح خدا نے انہیں حکم دیا ہے اور حیوان جس ڈگر پر چل رہے ہیں اس ڈگر پر انہیں خدا ہی نے لگایا ہے، سبھی تسلیم ہیں اور معین شدہ راہ پر چل رہے ہیں، صرف انسان ایسا نہیں کرتا ہے کیونکہ خدا نے اسے عقل عطا کی ہے اور اس کے لئے کچھ تکلیفیں معین کی ہیں تاکہ اپنے اختیار سے راہِ حق کو اپنائے یا راہِ باطل کو۔

بنابرایں تمام موجودات بارگاہ خدا میں خشوع وخضوع کرتے ہیں، اسے پہچانتے ہیں اور پروردگار کی تسبیح کرتے ہیں۔

گر تو را از غیب چشمی باز شد
با تو ذرات جهان هم راز شد

نطق آب و نطق خاك و نطق گل
هست محسوس حواس اهل دل

---

(۱) حدید:۱،حشر:۱،صف:۱

(۲) جمعہ:۱،تغابن:۱

جملہ ذرات زمین و آسمان
با تو می گویند پیدا و نہان

ما سمیعیم و بصیریم و هشیم
با شما نا محرمان ما خامشیم

از جمادی زی جہان جان شوید
غلغل اجزای عالم بشنوید

فاش تسبیح جمادات آیدت
وسوسہ تعبیرہا بزدایدت(۱)

اگر غیب سے تمہاری آنکھیں روشن ہو جائیں تو دنیا کے ذرات تم سے ہم راز ہو جائیں گے۔ پانی کا نطق، خاک کی گویائی اور گارے کی زبان کو اہل دل سمجھتے ہیں۔ زمین و آسمان کے ذرے تم سے پوشیدہ و آشکارا بیان کرتے ہیں کہ:

ہم سنتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں اور ہوش وحواس رکھتے ہیں لیکن تم نامحرموں کے لئے ہم خاموش ہیں، تم جمادات کی تسبیح واضح طریقہ سے سنو گے، اس سے تمہارے وسوسہ دور ہو جائیں گے۔

پھر کہتے ہیں:

کوہ و دریا و درختان ہمہ در تسبیح اند
نہ ہمہ مستعان فہم کنند این اسرار

پہاڑ، دریا اور درخت سبھی خدا کی تسبیح میں مشغول ہیں ان اسرار کو سننے والے نہیں سمجھتے ہیں۔

پھر کہتے ہیں:

دوش مرغی بہ صبح می نالی

(۱) مثنوی معنوی، حکایت مار گیری، کہ جس میں ٹھنڈک کائے ہوئے سانپ کو مردہ سمجھ لیتے ہیں۔

عقل و صبرم ببرد و طاقت و ہوش

یکی از دوستان مخلص را

مگر آواز من رسید بہ گوش

گفت، باور نداشتم کہ تو را

بانگ مرغی چنین کند مدہوش

گفتم این شرط آدمیت نیست

مرغ، تسبیح گوی و من خاموش(۱)

کل صبح ایک پرندہ نالہ کررہا تھ، جس سے میری عقل، صبر وضبط اور ہوش گم ہو گئے ایک مخلص دوست کے کان میں میری آواز پہنچی، کہنے لگا مجھے یہ یقین نہیں تھا کہ ایک پرندہ کی آواز اتنا مدہوش کردے گی۔ میں نے عرض کی: یہ آدمیت کی شرط نہیں ہے کہ پرندہ تسبیح کرے اور میں چپ رہوں؟

❁❁❁❁❁

(۱) کلیات سعدی ص ۹۰۵

# نویں تقریر

انسانیت کے کمال کا اولین مرتبہ معرفت خدا ہے۔

خدا کی معرفت رکھنے والوں کے صفات

اثبات صانع کے لئے آفاق وانفس کی نشانیاں

اولیاء خدا کے بارے میں رسولؐ فرماتے ہیں:

''مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ وعَظَّمَهُ مَنَعَ فاهُ مِنَ الكلامِ، وبَطْنَهُ مِنَ الطَّعَامِ وعَفَى نَفْسَهُ بِالصيامِ و القيامِ قالوا: بآبائِنا و أُمَّهَاتِنَا يا رَسُولَ اللّٰهِ هٰؤلاءِ أولياءُ اللّٰهِ؟ قالَ: اِنَّ أَولياءَ اللّٰهِ سَكَتوا فَكَانَ سُكُوتُهُمْ ذِكْراً و نَظَروا فَكَانَ نَظَرُهُمْ عِبْرَةً و نَطَقُوا فَكَانَ نُطْقُهُمْ حِكْمَةً ومَشَوا فَكَانَ مَشْيُهُم بَيْنَ النّاسِ بَرَكَةً لَوْلا الآجالُ التي قَدْ كَتَبَ اللّٰهُ عَليهِمْ لَمْ تَقِرَّ أَرْواحُهُمْ في أجسادِهِمْ خَوْفاً مِنَ العَذابِ و شَوْقاً اِلىٰ الثّوابِ''(۱)

جس کو خدا کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے اور جو اس کی عظمت سے آگاہ ہو جاتا ہے وہ اپنی زبان کو فضول کلام سے اور شکم کو حرام کھانے سے بچاتا ہے روزہ، نماز کے ذریعہ اپنے نفس کو سختی میں ڈالتا ہے۔

لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! ہمارے ماں باپ آپؐ پر قربان کیا یہ لوگ اولیاء خدا ہیں؟

فرمایا: بیشک اولیائے خدا خاموش رہتے ہیں تو ان کی خاموشی ذکر (خدا) ہوتی ہے وہ دیکھتے ہیں تو عبرت کے لئے اور بولتے ہیں تو ان کا تکلم حکمت ہوتا ہے وہ چلتے ہیں تو ان کی روش لوگوں

(۱) کافی ج۲ص ۲۳۷، بحارالانوار ج۶۹ ص ۲۸۹

کے لئے برکت ہوتی ہے اگران کی موت کا وقت خدا کی طرف سے معین نہ ہو گیا ہوتا تو جنت کے شوق اور جہنم کے خوف میں ان کی روحیں ان کے بدن میں نہ ٹھہرتیں۔

درحقیقت تمام علوم کی بنیاد معرفت خدا ہے اور دینی معاملات میں سب سے پہلے انسان کو خدا کی معرفت حاصل کرنا چاہئے رسولؐ فرماتے ہیں:

"رأسُ الحکمۃِ مَعْرِفَۃُ اللّٰہِ".

ساری حکمتوں کا سرچشمہ خدا کی معرفت ہے۔(۱)

حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

"أوَّلُ الدّین مَعْرِفَتُہُ و کَمَالُ مَعْرِفَتُہُ التَّصْدیقُ بہِ و کَمَالُ التَّصدیقِ بِہِ تَوحیدُہُ و کَمَالُ تَوحیدِہِ الاِخْلاصُ لَہُ." (۲)

انسان کو چاہئے کہ دینی علوم میں سب سے پہلے خدا کی معرفت حاصل کرے اور اس کی معرفت کا کمال اس کی تصدیق ہے اور اس کی تصدیق کا کمال اس کی وحدانیت کا اقرار و یقین ہے، اور اس کی وحدانیت کا کمال یہ ہے کہ اپنے عمل کو اس کے لئے خالص کرے (یا خدا کو خالص و بسیط سمجھے)۔

پس پہلے انسان کو خدا کی معرفت حاصل کرنا چاہئے کیونکہ تمام علوم کا سرچشمہ یہی معرفتِ خدا ہے، نبوت و امامت اور معاد اس کی فرع ہیں۔

رسول اکرمؐ فرماتے ہیں:

"مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ و عظّمَہُ منعَ فاہُ مِنَ الکلامِ و بطنَہُ مِنَ الطعامِ وعَفَی نفسَہُ بالصِّیامِ و القِیامِ".

---

(۱) بحار الانوار ج ۳ص ۲۶۹

(۲) نہج البلاغہ خطبہ اوّل

جس کو خدا کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے اور جو اس کی عظمت سے آگاہ ہو جاتا ہے وہ اپنی زبان کو فضول باتوں سے اور اپنے شکم کو حرام کھانے سے بچاتا ہے اور روزہ و نماز کے ذریعہ اپنے نفس کو مشقت و سختی میں ڈالتا ہے۔

آپؐ نے یہ جملے بیان فرمائے تو آپؐ کے کسی صحابی نے عرض کی:

''یا رسول اللّٰہ ھولاء اولیاء اللّٰہ؟''

اے اللہ کے رسولؐ کیا یہ اولیاء خدا ہیں۔

آپؐ نے فرمایا:

''اِنَّ أولیاءَ اللّٰهِ سَکَتُوا فکانَ سُکُوتُهُمْ ذِکراً و نظروا فکانَ نظرهُمْ عِبرَةً ونَطَقُوا فَکانَ نُطْقُهُم حِکْمَةً ومَشَوا فکانَ مَشْیُهُم بَیْنَ النّاسِ بَرَکَةً لولا الآجالُ الَّتي قَدْ کَتَبَ اللّٰهُ عَلَیْهِم لَمْ تَقِرَّ أرْواحُهُمْ في أجسادِهِمْ خَوْفاً مِنَ العَذابِ و شَوْقاً اِلیٰ الثّوابِ''

اولیاء خدا وہ لوگ ہیں کہ اگر وہ خاموش رہتے ہیں تو ان کا سکوت ذکر خدا ہوتا ہے اور اگر بولتے ہیں تو ان کا کلام حکمت ہے (وہ یا قرآن کی تلاوت کرتے ہیں یا دعا کرتے ہیں، یا نیکیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں؛ خدا کی تسبیح و تہلیل کرتے ہیں یا لوگوں کی ہدایت کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک حکمت ہے) جب وہ موجودات کو دیکھتے ہیں تو ان کی نگاہ عبرت ہوتی ہے وہ ساری دنیا کو خدا کی نشانی سمجھتے ہیں اور ان موجودات میں غور و فکر کر کے وہ خدا کی معرفت حاصل کر لیتے ہیں۔

موجودات کے بارے میں غور و فکر کرنے اور خدا کی قدرت کی کرشمہ سازی کے متعلق غور کرنے کی قرآن مجید میں ترغیب دی گئی ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿أفَلا یَنْظُرونَ اِلیٰ الاِبِلِ کَیفَ خُلِقَتْ، و اِلیٰ السّماءِ کیفَ رُفِعتْ و اِلیٰ

الجِبالِ کَیفَ نُصِبَتْ و اِلیٰ الأرضِ کیفَ سُطِحَتْ﴾.(۱)

کیا وہ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ یہ کس طرح پیدا کیا گیا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ اس جانور کی عجیب خلقت ہے اگر چہ اس کی گردن لمبی اور اس کے اعضاء و جوارح میں تناسب ہے اگر چہ اس کا ڈھانچہ بڑا ہے اس کے باوجود وہ بردبار ہے اور آسانی سے راستہ چلتا ہے اگر ایک بچہ بھی اس کی مہار پکڑ لے تو یہ بے چون و چرا اس کے پیچھے پیچھے چل دیتا ہے، دسیوں روز تک بے آب و دانہ رہتا ہے اسی لئے اسے حلیم کہتے ہیں۔

سبك روحی حلیمی بردباری

ز گلزار جهان قانع به خاری

نہایت ہی نرم خو اور بردبار ہے دنیا کے پھولوں کو چھوڑ کر کانٹوں پر قناعت کرتا ہے۔

اگر کوئی بادیہ نشین اونٹ پر سوار ہو اور وہ آسمان، زمین اور پہاڑوں کو دیکھے تو وہ خدا کی عظمت کا سراغ لگا سکتا ہے، اگر کوئی پڑھا لکھا انسان اونٹ اور اس کے صفات کے بارے میں غور کرے تو اسے دوسری عجیب و غریب چیزیں نظر آئیں گی۔

دوسری آیت میں ارشاد ہے:

﴿و فِي الأرضِ آیاتٌ للموقنینَ و في أنفُسِکُم أفلا تُبْصِرُونَ﴾ (۲)

اور خدا کی معرفت کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں تم اپنے وجود کے بارے میں کیوں غور و فکر نہیں کرتے تاکہ تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ تمہارے وجود میں کتنی عجیب و غریب چیزیں ہیں۔

پھر فرماتا ہے:

﴿أفلا یَنْظُرونَ اِلیٰ السّماءِ فَوْقَهُمْ کَیفَ بَنیناها و زَیّنّاها و مَا لَها مِنْ فُرُوجٍ، والأرضَ مَدَدْناها و ألْقینا فیها رواسِيَ و أنبتنا فیها مِنْ کُلِّ زَوجٍ بَهیجٍ،

(۱) غاشیہ: ۱۷-۲۰ (۲) ذاریات: ۲۰، ۲۱

تَبْصِرَةً و ذِكْرىٰ لِكلِّ عَبْدٍ مُنيبٍ﴾(۱)

وہ اپنے اوپر آسمان کو کیوں نہیں دیکھتے کہ ہم نے اسے کیسے بنایا ہے اسے ستاروں سے کیسے مزین کیا ہے اور دیکھیں کہ ہم نے اسے کیسے بنایا ہے کہ اس میں کسی قسم کا شگاف و جھول نہیں ہے۔ ہم نے لوگوں کے لئے اس زمین کو چادر کی طرح بچھایا ہے تا کہ اس پر زندگی گزاریں اور راستہ چلیں اور ان پہاڑوں کو ہم نے زمین کو قائم کرنے کے لئے میخ بنایا ہے تا کہ وہ اپنی گردش کی وجہ سے بکھر نہ جائے۔ اسی زمین سے ہم نے کثیر مقدار میں مختلف قسم کی سبزیاں اور نباتات پیدا کی ہیں، جو انسان کو خوش کرتی ہیں۔ یہ سب اس شخص کو خدا کی قدرت و حکمت کی یاد دلاتی ہیں جو خدا سے لو لگائے رہتا ہے۔

نیز فرماتا ہے:

﴿مَا ترىٰ في خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفَاوتٍ فارجِعِ البَصَرَ هَلْ ترىٰ مِنْ فُطُورٍ، ثُمَّ ارجِعِ البَصَرَ كَرَّتَينِ يَنْقَلِبُ اليكَ البَصَرُ خَاسِئاً و هُوَ حَسِيرٌ﴾(۲)

تم رحمٰن کی خلقت و مخلوق میں کوئی تفاوت نہیں پاؤ گے (کہ کہا جا سکے یہ ہونا چاہئے تھا اور یہ نہیں) ہم نے موجودات میں سے ہر ایک کو وہ چیز عطا کی ہے جو اس کے لئے ضروری تھی دیکھو اور بار بار دیکھو کیا مخلوقات میں کہیں کوئی نقص و خلل دکھائی دیتا ہے؟

اسی کا ارشاد ہے:

﴿و السّماءُ بَنَيْنَاها بأَيدٍ و اِنَّا لَمُوسِعُونَ، و الأَرْضَ فَرَشْناها فَنِعْمَ الماهِدُونَ، ومِنْ كُلِّ شَيءٍ خَلَقْنا زَوْجَينِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾(۳)

---

(۱) ق: ۶ سے ۸ تک

(۲) ملک ۳ و ۴

(۳) ذاریات: ۴۷ تا ۴۹

اور اس آسمان کو ہم نے اپنی قدرت ہی سے بنایا ہے اور اس عالم کو وسعت دینے والے ہم ہی ہیں۔ اس زمین کو ہم نے ہی فرش بنایا ہے اور ہر چیز کا جوڑا پیدا کیا ہے تا کہ تم خدا کی قدرت و حکمت کو یاد کرو۔

ہر چیز کے جوڑے کی بات ان حقائق میں سے ہے کہ جن کو قرآن نے بہت پہلے بیان کیا تھا جبکہ دنیا ادھر چند صدی قبل اس کی طرف متوجہ ہوئی ہے۔

دنیا کے موجودات میں جو خاص نظم ونسق نظر آتا ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا ایک ہے۔ لکھا ہے:

باد صبا سے کہا: زمردی فرش بچھائے اور بہار کے بادل سے کہا: زمین کے گہوارے میں نباتات کی پرورش کرے۔

زمین کا سبز پوش ہونا، مختلف قسم کے درخت، شگوفے، پھل، گوناگوں قسم کے رنگ متفاوت ذائقے، مختلف قسم کی بو یہ سب خدا کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔

عالم قدیم نیست بر دانا

شنو محال دهری شیدا را

چندین هزار بوی و صورت

برد هربان بس است گوامارا

رنگین که کرد و شیرین در خرما

خاك درشتِ ناخوش غبرا را

خرما گری ز خاك، که آمخته است

این نغز پیشه ای، دانه ی خرما را؟

خط خط که کرد جزع یمانی را

بـوی از کـجـاسـت، عـنبـر سـارا را؟

بـنـگـر بـه چشم خـاطـر و چشم سـر

تـرکیـب خـویـش و گـنبـد مینـا را

بـر رس کـه کـردگـار چـرا کـرده اسـت

ایـن گـنبـد مـدور خـضـراء را؟

ویـران هـمـی ز بهـر چـه خواهـد کـرد

بـاز ایـن بـزرگ صـنـع مهیـا را؟

چـون بـنـد کـرد در تـن پیـدایـی

ایـن جـان کـار جـوع نـه پیـدا را

ویـن جـان کـی شـود چـو مـجـرد شـد

ویـن جـا گـذاشـت ایـن تـن رسـوا را(۱)

حضرت رسولؐ اولیاء خدا کے بارے میں فرماتے ہیں:

"اِنَّ أوْلیاءَ اللّٰهِ سَکَتُوا فکانَ سُکُوتُهُمْ ذِکْراً ونَظَروا فکانَ نَظَرهُمْ عِبرةً".

اولیاءاللہ وہی ہیں جو بولتے ہیں تو علم وحکمت کے موتی نثار کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں تو ان کی نگاہ عبرت ہوتی ہے۔

اولیاء خدا آنے اور جانے والے لوگوں کے حالات دیکھ کر، کھنڈر اور رفتہ گاں کے باقی ماندہ آثار دیکھ کر یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ یہ دنیا باقی رہنے والی نہیں ہے۔ اس لئے وہ دنیا سے دل نہیں لگاتے ہیں۔

﴿أولَـمْ یَسِیـروا في الأرْضِ فَیَنْظُروا کَیْفَ کانَ عاقبةُ الّذین کانوا مِنْ قَبْلِهِمْ کانوا هُمْ أشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً و آثاراً في الأرْضِ﴾.(۲)

---

(۱) دیوان ناصر خسرو قصیدہ ی ۷۰ (۲) مومن (غافر):۲۱

کیا وہ زمین کی سیر نہیں کرتے کہ یہ دیکھ لیتے کہ ان سے پہلے والوں کا کیا انجام ہوا؟ وہ ان سے زیادہ قوت رکھنے والے تھے اور زمین آثار کے مالک تھے۔

﴿و مَشَوا فكانَ مَشْيُهُمْ بَيْنَ النّاسِ بَرَكَةً﴾

وہ لوگوں کے درمیان چلتے تھے ان کا چلنا بھی برکت تھا۔

**لو لا الآجالُ الَّتي قَدْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيهِمْ لَم تَقِرَّ أرْواحُهُم في أجْسَادِهِم خوفاً مِنَ العذابِ و شَوقاً اِلىٰ الثواب.**

اگر خدا نے ان کی مدت -- عمر -- کو مقرر نہ کر دیا ہوتا تو عذاب کے خوف اور ثواب کے شوق میں ان کی روحیں ان کے بدن میں -- چشم زدن کے لئے بھی -- نہ ٹھہرتیں۔

ایک طرف وہ خدا کا خوف رکھتے ہیں دوسری طرف خدا سے امید رکھتے ہیں، مومن کو خدا سے ڈرنا بھی چاہئے اور اس کے کرم کا امیدوار بھی رہنا چاہئے۔ مختصر یہ کہ اس کو خوف و رجاء کی زندگی گزارنا چاہئے۔

ایک روایت میں منقول ہے:

اگر مومن کے دل کو چیرا جائے تو اس سے دو نور نکلیں گے ان میں سے ایک خوف اور دوسرے رجاء ہوتی ہے۔(۱)

❁❁❁❁❁

---

(۱) عدۃ الداعی ص ۳۴، بحار الانوار ج ۱۳ ص ۴۱۱، تفسیر قمی ج ۲ ص ۱۶۴، لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا: يـا بـنـى لـو شُقَّ جَوفُ الـمُـؤْمِن لَوُجِدَ علىٰ قلبه سطران مِنْ نُور لو وُزِنا لَمْ يَرجح أحدهما علىٰ الآخر مثقال حبّةٍ مِنْ خَرْدلٍ أحدهما الرجاء والآخر الخوف۔

# دسویں تقریر

خدا کی بہترین معرفت اس کی اعلیٰ ترین اطاعت اور خدا کے بارے میں حسن ظن عقل کا پتا دیتا ہے۔

خدا کی بہترین معرفت

خدا کی بہترین عبادت واطاعت

خدا کے بارے میں حسنِ ظن

قال رسول اللهؐ:

"العقلُ ثَلاثةُ أجزاءٍ فَمَنْ تكن فيهِ فهوَ العاقلُ ومَنْ لَمْ تَكُنْ فيهِ فلا عَقْلَ لَهُ، حُسْنُ المَعْرِفَةِ باللّٰهِ وحُسْنُ الطَّاعةِ للّٰهِ وحُسْنُ الظَّنِّ باللّٰهِ."(۱)

عقل کے تین جزء ہیں۔(۲)

۱. حُسْنُ المَعْرِفَةِ بِاللّٰهِ

بہترین طریقہ سے خدا کی معرفت حاصل کرنا

خدا کو بہترین طریقہ سے پہچاننا ایک تہائی عقل ہے یعنی انسان کو چاہئے کہ صحیح طریقہ سے خدا کی معرفت رکھتا ہوا سے تمام صفات کمال وجلال اور صفات جمال کا حامل سمجھتا ہو، اسے جسم سے منزہ جانے اور یہ تصور رکھے کہ وہ موجودات میں سے کسی کے مثل نہیں ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿ليس كمثلهِ شَيءٌ﴾(۳)

کوئی بھی خدا کے مثل نہیں ہے۔

---

(۱) جامع الاخبار ص ۱۸۶، اعلام الوریٰ ص ۱۶۹، تحف العقول ص ۵۴، کنز الفوائد ج ا ص ۵۵، اثنیٰ عشریہ

(۲) معنوی تقسیم سے مراد ہے نہ کہ مادی۔

(۳) شوریٰ: ۱۱

خدا کو دوسری چیز سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ چاند، یا سورج یا ستارے کی مانند ہے۔

خدا کی حقیقت کو نہیں پہچانا جا سکتا کیونکہ اس کا کوئی مثل نہیں ہے، وہ جسم نہیں رکھتا ہے اور اجزاء سے مل کر نہیں بنا ہے۔

ہم جس چیز کو بھی مشاہدہ کرتے ہیں وہ اجزاء سے مرکب ہے، انسان ہزاروں اجزاء سے مرکب ہے۔ اسی طرح یہ پانی، ہوا، زمین، نباتات اور حیوانات بھی مرکب ہیں لیکن خدا کے بارے میں نہ مادی ترکیب کا تصور کیا جا سکتا ہے اور نہ معنوی ترکیب کا۔

خدا کو دیکھا بھی نہیں جا سکتا:

﴿لا تُدْرِکُهُ الأبْصارُ و هُوَ یُدْرِکُ الأبْصَارَ وهُوَ اللَّطِیفُ الْخَبِیرُ﴾ (۱)

آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتیں لیکن وہ آنکھوں کو درک کرتا ہے (وہ آنکھوں اور تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔)

خدا محل حوادث نہیں ہے، یہ عالم، جسے تم دیکھ رہے ہو، اس میں حوادث وتغیرات آتے رہتے ہیں اور اس میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں، انسان بھی حوادث سے محفوظ نہیں ہے، ایک زمانہ میں طفل ہوتا ہے، اس کے بعد جوان پھر بوڑھا ہو جاتا ہے، یہ مادی موجودات، نباتات وحیوانات سبھی تغیر پذیر ہیں، درخت ایک زمانہ میں ہرے بھرے اور شاداب ہوتے ہیں، ایک وقت ایسا آتا ہے کہ جب پتے جھڑ جاتے ہیں، مختصر یہ کہ اس دنیا کی ہر چیز تغیر پذیر ہے، بدلتی رہتی ہے لیکن خدا میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہو سکتا وہ محل حوادث نہیں ہے۔

خدا کسی چیز میں حلول نہیں کر سکتا جیسا کہ نصاریٰ کہتے ہیں: خدا حضرت عیسیٰؑ میں حلول کئے ہوئے، ان کا یہ عقیدہ باطل ہے۔

خدا کا کوئی شریک بھی نہیں ہے اس کی ذات وصفات اور افعال میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں ہے اور

---

(۱) انعام: ۱۰۳

عبادتوں میں ہرگز کسی کو اس کا شریک قرار نہیں دینا چاہئے۔

صفاتِ خدا، اس کی عین ذات ہے، موجودات کے صفات کے مانند اس کے صفات نہیں ہیں موجودات کے صفات زائد بر ذات ہیں یعنی پہلے انسان کا وجود ہوتا ہے بعد میں صفات پیدا ہوتے ہیں مثلاً ایک زمانہ میں انسان علم نہیں رکھتا تھا بعد میں علم حاصل کرلیا تو عالم بن گیا لہذا صفتِ علم انسان کی ذات کے علاوہ ہے، اسی طرح ایک زمانہ تھا کہ وہ ناتواں تھا طاقت و قدرت نہیں رکھتا تھا، بعد میں طاقت و قدرت پیدا ہوئی تو قادر ہو گیا لہذا صفت قدرت بھی اس کی ذات سے جدا ہے لیکن خدا کے صفات ایسے نہیں ہیں، بلکہ خدا کے صفات اس کے عین ذات ہیں، یعنی خدا عین علم ہے، عین قدرت ہے، عین حیات و زندگی ہے، اس کا علم اور اس کی قدرت سب اس کی عین ذات ہیں۔

خداوند عالم محتاج نہیں ہے، سارے موجودات اس کے محتاج ہیں وہ بالذات غنی ہے۔

﴿یا ایّھا النّاسُ أنتُمُ الفُقَرَاءُ اِلیٰ اللّٰہِ و اللّٰہُ ھُوَ الغَنِیُّ الحَمیدُ﴾ (۱)

اے لوگو! تم خدا کے محتاج ہو اور اللہ غنی و بے نیاز ہے۔

خدا تمام موجودات کا خالق ہے، اور خالقیت --اس کے خالق ہونے-- میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں ہے جو موجودات دکھائی دیتے ہیں اور جو دکھائی نہیں دیتے ہیں ان سب کا خالق خدا ہی ہے اور موجودات کے دامن میں جو کچھ بھی ہے وہ خدا ہی کی عطا ہے، مثلاً کبھی انسان تندرست، کبھی بیمار، کبھی نادار اور کبھی غنی و مالدار ہوتا ہے تو یہ خدا کی مصلحت کی بنا پر ہوتا ہے۔

خدا کو ہر چیز کا علم ہے، وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، زندہ ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا وہ ہر کام اپنے ارادہ سے کرتا ہے لیکن اس کا ارادہ انسان کے ارادہ کی مانند نہیں ہے۔

﴿اِنّما أمْرُہُ اِذا أرادَ شَیْئاً أنْ یَقُولَ لَہُ کُنْ فیکونُ﴾ (۲)

جب خدا کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرماتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔

---

(۱) فاطر: ۱۵ (۲) یس: ۸۲

خداوند عالم مدرک ہے، وہ دیکھتا بھی ہے سنتا بھی ہے لیکن انسان کی مانند آنکھ، کان سے نہیں بلکہ وہ کسی آلے وو سیلے سے نہیں دیکھتا اور سنتا ہے اور یہ جو خدا کو سمیع یا بصیر کہتے ہیں اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ان کا تعلق خدا کے علم سے ہے۔ یعنی خدا کو دیکھی جانے والی اور سنی جانے والی تمام چیزوں کا علم ہے اس کا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اس کے سمیع وبصیر ہونے کا تعلق اسی علم سے ہے جو اس کی عین ذات ہے۔

خدا متکلم ہے لیکن زبان سے کلام نہیں کرتا ہے بلکہ اس کے متکلم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ کلام کو پیدا کرتا ہے مثلاً جناب موسیٰ بن عمرانؑ سے کلام کیا یا معراج میں حضرت محمد مصطفیٰؐ سے کلام کیا یعنی اس نے کلام پیدا کیا۔ قرآن کو بھی خدا نے خلق کیا ہے وہ انسان کی طرح کلام نہیں کرتا ہے۔

خدا صادق ہے۔ اس نے جتنے وعدے کئے ہیں وہ سب کو وفا کرے گا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لا يُخْلِفُ الْميعادَ﴾ (۱)

بنابراین اچھی طرح خدا کی معرفت حاصل کرنا، عقل کا ایک جزء ہے۔

۲. حُسْنُ الطّاعَةِ لِلّٰهِ

عقلمند وہی ہے جو اچھی طرح خدا کی اطاعت کرتا ہے اگر وہ نماز پڑھتا ہے تو تمام شرطوں کے ساتھ، اس کی نماز میں ذکر، سجود، رکوع اور اس کے تمام اجزاء و شرائط شریعت کے حکم کے مطابق ہوتے ہیں۔ اس کی نماز میں خلوص ہوتا ہے وہ خدا کے لئے ہوتی ہے، ایسی نماز ہوتی ہے کہ جس میں انسان کی پوری توجہ خدا کی طرف ہوتی ہے، وہ صرف خدا کو دیکھتا ہے کسی اور چیز کو نہیں دیکھتا ہے۔ اپنی نماز پر توجہ رکھتا ہے کہ کیا کہہ رہا ہے، کس سے مخاطب ہے، وہ جانتا ہے کہ اس رکوع وسجود کا کیا مقصد ہے وہ نماز میں خدا، اس کی عظمت و بزرگی اور اس کی ربوبیت پر بھی توجہ رکھتا ہے۔

بلکہ وہ تمام واجب کاموں کو اسی طرح انجام دیتا ہے، اگر وہ روزہ رکھتا ہے تو اس کے سارے اعضاء وجوارح روزہ رکھتے ہیں۔ اگر انفاق وقربانی کرتا ہے تو بہترین چیز کی قربانی کرتا ہے۔ اگر وہ

(۱) آل عمران: ۹، رعد: ۳۱

نیک باتوں کا حکم دیتا ہے اور بری باتوں سے روکتا ہے تو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے تمام شرائط کی پابندی کرتا ہے۔

### ۳. حُسْنُ الظَّنِّ باللّٰہِ

عقل کا تیسرا جزیہ ہے کہ انسان خدا کے بارے میں حسن ظن رکھتا ہے۔

خدا سے بدگمان ہونا بہت بری بات ہے مثلاً کوئی ایسا عقیدہ قائم کرے کہ خدا مجھے ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ خدا سے بخشش کی امید رکھنا چاہئے اور خدا کے بارے میں حسن ظن رکھنا چاہئے۔

یہ امید رکھنا چاہئے کہ خدا مجھے بخش دے گا اور مجھ پر رحم کرے گا اس خیال کے ساتھ عبادت کرنی چاہئے یہی حسن ظن ہے لیکن امید و رجاء کے ساتھ ساتھ خوف خدا بھی ہونا چاہئے۔

لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے فرمایا تھا:

خداوند عالم سے اتنا ڈرو! کہ اگر تم ساری مخلوقات کی طاعت بھی لے جاؤ تو بھی خدا سے ڈرتے رہو کہ شاید بخشش نہ ہو اور خدا سے رحم و مغفرت کی امید اتنی قوی ہونی چاہئے کہ اگر تمام مخلوقات کے گناہ کے ساتھ اس کی بارگاہ میں جاؤ تو یہ امید رکھو کہ وہ رحیم ہے بخش دے گا۔(۱)

پس خوف و رجاء کو مساوی مقدار میں ہونا چاہئے:

ایک روایت میں بیان ہوا ہے کہ:

اگر مومن بندے کے دل کو چیرا جائے تو اس میں دو نور نظر آئیں گے ان میں سے ایک خوف ہے اور

---

(۱) کافی ج۲ص۶۷،عن ابي اعبد اللهؑ قال: قلت له ما كان في وصية لقمانؑ قال: كان فيها الأعاجيب و كان أعجب ما كان فيها أنْ قال لابنه: خَفِ اللّٰهَ عزَّ و جلَّ خِيفةً لو جئته ببرِّ الثقلين لعذَّبك و ارْجُ اللّٰهَ رَجاءً لو جئته بذنوب الثقلين لَرَحِمَكَ ثم قال ابو عبد اللهؑ: كان ابي يقول: انّه ليس مِنْ عبدٍ مؤمنٍ اِلَّا "و" في قلبه نوران نور خيفة و نور رجاء لو وزن هذا لم يزد علىٰ هذا و لو وزن هذا لم يزد علىٰ هذا۔

دوسرا رجاء ہے۔(۱)

حضرت سید الشہداءؑ کا ارشاد ہے:

"لا يأمَنُ يومَ القيامَةِ اِلاّ مَنْ خافَ اللّهَ في الدنيا". (۲)

روزِ قیامت خدا کے عذاب سے کوئی نہیں بچے گا مگر وہ شخص جو دنیا میں خدا سے ڈرتا تھا (اس خوف کے سبب وہ خدا کی نافرمانی نہیں کرتا تھا)۔

دوسری روایت میں آیا ہے:

"أنا عِنْدَ حُسْنِ ظَنِّ عَبْدِي المؤمِنِ بي "(۳)

میں اپنے بندے کے حسن ظن کے پاس ہوں (وہ مجھے جیسا سمجھتا ہے میں اس کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرونگا)۔

انسان کو خدا کی رحمت و بخشش کی امید رکھنا چاہئے اور اس کے بارے میں حسن ظن رکھنا چاہئے لیکن صرف امید اور حسن ظن کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ خوفِ خدا بھی ہونا چاہئے۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

"أُوصيكُم بِخَمْسٍ لو ضَرَبْتُم اِليها آباطَ الاِبِلِ لكانَتْ لِذٰلِكَ أهْلاً: لا يَرْجُوَنَّ أحَدٌ مِنْكُم اِلاّ رَبَّهُ ولا يَخافَنَّ اِلاّ ذَنْبَهُ ولا يَسْتَحِيَنَّ أحَدٌ مِنْكُم اِذا

(۱) عدۃ الداعی ۳۴، بحار الانوار ج ۱۳ ص ۴۱۱، تفسیر قمی ج ۲ ص ۱۶۴، قال لقمان لابنه ناٰمان "ماثان": يا بُنَيَّ لو شُقَّ جوف المؤمن لوُجِدَ علىٰ قلبه سطران من نور لو وزنا لم يرجح احدهما علىٰ الآخر مثقال حبّة من خردل احدهما الرجاء والآخر الخوف۔

(۲) بحار الانوار ج ۴۴ ص ۱۹۲، و من زهدهٗ انّه قيل له: ما اعظم خوفك من ربك؟ قال لا يأمن من يوم القيامة اِلّا من خاف الله فى الدينا۔

(۱) بحار الانوار ج ۷۰ ص ۳۸۵، عن الرضاؑ: قال احسن بالله الظنّ فانّ اللّٰه عزّ و جلّ يقول: انا عند حُسْنِ ظَنِّ عبدي المؤمِنِ بي اِن خيرٌ فخير و اِنْ شرٌّ فشرّ۔

سُئِلَ عَمَّا لا يَعْلَمُ أنْ يَقُولَ لا أعْلَمُ و لا يَسْتَحِينَّ أحَدٌ اِذا لَم يَعْلَمِ الشَّيءَ أن يَتعَلَّمَهُ و عَلَيْكُم بالصَّبْرِ فاِنَّ الصَّبرَ مِنَ الايمانِ كالرّأسِ مِنَ الْجَسَدِ و لا خَيْرَ في جَسَدٍ لا رأسَ مَعَهُ و لا في اِيمانٍ لا صَبْرَ مَعَهُ" (۱)

میں تمہیں پانچ چیزوں کی وصیت کرتا ہوں ان کے حصول سے باز رکھنے کے لئے اگر تمہیں اونٹ کے پہلو سے باندھا جائے (اور اسے ہنکا دیا جائے اور وہ دوڑنے لگے (کہ جس سے تمہیں تکلیف ہو)، تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

۱. لا يَرْجُوَنَّ أحَدٌ مِنْكُم اِلاّ رَبَّهُ

تمہیں اپنے خدا کے علاوہ کسی سے امید نہیں رکھنا چاہئے۔

اس امید کے علاوہ کہ خدا تمہیں بخش دے گا دوسرے امور میں بھی تمہیں کسی سے امید نہیں رکھنا چاہئے خدا سے امید ہونا چاہئے اور بس۔

۲. و لا يَخافَنَّ اِلاّ ذَنْبَهُ

اور اپنے گناہ کے علاوہ کسی سے نہ ڈرو!

خدا سے بھی گناہ کی وجہ سے ڈرا جاتا ہے، انسان خدا سے اس لئے ڈرتا ہے کہ کہیں وہ اسے اس کے گناہ کی پاداش میں عذاب نہ دے ان دونوں کا تعلق بھی خوف ورجاہی سے ہے۔

جب انسان کو خدا سے امید ہوتی ہے تو وہ اپنے فرائض کو انجام دیتا ہے۔ خدا سے امید وابستہ رکھنا کافی نہیں ہے اگر وہ روزہ نہ رکھے، نماز نہ پڑھے اور کوئی دوسری عبادت نہ بجالائے تو ایسی امید سے کیا فائدہ ہوگا؟ اور اگر کوئی ایسی امید رکھتا ہے تو ایسے آدمی کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ جس نے نہ زمین جوتی ہو، نہ کھیتی کی ہو اور پھر یہ توقع رکھتا ہو کہ اس سال خدا اسے بہت سا غلہ عطا کرے گا۔ یہ خودفریبی ہے امید نہیں ہے۔ امید کے ساتھ عمل ہوتا ہے۔ یہی امید کی حقیقت ہے۔

---

(۱) نہج البلاغہ کلمہ ص ۸۲

حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

**لا تَكُنْ مِمَّن يَرْجُو الآخِرَةَ بِغَيرِ عَمَلٍ (۱)**

اس شخص کی مانند نہ ہونا کہ جو عمل کے بغیر آخرت میں کامیابی کی امید رکھتا ہے۔

خوف کی یہ صورت ہونی چاہئے کہ ایک طرف خدا سے خوف بھی رکھتا ہو اور عبادت بھی کرتا ہو، اپنے فرائض بھی انجام دیتا ہو، اپنے گناہ اور اعمال کی کمی سے خائف بھی رہتا ہو، مختصر یہ کہ خوف و رجاء کو عمل کے ساتھ ہونا چاہئے۔

۳. **ولا يَسْتَحِيَنَّ أحَدٌ مِنْكُمْ اِذا سُئِلَ عَمَّا لا يَعْلَمُ أن يَقُولَ لا أعْلَمُ**

جب تم میں سے کسی سے اس چیز کے بارے میں سوال کیا جائے کہ جس کو وہ نہیں جانتا ہے تو اسے یہ کہنے میں کہ "میں نہیں جانتا" شرم نہیں آنا چاہئے۔

---

(۱) نہج البلاغہ کلمہ حکمت ۱۵۰ وقال (ع) لرجل سأله ان يعظه: لا تكن ممّن يرجو الآخرة بغير عمل وَيُرَجِّي التوبة بطول الأمل يقول فى الدّنيا بقول الزاهدين و يعمل فيها بعمل الراغبين اِنْ اُعْطِيَ منها لم يشبع و ان منع منها لم يقنع يَعْجَزُ عن شُكْرِ ما اُوتي و يبتغي الزيادة فيما بقي ينهىٰ ولا ينتهي و يأمر بما لا ياتي يُحِبُّ الصالحين ولا يعمل عملهم و يبغض المذنبين و هو أحدهم يكرهُ الموتَ لكثرةِ ذُنُوبِهِ و يُقيم علىٰ ما يكره الموت مِنْ أجلهِ اِن سَقِمَ ظل نادما و ان صح امن لاهياً يُعْجَبُ بنفسه اذا عوفي و يَقْنَطُ اذا ابتُلِيَ اِن اصابه بلاءٌ دعا مضطراً و ان ناله رخاء اعرض مُغْتَرّاً تغلبه نفسه علىٰ ما يَظُنُّ ولا يغلبها علىٰ ما يستيقن يخاف علىٰ غيره بادنىٰ من ذنبه و يرجو لنفسه بأكثر من عمله ان استغنىٰ بَطِرَ و فُتِنَ و ان افْتَقَرَ قَنِطَ و وَهَنَ يُقَصِّرُ اذا عمل و يُبَالِغُ اذا سأل ان عرضت له شهوة أسلفَ الْمَعْصِيَةَ و سَوَّفَ التوبة و ان عَرَتْهُ مِحْنَةٌ انفرج عن شرائط المِلَّةِ يَصِفُ العِبْرَةَ ولا يَعْتَبِرُ وَيُبالِغُ في الْمَوْعِضةِ ولا يَتَّعِظُ فَهُوَ مِنَ الْقول مُدِلٌّ ومِنَ العَمَلِ مُقِلٌّ يُنافِسُ فيما يَفْنىٰ ويُسامِحُ فيما يبقى يَرى الغُنْمَ مغرماً والغُرْمَ مغنماً يخشىٰ الموتَ ولا يُبادرُ الفَوْتَ يَسْتَعْظِمُ مِنْ معصيةِ غيره ما يَسْتَقِلُّ اكثرَ منهُ مِنْ نَفْسِهِ ويستكثرُ مِنْ طاعته ما يَحْقِرُه من طَاعَةِ غَيْرِهِ فَهُوَ علىٰ النّاس طاعِنٌ و لنفسه مُداهِنٌ اللهوُ مع الأغنياءِ أحبُّ اليه من الذّكر مع الفقراء يَحْكُم علىٰ غيره لنفسه ولا يَحْكُمُ عليها لِغيرهِ يُرشِدُ غَيْرَهُ و يُغوي نفسه فهو يُطَاعُ ويَعْصِي ويَسْتَوفي ولا يوفي ويَخْشىٰ الخَلْقَ في غيرِ ربِّه ولا يخشىٰ ربَّهُ في خَلْقِهِ۔

۴. ولا يَسْتَحِيَنَّ أحَدٌ اِذا لَمْ يَعْلَم الشَّيءَ أن يَتعلَّمَهُ.

اگر تم میں سے کوئی شخص کوئی بات نہیں جانتا ہے تو اسے سیکھنے میں شرم نہ کرے۔

اگر لوگ اس سے کوئی بات معلوم کریں اور وہ اسے نہ جانتا ہو تو اسے صاف لفظوں میں یہ کہہ دینا چاہئے کہ میں نہیں جانتا، کیونکہ انسان لوحِ محفوظ نہیں ہے کہ وہ ساری چیزیں جانتا ہو اگر نہیں جانتا ہے تو یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ میں نہیں جانتا، دیکھ کے بتاؤنگا۔

۵. وَعَلَيكُم بالصَّبْرِ فاِنَّ الصَّبْرَ مِنَ الايمانِ كالرّأسِ مِنَ الجَسَدِ ولا خَيْرَ في جَسَدٍ، لا رَأسَ مَعَهُ ولا في اِيمانٍ لا صَبْرَ مَعَهُ.

تمہارے لئے (تمام مشکلوں اور دشواریوں میں) صبر کرنا ضروری ہے۔ صبر ایمان کے لئے ایسا ہی ہے جیسے بدن کے لئے سر، اگر بدن پر سر نہ ہو تو بے کار ہے اور اگر ایمان کے ساتھ صبر نہ ہو تو اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہے۔

❁❁❁❁❁

# نبوت

# نبوّت عامّه

# پہلی تقریر

انبیاء کی بعثت ضروری ہے
دین کی تعریف
نبی، رسولؑ اور اولوالعزم میں فرق
انبیا کا وجود ضروری ہے (امام صادقؑ کے کلام کی روشنی میں)
انبیاء کے صفات (عصمت وعلم اور قدرت وعلم)
حجتِ خدا کا قیامت تک زمین پر رہنا ضروری ہے

بشر کی زندگی کے لئے وجودِ انبیاء اور قانون الٰہی ضروری ہے روئے زمین پر حجّت خدا کا وجود لازمی ہے صفاتِ انبیاء کی کیفیت

نبوت کے اثبات کے بارے میں حکماء کہتے ہیں:

ایک طرف بشر کی بے پناہ حاجتیں ہیں، اسے بیوی، بچوں اور روٹی، کپڑے کی ضرورت ہے دوسری طرف یہ تنہا زندگی نہیں گزار سکتا اور نہ اپنی ضرورت کی تمام چیزوں کو فراہم کرسکتا ہے بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ اجتماعی زندگی بسر کرے اور معاشرہ کے ہر فرد کے لئے ضروری ہے کہ ایک کام کی انجام دہی کی ذمہ داری قبول کرے۔ کوئی تجارت کرے، کوئی سلائی کرے، کوئی تنور میں روٹی لگائے، مختصر یہ کہ ہر ایک کو کوئی کام کرنا چاہئے تا کہ لوگ زندہ رہ سکیں۔ انسان کو جس اجتماعی زندگی کی ضرورت ہے اس کا لازمہ یہ ہے کہ انسانوں کا ایک گروہ ایک جگہ جمع ہو کر زندگی بسر کرے نہ کہ جنگلوں اور بیابانوں میں پراگندہ رہیں۔ انسانوں کے اس اجتماع کو تمدن کہتے ہیں اور جہاں یہ جمع ہوتے ہیں اس جگہ کو مدینہ - شہر - کہتے ہیں۔ اسی بنا پر یہ کہا جاتا ہے:

"الاِنْسانُ مُدُنيٌّ بالطبع. یا: مَدَنيٌّ بالطّبع"

یعنی انسان طبعی طور پر اجتماعی زندگی کا محتاج ہے۔

انسان کے اندر قوت شہوتِ وقوتِ غضب موجود ہے اور قوت شہوت کی بنا پر ہر انسان اپنے منافع حاصل کرنا چاہتا ہے اور قوت غضبیہ کے ذریعہ وہ ضرر ونقصان کو دفع کرتا ہے۔ وہ ایک جگہ اس لئے جمع

ہوئے ہیں تا کہ باہم زندگی گزاریں دوسری طرف چونکہ ان کے اندر قوت غضبیہ اور قوت شہوانیہ ہے لہذا ان میں اعتدال پیدا کرنے کے لئے ایک قانون کی ضرورت ہے تا کہ ظلم وزیادتی سے ایک دوسرے کے حقوق غصب نہ کریں۔

بنا برایں اگر قانون سازی خود انسان کے ہاتھ میں ہوتو ہر گروہ ایسے قانون بنائے گا جس میں اس کا فائدہ اور دوسرے لوگوں کا نقصان ہو، وہ عدل پر مبنی قوانین نہیں بنا سکے گا۔ پس انسان کے بنائے ہوئے قوانین عادلانہ نہیں ہو سکتے لہذا انسان کی زندگی کا دستور اس کے خالق و مالک خدا کی طرف سے ہونا چاہئے اور نبی کے ذریعہ انسانوں تک پہنچنا چاہئے۔

اسی قانون کو ہم دین کہتے، یہی دین انسان کو خدا کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

دین، ایک ضابطہ ہے جس میں واجبات، احکام اور خدا کے بنائے ہوئے دستورات ہیں جو خدا کی طرف سے تیار ہوکر آئے ہیں اور نبی کے ذریعہ انسانی معاشرہ تک پہنچے ہیں۔

مختصر یہ کہ انسان کی ضرورتیں بہت زیادہ ہیں انہیں ضرورتوں کی بنا پر وہ اجتماع کا محتاج ہے، بشر ہے اس لئے اجتماعی قوانین درکار ہیں اور ان قوانین کو عدل پر مبنی ہونا چاہئے، تا کہ ان سے معاشرہ کی فرد فرد مستفید ہو سکے اور کسی پر ظلم نہ ہو، ظاہر ہے یہ کام دین کے بغیر انجام پذیر نہیں ہوگا۔

یہ تو ثابت ہو گیا کہ بشر خدائی قانون کا محتاج ہے لیکن اس خدائی قانون اور دین کو بندوں تک کون پہنچائے؟

جواب: خدا اور اس کی مخلوق کے درمیان وہی واسطہ بن سکتا ہے جو نبوت ایسے بلند مرتبہ پر فائزہ ہوتا ہے اسی کو نبی کہتے ہیں۔

نبی میں اس بلند مرتبہ پر پہنچنے کے نتیجہ میں ایسی صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ خدا اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ قرار پائے اور دین خدا کو کسی کمی زیادتی کے بغیر لوگوں تک پہنچا دے۔

نبوت یہ ہے کہ پیغمبروں پر خدا کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔

اگر کسی نبی کو یہ حکم ہو کہ دوسروں کو بھی ہدایت کرے تو وہ نبی ہی نہیں بلکہ رسول بھی ہے اور اگر اس کو اپنے زمانہ کے لوگوں کے علاوہ بعد والے زمانے کے لوگوں کو دعوت دینے کا بھی حکم ہو تو وہ اولوالعزم ہے اور اگر اس کا دین قیامت تک کے لئے ہو تو وہ خاتم النبیین ہے۔(۱)

واضح ہے کہ مقام خاتمیت، جس پر ہمارے رسولؐ فائز ہیں، رسالت کے تمام مراتب سے بلند ہے۔

نبوت کے اثبات کے سلسلہ میں بہت زیادہ روایتیں وارد ہوئی ہیں ان ہی میں سے امام صادقؑ کی روایت بھی ہے۔

اسلام مخالف اور نبوت کے منکروں میں سے ایک شخص نے آپؑ کی خدمت میں عرض کی:

"مِنْ أينَ أثْبَتَ الأنْبِياءَ و الرّسُلَ؟"

قال: اِنّا لَمّا أثْبَتْنا أنَّ لنا خَالِقاً صَانِعاً مُتَعالِياً عَنّا وعَنْ جَمِيعِ ما خَلَقَ و كَانَ ذٰلِکَ الصّانِعُ حَكِيماً مُتَعالِياً لَم يَجُزْ أن يُشاهِدَهُ خَلْقُهُ ولا يُلامِسُوهُ فَيُباشِرُهُمْ ويُباشِرُوهُ ويُحَاجُّهُمْ ويُحَاجُّوهُ، ثَبَتَ أنَّ لَهُ سُفَراءَ في خَلْقِهِ؛

(۱) کافی ج۱ص۱۷۶ عن زرارة قال: سألت ابا جعفر عن قول الله عزّ و جلّ: ﴿و كان رسولاً نبياً﴾ "مريم/ ۵۱" ما الرّسول وما النبي؟ قال: النّبي الّذي يرىٰ في منامه و يسمع الصوت ولا يعاين الملك و الرّسول الّذى يسمع الصوت و يرىٰ في المنام و يعاين الملك۔ قلت: الامام ما منزلته؟ قال: يسمع الصوت ولا يرىٰ ولا يعاين الملك ثم تلا هذه الآية: ﴿وما أرسلنا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ ولا نَبِيٍّ﴾ "حج/ ۵۲" ولا محدثٍ۔ و في العيون ج۲ ص ۸۰ عن ابى الحسن الرضاؑ قال: انّما سُمِيَ أُولو العزم أُولي العزم لأنَّهُم كانوا أصحاب الشرائع و العزائم و ذلك ان كل نبي بعد نوحؑ كان علىٰ شريعته و منهاجه و تابعاً لكتابه الىٰ زمن ابراهيم الخليلؑ و كل نبي كان في ايام ابراهيم وبعده كان علىٰ شريعته و منهاجه و تابعاً لكتابه الىٰ زمن موسىٰؑ و كل نبيٍّ كان في زمن موسىٰ و بعده كان علىٰ شريعة موسىٰ و منهاجه و تابعاً لكتابه الىٰ ايام عيسىٰؑ و كل نبي كان فى ايام عيسىٰ و بعده كان علىٰ منهاج عيسىٰ و شريعته و تابعا لكتابه الىٰ زمن نبيّنا محمدؐ فهولاء الخمسة أُولو العزم فهم أفضل الأنبياء و الرّسلؑ و شريعة محمدؐ لا تُنْسَخ الىٰ يوم القيامة ولا نبيَّ بعده الىٰ يوم القيامة فمن ادّعىٰ بعده نبوّةً أو اتى بعد القرآن بكتاب فدمه مباح لكلٍّ من سمع ذلك منه۔

يُعَبِّرُونَ عَنْهُ اِلىٰ خَلْقِهِ وعِبادِهِ ويَدلُّونَهُم عَلىٰ مَصَالِحِهِم ومَنافِعِهِمْ وما بِهِ بَقائُهُم وفي تَرْكِهِ فَنائُهُمْ؛ فَثَبَتَ الآمِرُونَ والنَّاهُونَ عَنِ الحَكِيمِ العَلِيمِ في خَلْقِهِ والمُعَبِّرُونَ عَنهُ جَلَّ وعَزَّ وهُمُ الأنْبِياءُ وصَفْوَتُهُ مِنْ خَلْقِهِ، حُكَماءُ مُؤَدِّبِينَ بالحِكْمَةِ، مَبْعُوثِينَ بِها، غَيْرَ مُشَارِكِينَ للنّاسِ علىٰ مُشارَكتِهِم لهم في الخَلْقِ والتَّرْكِيبِ؛ في شيءٍ مِن أحْوالِهِم، مؤيَّدينَ مِن عِندِ الحَكيمِ العَلِيم بالحِكْمَةِ؛ ثُمَّ ثَبَتَ ذلک في كلِّ دَهْرٍ وزمانٍ أتَتْ بهِ الرُّسُلُ والأنبياءُ من الدّلائلِ والبَراهينِ، لِكَيْلا تَخْلُوا أرْضُ اللّٰهِ مِنْ حُجَّةٍ يَكُونُ مَعَهُ عِلمٌ يَدِلُّ علىٰ صِدْقِ مَقالَتِهِ وجوازِ عَدالَتِهِ.

آپ یہ بات کہاں سے ثابت کرتے ہیں کہ انبیاء اور رسل خدا کی طرف سے آئے ہیں؟ فرمایا: جب یہ ثابت ہو گیا کہ ہمارا ایک خالق ہے اور وہی صانع عالم ہے جو ہم سے اور تمام مخلوقات سے بلند و افضل ہے اور یہ حکمت والا صانع سب پر غالب ہے اور ہم اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مخلوقات میں کوئی اُسے دیکھ نہیں سکتا اور نہ کوئی اسے چھو سکتا ہے کہ وہ ان کے ساتھ رہے یا مخلوق اس کے ساتھ رہے یا وہ ان سے گفتگو کرے یا مخلوقات اس سے گفتگو کرے، پس ثابت ہوا کہ اس حکمت والے خدا کے سفیر ہوں تا کہ یہ سفراء اس کے بندوں کی ان کے نفع کی طرف راہنمائی کریں اور ان چیزوں سے ہوشیار کریں جن سے ان کو ضرر ہو سکتا ہے اور انہیں یہ بتائیں کہ تمہیں فلاں کام کرنا ہے اور فلاں کام نہیں کرنا ہے تا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہیں اور انہیں یہ سمجھائیں کہ اگر نہیں کرو گے تو نابود ہو جاؤ گے اور ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہو گے۔

معلوم ہوا کہ خدا کے کچھ سفیر ہیں انہیں کو انبیا و رسل کہتے ہیں، یہ دانشور اور صاحبان حکمت ہیں یہ علم و دانش کے آخری درجہ پر فائز ہیں، ان میں اور دوسرے لوگوں میں یہ فرق ہے کہ وہ خدا کی طرف سے علم و دانش سے آراستہ ہوتے ہیں خدا نے انہیں اپنی مخلوقات کی تعلیم و تربیت ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔

یہ اپنی خلقت میں بشر کی مانند آنکھ، کان اور اعضاء و جوارح رکھتے ہیں راستہ چلتے ہیں، کھانا کھاتے ہیں مختصر یہ کہ ایسے ہی دیگر امور میں بھی وہ لوگوں کے شریک ہیں۔ لیکن روحانی لحاظ سے وہ لوگوں سے کہیں بلند ہوتے ہیں (کیونکہ ان کے اندر روح قدسی ہوتی ہے اور لوگوں میں یہ روح نہیں ہوتی) پس ثابت ہوا کہ کچھ ممتاز و نمایاں افراد بشر کی ہدایت کے لئے خدا کی طرف سے مبعوث ہوئے ہیں تا کہ ان کے سامنے خدا کے اوامر و نواہی بیان کریں۔

البتہ یہ خدائی شخصیتیں، علم و حکمت اور صفات و اخلاقیات میں عام لوگوں کی مانند نہیں ہیں۔ یہ خدا کے اسماء و صفات کے مظہر ہیں۔ انبیاء میں چار صفات ہونے چاہیئے تا کہ خدا کی ذات کا مظہر قرار پائیں۔

۱۔ انہیں حق کا مظہر ہونا چاہیے اسی لئے انہیں صفتِ عصمت سے متصف ہونا چاہیئے تا کہ ان کی فکر، گفتگو اور عمل میں خطا نہ ہو۔

انبیاء کا معصوم ہونا اس لئے ضروری ہے تا کہ معاشرہ ان پر اعتماد کرے وہ خدا کی وحی میں کمی بیشی نہیں کریں گے اور ان سے خطا و معصیت صادر نہیں ہوگی۔

۲۔ انبیاء کو علم و حکمت کے لحاظ سے بھی ذات خدا کا مظہر ہونا چاہیئے تا کہ وہ خدائی احکام اور دستورات کو خدا سے حاصل کریں اور لوگوں تک پہنچائیں۔

انبیاء کا علم و حکمت سے آراستہ ہونا بھی ضروری ہے کہ جس کے نتیجہ میں وہ تمام نیکیوں اور بدیوں سے واقف ہوں اور لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیں اور برائیوں سے روکیں۔

۳۔ انبیاء کو خدا کی قدرت کا مظہر ہونا چاہیئے یعنی انہیں ایسے کام انجام دینا چاہیئے جن کو دوسرے لوگ انجام نہ دے سکیں، اسی کو معجزہ کہتے ہیں اور یہی ان کی نبوت کی صداقت کی دلیل ہے۔

۴۔ انبیاء کو خدا کی رحمت کا مظہر ہونا چاہیئے تا کہ رحمت خدا کا مظہر ہونے کے نتیجہ میں اپنے اوپر ہونے والے ظلم و ستم پر صبر کریں اور اپنی رسالت کا فریضہ ادا کریں۔

امام صادقؑ نے انبیاءؑ کی بعثت کی ضرورت اور ان کے صفات کو بیان کرنے کے بعد اس اہم نکتہ کو

بیان کیا ہے:

خدا کی ان حجتوں کو ہر زمانہ میں قیامت تک رہنا چاہیئے برحق خلیفہ کو خدا کی طرف سے معین ہونا چاہیئے تا کہ لوگوں پر حجّت تمام ہو جائے اور وہ کسی بھی زمانہ میں حجّت خدا سے خالی نہ رہیں (حجتِ خدا یعنی انبیاء اور ان کے اوصیا)۔

حدیث کے اس جملہ ''ثم ثبت ذالک فی کل دھر و زمان'' سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان ذوات مقدس، انبیاء و ائمہ کو ہر زمانہ میں روئے زمین پر موجود اور زندہ رہنا چاہیئے قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿اِنّي جاعِلٌ في الأرضِ خَلِيفَةً﴾(۱)

میں روئے زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔

بشر کی خلقت کا مقصد یہ قرار دیا ہے کہ روئے زمین پر ہمیشہ خدا کا خلیفہ رہے جیسا کہ فرماتا ہے:

﴿ومَا خَلَقْتُ الجنَّ والاِنْسَ اَلّا ليَعْبُدُونِ﴾(۲)

اور ہم نے جن وانس کو نہیں خلق کیا مگر عبادت کے لئے۔

خداوند عالم کے کلام کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ہر عہد میں ایک انسانِ کامل ہونا چاہیئے جو خدا کی عبادت اس طرح کرے جیسا کہ عبادت کا حق ہے کیونکہ اگر روئے زمین پر خلیفہ خدا، انسانِ کامل اور مردِ حق آگاہ نہیں ہونگے تو پھر فرشتوں کی یہ بات صحیح ہو جائیگی:

﴿أتَجْعَلُ فيها مَنْ يُفْسِدُ فيها وَ يَسْفِكُ الدِّماءَ ونَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ ونُقَدِّسُ لَكَ﴾(۳)

کیا روئے زمین پر اس کو خلیفہ بنائے گا کہ جو اس میں فساد وخونریزی کرے گا حالانکہ ہم تو ہمیشہ

(۱) بقرہ:۳۰ (۳) بقرہ:۳۰

(۲) ذاریات:۵۶

تیری تسبیح وتقدیس کرتے ہیں۔

حضرت امیر المومنینؑ نے جناب کمیل بن زیاد نخعی سے جو حدیث بیان فرمائی ہے اس میں بھی یہ بیان ہوا ہے کہ زمین حجّت خدا سے خالی نہیں ہے۔ارشاد ہے:

"اَللّٰهُمَّ بَلَىٰ لا تَخْلُو الأرضُ مِنْ قائمٍ لله بحُجَّةٍ اِمَّا ظاهِراً مَشْهُوراً و اِمَّا خائِفاً مَغْمُوراً."(۱)

ہاں یہ زمین کبھی حجّت سے خالی نہیں رہتی ہے، یہ حجّت کبھی اس طرح ہوتی ہے کہ لوگ اسے دیکھتے ہیں اور کبھی لوگوں کی نظروں سے غائب ہوتی ہے۔

اس سلسلہ میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں کہ اگر زمین حجّت خدا سے خالی ہوگی تو اپنے بسنے والوں سمیت دھنس جائیگی۔

"لَوْلا الحُجَّةُ لَسَاخَتِ الأرْضُ بأهْلِها"(۲)

بعض روایتوں میں یہ ہے کہ اپنے باشندوں سمیت موج مارے گی اور ایک روایت میں یہ وارد ہوا ہے۔(۳)

"النُّجُومُ أمانٌ لأهْلِ السَّماءِ وأهْلُ بَيْتِي أمانٌ لاُمّتي فإذا ذَهَبَ النُّجُومُ ذَهَبَ أهْلُ السّماءِ واذا ذَهَبَ أهْلُ بَيْتي ذَهَبَ أهْلُ الأرضِ."(۴)

ستارے آسمان والوں کے لئے باعث امان ہیں اور میرے اہل بیتؑ زمین والوں کے لئے

(۱) نہج البلاغہ کلمہ حکمت:۱۴۷

(۲) بحار الانوار ج۶۰ ص۲۱۳

(۳) کافی ج۱ ص۱۷۹، بحار الانوار ج۲۳ ص۳۴، عن أبي جعفرؑ لو أنَّ الامام رُفِع مِنَ الأرْضِ ساعة لماجت بأهلها كما يموج البحر بأهله.

(۴) بحار الانوار ج۲۷ ص۳۰۹

باعثِ امان ہیں۔ جب ستارے نہیں رہیں گے تو آسمان والے ختم ہو جائیں گے اور میرے اہل بیتؑ نہیں رہیں گے تو زمین والے ختم ہو جائیں گے۔

معلوم ہوا اس زمین پر حجّت خدا کا وجود ضروری ہے کیونکہ اہل زمین اور آسمان والوں کا وجود حجتِ خدا ہی کے وسیلہ سے باقی ہے:

"بِيُمْنِه رُزِقَ الوَرَىٰ وبوجُودِهِ ثَبَتَتِ الأَرْضُ والسَّماءُ".

امام اور خدا کی حجّت کی برکت سے لوگوں کو رزق دیا جاتا ہے اور یہ زمین و آسمان انہیں کے طفیل میں باقی ہیں۔

بنا بر ایں آج دنیا، زمین و آسمان، امام زمانہؑ کے وجود کے طفیل میں قائم ہیں۔ اگر چہ آپؑ بظاہر لوگوں کے درمیان موجود نہیں ہیں کہ وہ براہ راست آپ کے وجود سے استفادہ کریں لیکن آپؑ کا وجود ہی خدا کی طرف سے لوگوں کے لئے لطف ہے۔

اس سلسلہ میں خواجہ نصیر الدّین طوسی لکھتے ہیں:

"وجُودُهُ لُطْفٌ وتَصَرُّفُهُ لُطْفٌ آخَرُ وعَدَمُهُ منّا". (۱)

امام زمانہ کا وجود خدا کی طرف سے لطف ہے اور اس دنیا میں آپؑ کا تصرف اور اس کے امور میں آپؑ کا دخل دوسرا لطف ہے ان کے ظاہری تصرف میں ہم مانع ہیں، ان کے فیض سے محرومی کا باعث ہم خود ہیں۔

یعنی لوگوں نے ایسی صلاحیت پیدا نہیں کی ہے کہ امام ظاہر ہو جائیں اور زمین کو ظلم و جور سے بھر جانے کے بعد عدل و انصاف سے پر کریں۔ پس ہماری طرف سے کوتاہی ہے، امامؑ کی طرف سے فیض جاری ہے۔

---

(۱) تجرید الاعتقاد بحث امامت

هر چه هست از قامت ناساز بی اندام ماست

و رنه تشریف تو بر بالای کس کوتاه نیست (۱)

جو بھی کوتاہی ہے وہ ہماری طرف سے ہے ورنہ تیرا دست کرم ہر ایک کے اوپر ہے۔

---

(۱) دیوان حافظ، اس کا مطلع یہ ہے: زاہد ظاہر پرست از ال ما آ گاہ نیست

# نبوّت خاصّه

# پہلی تقریر

بعثت کے وقت دنیا کی حالت اور
پیغمبر اکرمؐ کی بعثت کے آثار

بعثت کے وقت دنیا کی حالت
پیغمبر اکرمؐ کی بعثت کے آثار

حضرت امیر المومنینؑ نے رسولؐ کی بعثت اور اس وقت کے لوگوں کی حالت سے متعلق بہت سے خطبے دیئے ہیں ان میں سے ایک کا اقتباس درج ذیل ہے:

"أرْسَلَهُ وَاَعْلاَمَ الهُدی دارسَةٌ ومَناهِجَ الدِّينِ طامِسَةٌ فَصَدَعَ بالحَقِّ ونَصَحَ للخَلْقِ وهَدَی اِلیٰ الرُّشْدِ وأَمَرَ بِالقَصْدِ". (١)

خدا نے اپنے رسولؐ کو اس وقت مبعوث کیا جب ہدایت کے نشان مٹ چکے تھے اور دین کے طریقے محو ہو چکے تھے، خدا پرستی کا نام و نشان نہیں تھا، تمام لوگ جہالت و نادانی، ضلالت و گمراہی اور بدکرداری میں غرق تھے۔

"واعلاَمَ الهُدی دارِسَةٌ".

ہدایت کے نشان ماند پڑ گئے تھے۔

ایک گروہ چاند، سورج کی پوجا کر رہا تھا، کچھ لوگ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا سمجھ بیٹھے تھے اور بعض نے جناب عزیر کو خدا کا فرزند قرار دے لیا تھا، یہود و نصاریٰ کے درمیان مختلف قسم کے خرافات کا دور، دورہ تھا۔

---

(١) نہج البلاغہ: خطبہ ١٩٥

پوری دنیا سے خدا پرستی اٹھ چکی تھی، لوگ گمراہ ہو چکے تھے ایسے زمانہ میں حقیقت محمدؐیہ کا آفتاب چمکا اور دنیا کو خدا پرستی، علم وحکمت، اخلاق اور پسندیدہ صفات کے نور سے منور کر دیا۔

"ومَناهِجَ الدّينِ طامِسةٌ"

دین کے تمام راستے اجڑ گئے تھے۔

"فَصَدَعَ بِالْحَقِّ ونَصَحَ للخَلْقِ"

پس آپؐ نے حق کو آشکار کیا اور خلق خدا کو نصیحت کی۔

خدا کے رسولؐ نے خدا کی عبادت، صلاح ودرستی، اخلاق وپسندیدہ صفات اور مبداء ومعاد کے عقیدہ کی طرف دعوت دی یہ سب حق کے مصداق ہیں ان سب کو آپؐ نے زندہ کیا، رسولؐ نے حق کو اتنا بلند کیا کہ جس سے زیادہ بلندی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

"وهَدى الىٰ الرُّشْدِ وامَرَ بالقَصْدِ"

اور لوگوں کو سیدھے راستہ کی ہدایت کی اور اعتدال پسندی کا حکم دیا۔

یعنی آپؐ نے انہیں ان چیزوں کی طرف دعوت دی جو دنیا وآخرت کی سعادت وکامیابی کا وسیلہ تھیں، اور اس دین کی طرف بلایا جو معتدل اور دین وسط ہے اور اس عبادت کا طریقہ بتایا جس سے بلند عبادت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ بعبارت دیگر لوگوں کو میانہ روی کی طرف دعوت دی۔ یعنی انہیں عقائد وافعال اور اعمال میں حقیقی اعتدال کی طرف بلایا۔

رسولؐ نے یہ فرمایا کہ توحید وخدا پرستی کی دعوت کے بعد انبیاءؑ کی دعوت وتبلیغ، عدل وانصاف قائم کرنا اور ظلم وفساد کو برطرف کرنا ہے۔ جیسا کہ درج ذیل آیت میں خداوند عالم کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ أرْسَلْنَا رُسُلَنا بِالبيّنات و أنْزَلْنا مَعَهُمُ الكِتابَ والمِيزانَ لِيَقُومَ النّاسُ بِالْقِسْطِ﴾(۱)

ہم نے اپنے رسولوں کو آیتوں، نشانیوں، معجزوں اور واضح دلیلوں کے ساتھ بھیجا ہے اور اس کے

(۱) حدید: ۲۵

ساتھ کتاب ومیزان نازل کی ہے تا کہ لوگ حق کے ساتھ قیام کریں اوران کے درمیان عدل و انصاف قائم ہو جائے ۔اور فتنہ وفساداور ستم کا خاتمہ ہو جائے ۔

رسولؐ نے لوگوں کو خدا کی وحدانیت وعبادت،عقیدہ معاد،عدل قائم کرنے اور ظلم وفساد کو ختم کرنے کی طرف دعوت دی۔

حضرت امیر المومنینؑ نے اسی خطبہ میں ارشادفرمایاہے:

''واعْلَموا عِبادَ اللّٰہِ أنَّہُ لَمْ یَخْلُقْکُمْ عَبَثاً ولَمْ یُرْسِلْکُم ھَمَلاً''.

اور جان لو کہ خدا نے تمہیں عبث وبے مقصد نہیں پیدا کیا ہے۔

آیت میں ارشاد ہے:

﴿اَفَحَسِبْتُمْ أنَّما خَلَقْناکُمْ عَبَثاً وأنَّکُم اِلَیْنا لا تُرْجُعُونَ﴾(۱)

کیاتم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں عبث پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف پلٹا کر نہیں لائے جاؤ گے۔

پس جب یہ واضح ہوگیا کہ خدا نے معاشرۂ انسانی کو ایک بہت بلند مقصد کے لئے خلق کیا ہے تو اب اس بات کو سمجھنا آسان ہوگیا کہ دنیا وآخرت کی کامیابی وسعادت اسی چیز میں ہے جس کو رسولؐ لائے ہیں ہمیں مبداء ومعاد کو سمجھنے کی بھرپور طریقہ سے کوشش کرنا چاہئے ،ان کا اعتقاد رکھنا چاہئے اور اس چیز کو اپنا نصب العین قرار دینا چاہئے جس کو رسولؐ خدا کی طرف سے لائے ہیں اور ان احکام کو بجالانا چاہئے جو شریعت مقدسہ میں واجب کئے گئے ہیں اوران چیزوں سے پرہیز کرنا چاہئے جو اس میں حرام کی گئی ہیں اور جس کام کو بھی انجام دیں اسے شائستہ طریقہ سے انجام دیں ۔رسولؐ وائمہؑ نے جن کاموں کو انجام دینے کا حکم دیا ہے انہیں بجالائیں اور جن سے روکا ہے،ان سے باز رہیں ۔ان کے نقشِ قدم پر چلیں تا کہ دنیا و آخرت میں کامیاب ہو جائیں۔

❁❁❁❁❁

---

(۱)مومنون:۱۱۵

# دوسری تقریر

بعثت کے وقت دنیا کی حالت اور پیغمبر اکرمؐ کی بعثت کے منجموں اور کاہنوں کا آپؐ کی بعثت وظہور کی خبر دینا اور اس سلسلہ میں انوشیرواں اور شاپور کی ملاقات وگفتگو آثار

منجموں اور کاہنوں کا آپؐ کی بعثت کی خبر دینا، دنیا کے بدلتے ہوئے حالات میں ان کے آثار

شاپور کی عربوں کے ساتھ جنگ اور ان کا قتل عام

انوشیرواں کا خواب اور اس کی تعبیر

آنحضرت ؐ کی بعثت سے پہلے دنیا کے جو حالات قابل مطالعہ ہیں انہیں میں سے آپ ؐ کی بعثت اور ظہور سے قبل کاہنوں اور منجموں کا آپ ؐ کی رسالت کی خبر دینا بھی ہے۔

ان میں سے دو واقعات تاریخ میں بیان ہوئے ہیں:

ایک واقعہ شاپور ذوالاکتاف سے متعلق ہے جو کہ ایران کے -اکاسرہ- بادشاہوں میں سے تھا یہ اپنے باپ کے مرنے کے بعد سن طفولیت ہی میں تخت سلطنت پر پہنچ گیا تھا، یہ وہی زمانہ تھا کہ جب بادیہ نشین عرب ایران کی سرحدوں پر حملہ کرتے، لوگوں کو قتل کرتے اور ان کا مال واسباب لوٹ لیتے تھے چنانچہ جب شاپور بڑا ہوا تو اس نے عربوں سے انتقام لینے کا ارادہ کیا اور عرب پر لشکر کشی کی، عربوں کے قبائل پر ٹوٹ پڑا اور ان میں سے جو بھی ہاتھ آیا اسی کو قتل کر ڈالا تاریخ میں یہاں تک ملتا ہے کہ اس نے یہ حکم دے دیا تھا کہ عربوں کے شانوں میں سوراخ کر کے ان میں رسی ڈال دو، اس طرح انہیں سزا دیتا تھا، اسی بنا پر شاپور کو ذوالاکتاف کہا گیا ہے۔

وہ عربوں سے اسی طرح لڑتا رہا یہاں تک قبیلہ بنی تمیم تک پہنچا، بنی تمیم کا ایک بوڑھا اس کے پاس آیا اور کہنے لگا: ان لوگوں کو تم کس جرم میں قتل کر رہے ہو آخر تمہیں ان سے کیا دشمنی ہے؟

شاپور نے جواب دیا: انہوں نے ہمارے ملک کی سرحدوں پر حملہ کر کے لوگوں کو قتل کیا ہے اس لئے انہیں قتل کیا جا رہا ہے۔

اس بوڑھے نے جواب دیا: تم نے بھی ان کے کئی گنا لوگوں کو قتل کر دیا ہے کیا یہ تمہارے انتقام کے لئے کافی نہیں ہے؟

شاپور نے کہا: نہیں! ایک دوسری وجہ سے میں انہیں قتل کر رہا ہوں اور وہ وجہ یہ ہے کہ منجمین نے یہ خبر دی ہے کہ عرب میں ایک عظیم المرتبت شخص پیدا ہوگا اور اس کے ماننے والے ایران پر حملہ کر کے اس پر قابض ہو جائیں گے اس لئے میں انہیں نیست و نابود کر رہا ہوں تا کہ ایسا نہ ہو۔

اس بوڑھے نے کہا: جس واقعہ کے بارے میں یہ معلوم نہ ہو کہ ہوگا یا نہیں اس کے لئے ان لوگوں کو کیوں قتل کر رہے ہو اور اگر یہ امر شدنی ہے تو تم کم سے کم ظلم و تعدی کرو تا کہ اگر وہ تسلط پائیں تو تمہارے اوپر کم ظلم کریں۔

شاپور کو اس بوڑھے کی بات پسند آئی اور اس نے عربوں کی قتل و غارت گری سے ہاتھ کھینچ لیا۔

تاریخ منظومہ کے مولف میرزا صادق خان تفرشی کہتے ہیں:

جد مهین جد شه کائنات
مالك بن نظر علیه الصلواة

گفت به شاپور عنادت به کیست؟
علت خونریزی و دین ظلم چیست؟

گفت در این قرب به حکم نجوم
تا جوری آید از این مرزو بوم

نیست به دستش چه هلاك عجم
من ز عرب کینه او می کشم

گفت که این امر اگر بودنی است
مصلحت قتل در این وقت چیست؟

شاید از این قتل که کمتر بود

کینـــــه ی او بـــا تـــو سبك تـــر بـــود

گشــت ز مـــالك چـــه سخـن سـودمـنـد

جـــمـلـــه اعـراب عتيـقـــش شـدنـــد

مرحوم ادیب الممالک نے اس سلسلہ میں کچھ اشعار کہے ہیں:

بـنـویـس یـکـی نـامـه بـه شاپور ذو الاکتاف

کـز ایـن عـربـان سـت مبر نـا یژه مشکـاف

هشـدار! کـــه سـلـطـان عـرب داور انـصــاف

نــامــش بـگـرفتـه است از قــاف تـا قــاف

اینك بـدرد خشـمـش، پشت و جگر و ناف

آن را کـه درد نـامه اش از عجب و ز پندار(۱)(۲)

مورخین نے ایک دوسرا واقعہ بھی لکھا ہے:

حضرت رسولؐ کی ولادت کے وقت بہت سے عجیب وغریب واقعات رونما ہوئے مثلاً فارس کا آتشکدہ خاموش ہوگیا حالانکہ وہ ہزار سال سے روشن تھا اور مدائن کے قصر کے چودہ کنگرے گر پڑے اور اس کی چھتوں میں شگاف پڑ گئے (جو آج بھی موجود ہیں) اور دریائے ساوہ یک بیک خشک ہوگیا اور سماوہ کے بیابان میں- جو کہ بالکل خشک تھا- پانی بہنے لگا۔ بہت سے انوکھے واقعات رونما ہوئے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپؐ کی ولادت کے زمانہ میں انوشیرواں نے ایک وحشت ناک خواب دیکھا اور پریشان ہوا، ان کے سب سے بڑے عالم نے بھی ایسا ہی وحشت ناک خواب دیکھا۔

انوشیرواں جو کہ مضطرب و پریشان تھا اس نے عالم سے مشورہ کیا، اس نے کہا: اس خواب کا تعلق اس

---

(۱) دیوان ادیب الممالک فراہانی، مسمط شمارہ ی ابر خیز شتر بانا بر بد کجاوہ

(۲) البتہ ان اشعار کے آخر میں خسرو پرویز کا قصہ بیان ہوا ہے کہ جس زمانہ میں رسولؐ نے بعثت کے چھٹے سال تمام بادشاہوں، قبیلے کے سرداروں اور روم و یمن کے سلاطین کو خط لکھے تھے اس وقت ایک خط ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کو بھی تحریر کیا تھا۔

واقعہ سے ہے جو عرب میں رونما ہوا ہے۔ کسی ایسے آدمی کو طلب کیجئے کہ جو اس واقعہ سے آگاہ ہو، اس سے استفسار کیا انہوں نے عبدالمسیح کی نشاندھی کی، جب عبدالمسیح کسریٰ، (انوشیرواں) کے پاس آیا تو انوشیرواں نے اس سے کہا: یہ حوادث جو رونما ہوئے ہیں ان کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟

عبدالمسیح نے کہا: مجھے ان حوادث کی اطلاع نہیں ہے لیکن میرے ایک ماموں شام میں رہتے ہیں ان کا نام سطیح ہے میں ان کے پاس جاتا ہوں اوران سے معلوم کرونگا کہ ان حوادث کا راز کیا ہے۔

کسریٰ کی طرف سے عبدالمسیح کو شام جانے کا حکم ملا لیکن جب وہ شام پہنچا تو اس وقت وہ جاں بلب تھا ابھی عبدالمسیح اس کے پاس نہیں پہنچا تھا کہ اس نے اپنے عزیزوں سے کہا:

عبدالمسیح اونٹ پر سوار ہے اور سطیح کے پاس آ رہا ہے حالانکہ ان کی موت کا وقت قریب ہے۔ تمہیں ساسانی بادشاہ نے میرے پاس بھیجا ہے تا کہ تم مجھ سے معلوم کرو کہ مدائن کے قصر کے کنگرے کیوں گر پڑے اور فارس کا آتشکدہ کیوں خاموش ہو گیا اور موبد کے خواب کی تعبیر کیا ہے؟

پھر عبدالمسیح سے خواب سنے بغیر سطیح نے پورا خواب بیان کیا اور کہا:

موبد نے خواب میں دیکھا ہے کہ اہل عرب اونٹوں پر سوار ہو کر ایران میں داخل ہو گئے ہیں اور ایران میں پھیل گئے ہیں اور اس پر قابض ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد سطیح نے کہا:

اے عبدالمسیح جب انسانی معاشرہ میں تلاوتِ قرآن مجید بہت زیادہ ہوگی تو سمجھ لینا کہ صاحبِ عصا مبعوث ہو چکا ہے(۱) اور دریائے ساوہ خشک ہو گیا ہے، ساوہ کے بیابان میں پانی ہی پانی ہے اور فارس کا

(۱) صاحبِ عصا سے مراد رسولؐ ہیں۔ ملا رومی کہتے ہیں: رسولؐ جو قرآن لائے ہیں وہ حضرت موسیٰؑ کے عصا کی طرح فصحاء بلغاء اور علماء کے کلام نگل گیا، مثنوی میں آیا ہے:

| | |
|---|---|
| مصطفیٰ را وعده کرد الطاف حق | گر بمیری تو، نمیرد این سبق |
| من کتاب و معجزات را رافعم | بیش و کم کن را ز قرآن مانعم |
| چا کرانت شهرا گیرند و جاه | دین تو گیرد ز ماهی تا به ماه |
| هست قرآن مر تو را همچون عصا | کفرها را در کشد چون اژدها |
| تو اگر در زیر خاکی خفته ای | چون عصایش دان هر آنچ گفته ای |

آتشکدہ بجھ گیا ہے، اس وقت سطیح کے لئے شام، شام نہیں رہے گا (اور بابل میں ایران کی حیثیت نہیں رہے گی)(۱) اور مدائن کے قصر کے چودہ کنگرے اور طاق ڈھیر ہو جائیں گے۔ یہ سب اس بات کی علامت ہیں کہ ساسانیوں میں چودہ وہ مرد وزن حکومت کریں گے پھر جو ہونے والا ہے وہ ہوگا۔

---

(۱) قدیم عراق کو بابل کہتے تھے یہی علاقہ پھر لشکر اسلام کے زیر تسلط آیا تھا۔

# تیسری تقریر

بعثت رسولؐ کے وقت دنیا کی ثقافت و
ادب اور اعتقاد کی حالت
آفتاب رسالتؐ کے طلوع کے آثار

بعثت کے وقت دنیا کی ثقافت و ادب
آفتاب رسالت کا طلوع اور معاشرہ پر اس کے آثار

**قال اللّٰہ تبارک و تعالیٰ:**

**﴿یا ایُّھا النَّبیُّ اِنَّا أرْسَلناکَ شَاھِداً و مُبَشِّراً و نَذِیراً،و دَاعِیاً الیٰ اللّٰہِ بِاذْنِہِ و سِراجاً مُنیراً﴾(۱)**

اے نبیؐ ہم نے آپ کو گواہ، بشارت دینے والا اور (عذاب سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اس لئے مبعوث کیا ہے تا کہ آپؐ خدا کی اجازت سے لوگوں کو اس کی طرف بلائیں اور ان کے لئے روشن چراغ بن جائیں۔

رسولؐ کی ولادت کے وقت عجیب وغریب واقعات رونما ہوئے، اس بات کو صرف مسلمانوں نے ہی نہیں لکھا ہے بلکہ ایک حد تک منصف مزاج بعض دوسرے مصنفین نے بھی تحریر کیا ہے گوسٹا لبن نے لکھا ہے:

مسلمانوں نے رسولؐ کی ولادت کے زمانہ کے کچھ عجیب وغریب واقعات لکھے ہیں مثلاً یہ کہ فارس کا آتشکدہ بجھ گیا، بت منھ کے بل گر پڑے اور مدائن کے قصر کے چودہ کنگرے ٹوٹ گئے، ساوہ کا دریا سوکھ گیا اور ایسے ہی بہت سے واقعات تحریر کئے ہیں، گویا یہ واقعات جو کہ رسولؐ کے ظہور سے پہلے رونما ہوئے ایک

(۱) احزاب: ۴۵و۴۶

عظیم انقلاب کا پیش خیمہ تھے کیونکہ ان کے ظہور سے دنیا دیگر گوں ہوگئی۔(۱)

اگر ہم آنحضرتؐ کی ولادت سے پہلے اور آپؐ کی وفات کے بعد کی تاریخ کا مطالعہ کریں گے تو معلوم ہوگا کہ آپؐ کی ولادت و بعثت کے بعد دنیا از سر بدل گئی تھی اور عالم دیگر گوں ہو گیا تھا۔

اور اگر نہج البلاغہ کا مطالعہ کریں تو واضح ہوگا کہ حضرت علیؑ نے اپنے متعدد خطبوں میں اسلام سے پہلے، زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کی حالت و کیفیت کو بیان فرمایا ہے، آپؑ نے بعض خطبوں مس اس زمانہ میں عرب والوں کی وحشیانہ حرکتیں اور ان کی جہالت و نادانی، کفر و شرک اور ان کے اخلاقی انحطاط کو بیان کیا ہے، جبکہ چند خطبات میں پوری دنیا کے لوگوں کے حالات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ایک خطبہ میں فرماتے ہیں:

"اَرسَلَهُ عَلَیٰ حین فَتْرَةٍ مِنَ الرُّسُلِ وطُولِ هَجْعَةٍ مِنَ الْأُمَمِ واعْتِزامٍ من الفِتَنِ و انتِشارٍ مِنَ الْأُمُورِ و تَلَظٍّ من الحُروبِ، والدّنیا کاسِفَةُ النورِ، ظاهرةُ الغُرورِ، علیٰ حینِ اصفِرارٍ مِنْ وَرَقِها، و اِیاسٍ مِنْ ثَمَرِها، واغْوِرارٍ مِنْ مائِها، قَدْ دَرَسَتْ مَنارُ الهُدیٰ، وظَهَرَتْ اَعْلامُ الرَّدیٰ، فهی مُتَجَهِّمَةٌ لأهْلِهَا، عابِسَةٌ في وجْهِ طالِبِها، ثَمَرُها الفِتْنَةُ، وطَعَامُها الجیفَةُ، وشِعارُها الخَوفُ، ودِثارُها السَّیفُ."(۲)

(خدا نے اپنے رسولؐ کو اس وقت بھیجا جب رسولوں کی آمد موقوف تھی ایک عرصۂ دراز گذر چکا تھا کہ خدا کی طرف سے کوئی رسول نہیں آیا تھا، لوگ توحید، فطرت اور انسانی اخلاق کو بالکل بھول چکے تھے۔

---

(۱) تمدن اسلام و عرب ص ۱۰۶

(۲) نہج البلاغہ خطبہ ۸۹- دنیا کا پھل عبادت خدا، خدا کے عبادت گزار، راست گوئی اور تمام صفات کمالیہ ہیں:

نبینی بر درخت این جهان بار — مگر هوشیار مردای مرد هوشیار

درخت این جهان راسوی دانا — خرد منداست بار و بی خرد خار

(دیوان ناصر خسرو ص ۱۴۴)

امتیں مدتوں سے پڑی سو رہی تھیں، پوری دنیا میں فتنوں کا دور دورہ تھا تمام چیزوں کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا پوری دنیا میں جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے، صفحۂ ہستی سے عبادت خدا اور علم و دانش کا نور ختم ہو چکا تھا۔ دنیا کی فریب کاریاں آشکار تھیں دنیا کے پتے زرد ہو چلے تھے ان کی خزاں کا وقت قریب تھا اس کے پھلوں سے نا امیدی تھی۔(۱) اس زمانہ میں پانی زمین میں تہ نشیں ہو چکا تھا (فضائل و کمالات جو کہ معاشرہ کو پانی ہی کی مانند زندگی بخشتے ہیں معاشرہ میں ان کا نشان تک باقی نہیں رہا تھا)، ہدایت کے نشانات مٹ چکے تھے اور ضلالت و گمراہی کے پرچم کھل چکے تھے، دنیا اپنی گود کے پالوں کے سامنے تیوری چڑھانے کھڑی تھی اور دنیا داروں کی طرف سے اس نے رخ موڑ لیا تھا، اس کا پھل فتنہ و فساد اور کفر و شرک تھا اور اس وقت کے لوگوں مردار کھاتے تھے خوف و ہراس لوگوں کا اوڑھنا اور جنگ و خونریزی ان کا شعار تھا۔

اس زمانہ میں افقِ مکہ سے حقیقتِ محمدیہؐ کا ظہور ہوا اور آپؐ نے دنیا کو خدا پرستی و صداقت، علم و حکمت اور اخلاقی فضائل و کمالات کے نور سے منور کیا۔

۱. مُحَمَّدٌ سَيِّدُ الكَوْنَيْنِ و الثَّقَلَيْنِ

و الفَرِيقَيْنِ مِنْ عُرْبٍ و مِنْ عَجَمِ

۲. نَبِيُّنا الآمِرُ النّاهي فلا أحَدٌ

اَبَرَّ في قَوْلِ لا مِنْهُ ولا نَعَمُ

۳. هو الحَبيبُ الّذي تُرجىٰ شَفاعَتُهُ

لِكُلِّ هَوْلٍ مِنَ الأهْوالِ مُقْتَحَمِ

۴. دَعا الى اللّٰهِ فالمُسْتَمْسِكون بِهِ

مُسْتَمْسِكونَ بِحَبْلٍ غَيْرِ مُنْفَصِمِ

(۱) شاید مراد یہ ہو کہ اس زمانہ میں اکثر عرب والوں کی غذا تھی، یا مقصد یہ ہو کہ اس زمانہ میں پاک و حلال غذا نہیں ملتی تھی۔

۵. فَاقَ النَّبِیِّیْنَ فِي خَلْقٍ و فِي خُلُقٍ
وَ لَمْ یُدانُوهُ فِي عِلْمٍ و لا کَرَمِ

٦. و کُلُّهُمْ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ مُلْتَمِسٌ
غَرْفاً مِنَ البَحْرِ أو رَشْفاً من الدِّیَمِ

۷. فهُوَ الَّذِی تَمَّ مَعْناهُ وصُورَتُهُ
ثُمَّ اصْطَفَاهُ حَبیْباً بَارِیءُ النَّسَمِ

۸. مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِیکٍ فِي مَحَاسِنِهِ
فَجَوْهَرُ الْحُسَنِ فِیهِ غیرُ مُنْقَسِمِ

۹. فانْسِبْ اِلیٰ ذاتِهِ ما شِئْتَ مِنْ شَرَفٍ
وانْسِبْ اِلیٰ قَدْرِهِ ما شِئْتَ مِنْ عِظَمِ(۱)

۱۔محمدؐ دو جہاں کے سردار ہیں، انسان و جنات اور عرب وعجم والوں کے سردار ہیں۔

۲۔ ہمارے نبی امر ونہی کے مالک ہیں، گفتگو میں اور سچ کہنے میں کوئی ان سے افضل نہیں ہے۔

۳۔آپؐ حبیب خدا ہیں بڑے خوف وخطر کے موقعہ پر قیامت میں سب کو آپ ہی سے شفاعت کی امید ہے۔

۴۔رسولؐ نے لوگوں کو خدا کی طرف بلایا چنانچہ جو لوگ ان سے ملحق ہو گئے، انہوں نے اس رسی (وسلہ) کو تھام لیا جو کبھی نہیں ٹوٹے گی۔

۵۔آپؐ سرشت واخلاق میں تمام انبیاء سے برتر ہیں اور دیگر انبیاء (اپنی تمام عظمتوں کے باوجود) آپؐ کے مرتبۂ علم وجود تک نہیں پہنچ سکتے۔

۶۔وہ سب رسولؐ خدا کی بارگاہ میں التماس کناں ہیں کہ اس دریا سے چلو بھر آبِ (کمال ورحمت) پی

(۱) شرح قصیدہ ی بردہ ص ۵۰-۵۷ (فریدہ ۳۴-۴۴)

لیں یا اس ابر رحمت سے اپنے لب تر کر لیں۔

۷۔ صوری اور معنوی اعتبار سے آپؐ ہی کامل و اکمل ہوئے ہیں تب ہی تو خالق نے آپؐ کو اپنا حبیب بنایا ہے

۸۔ وہ ان سے بلند و برتر ہیں کہ صفات حسن و کمال میں کوئی ان کا شریک ہو کیونکہ جو ہر حسن صرف ان کی ذات میں ہے جو تقسیم نہیں ہوا ہے۔

۹۔ ہر شرف و فضیلت کو آپؐ ہی کی طرف نسبت دی جاتی ہے اور ہر عظمت و منزلت کو انہیں کی طرف سے سمجھو۔ رسولؐ کمالات اور اخلاقی فضائل میں تمام انبیاء پر فوقیت رکھتے تھے، اپنی امّت کو بھی آپؐ مکارمِ اخلاق اور صفات حسنہ کی طرف دعوت دیتے تھے۔

محمد کا فرید ایزد تمامش
زنام او برون آورد نامش

احد نام خود احمد نام او کرد
به او راز وحدت گفتگو کرد

ز احمد تا احد یك میم فرق است
جهانی اندر آن یك میم غرق است (۱)

محمدؐ کو خدا نے کامل و مکمل پیدا کیا ان کے نام کو اپنے نام سے مشتق کیا خود کو احد اور ان کو احمد کہا۔ ان سے رازِ وحدت کے ساتھ گفتگو کی احد و احمد میں بس ایک میم کا فرق ہے۔ اس ایک میم میں ایک جہان سمایا ہوا ہے۔

"بُعِثْتُ لأُتَمِّمَ مَكارِمَ الأَخْلاقِ". (۲)

مجھے اس لئے مبعوث کیا گیا ہے تا کہ مکارم اخلاق کی تکمیل کروں۔

(۱) گلشن راش شبستری ص ۶۷ اس کا مطلع اس طرح ہے بہ نام آن کہ جان را فکرت آموخت

(۲) کنز العمال ج ۳ ص ۱۶

فخر دو جہان خواجہ ی فرخ رخ اسعد
مولای زمان مہتر صاحب دل امجد
آن سید مسعود و خداوندِ مؤید
پیغمبر محمود، ابو القاسم احمدؐ
وصفش نتوان گفت بہ ہفتاد مجلد
این بس کہ خدا گوید ما کان محمدؐ
بر منزلت و قدرش یزدان کند اقرار
اندر کف او باشد از غیب مفاتیح
و اندر رخ او تابدِ از نور مصابیح
خاك كف پایش بہ فلك دارد ترجیح
نوش لب لعلش بہ روان سازد تفریح
قدرش ملك العرش بہ ما ساختہ تصریح
وین معجزہ اش بس کہ ہمی خواند تسبیح
سنگی کہ ببود کف آن دست گہر بار(۱)

وہ سید و سردار، مسعود و نیک بخت جس کو خدا کی تائید حاصل ہے۔

وہ ایسے رسولؐ ہیں جن کی حمد و ستائش کی گئی ہے ان کی کنیت ابوالقاسم اور نام احمد ہے۔

ان کی توصیف ستر جلدوں میں بھی نہیں سمائیگی آپؐ کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ خدا نے آپ کے بارے میں، ما کان محمدؐ کہا ہے۔

آپؐ کی قدر و منزلت کا اقرار خدا نے بھی کیا ہے۔

---

(۱) دیوان ادیب الممالک فراہانی، مسمط شمارہ ی ا۔اس کا مطلع یہ ہے: برخیز شتربانا بربند کجاوہ

آپؐ کے ہاتھ میں غیب کے خزانوں کی کنجی ہے آپؐ کے چہرے میں ہزاروں چراغ روشن ہیں آپؐ کی خاک پا فلک سے بلند ہے۔ آپ کے لب مبارک کو جنبش ہوتی ہے تو پر کیف ماحول پیدا ہوتا ہے، آپؐ کی قدر و منزلت کی تصریح صاحب عرش نے کی ہے ان کے معجزہ کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ آپ کے ہاتھ پر آنے والا ہر سنگ ریزہ تسبیح کرتا تھا۔

❁❁❁❁❁

# چوتھی تقریر

تبلیغ رسالت پر خدا نے انبیاء سے عہد و پیمان لیا اور اسلام ایک جامع دین ہے۔

تبلیغِ رسالت پر انبیاء سے عہد و پیمان لیا گیا ہے۔
معرفت اللہ فطری عہد و پیمان ہے۔
انبیاء کی بعثت کا مقصد لوگوں کو فطری عہد و پیمان کی یاددہانی۔
بعثت سے پہلے خدا کی معرفت سے روگردانی
انبیاء نے خدا پرستی کی دعوت دی
رسولؐ کے خطبہ میں دین اسلام کی جامعیت
خاتم الانبیاء اور سراج و منیر

حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

"واصْطَفىٰ سُبْحَانَهُ مِنْ وُلْدِهِ [آدم] أنبياءَ اَخَذَ علىٰ الوَحْي ميثاقَهُمْ وعلىٰ تَبْلِيغ الرِّسالَةِ امانَتَهُمْ" (۱)

خدا نے حضرت آدمؑ کی اولاد سے انبیاءؑ کا انتخاب کیا اور ان سے یہ عہد لیا کہ وہ لوگوں تک خدا کی وحی کو پہنچائیں گے اور اپنی رسالت کی تبلیغ کریں گے۔

وہی عہد و پیمان جس کا درج ذیل آیت میں ذکر ہوا ہے:

﴿وإذْ أخَذْنَا مِنَ النَّبيِّينَ مِيثَاقَهُمْ ومِنكَ ومِنْ نُوحٍ وإبْراهيمَ ومُوسَىٰ و عيسىٰ ابْنِ مَرْيَمَ وأَخَذْنَا مِنْهُم ميثاقاً غَلِيظاً﴾ (۲)

اے رسولؐ اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے آپؐ سے اور نوحؑ و ابراہیمؑ و موسیٰؑ و عیسیٰؑ بن مریمؑ سے تبلیغ رسالت پر سخت عہد لیا تھا (واضح رہے اس آیت میں رسول اسلام کے ساتھ جن انبیاء کے نام بیان ہوئے ہیں وہ سب اولوالعزم ہیں)

---

(۱) نہج البلاغہ خطبہ ۱

(۲) احزاب: ۷

ان انبیاء کو خدا نے اس وقت مبعوث کیا تھا جب لوگوں نے اپنے کئے ہوئے عہد و پیمان کو بھلا دیا تھا اور ان سے جو عہد لیا گیا تھا وہ درج ذیل آیت میں بیان ہوا ہے:

﴿اَلَمْ اَعْهَد اَلَیکُم یا بَنِي آدَم اَن لاَ تَعْبُدوا الشَّیطانَ اِنَّه لَکُم عِدوٌّ مّبینٌ﴾(۱)

اے آدم کے بیٹو! کیا ہم نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی پرستش نہ کرنا؟ بیشک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

خدا نے یہ عہد انسان کی فطرت سے لیا تھا یعنی انسان اپنی فطرت کے ذریعہ خدا کو پہچانتا ہے صرف اس کی معرفت رکھتا ہے اس کے علاوہ کسی اور کی نہیں۔

دوسری آیت میں ارشاد ہے:

﴿فأقِمْ وَجْهکَ لِلدِّینِ حَنیفاً فِطْرَتَ اللّٰهِ الّتي فَطَرَ النّاسَ عَلَیْها لا تَبْدِیلَ لِخلْقِ اللّٰهِ ذالِکَ الدِّینُ القَیِّم ولکنّ أکثرَ النَّاسِ لا یَعْلَمُونَ﴾(۲)

آپ اپنی توجہ دین کی طرف رکھیں کہ یہ خدا کا وہ عہد ہے جو اس نے انسان کی فطرت سے لیا ہے اور اسی فطرت پر خدا نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔

پس معرفتِ خدا کی صلاحیت اور اس کی طرف رجحان انسان کی فطرت میں موجود ہے اس پر یہ بار نہیں ڈالا گیا ہے۔ یعنی انسان کی فطرت، عقل، اور اس کا ضمیر یہ کہتا ہے کہ خدا ایک ہے۔

خداوند عالم یہ فرماتا ہے:

﴿واِذ اَخذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ و أشْهَدَهُم علیٰ أنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّکُم قَالوا بَلیٰ شَهِدْنا أن تَقُولُوا یَومَ القِیَامَةِ اِنّا کُنّا عَنْ هَذا غَافِلِینَ﴾(۳)

---

(۱) یٰس: ۶۰

(۲) روم: ۳۰

(۳) اعراف: ۱۷۲

اور اے رسولؐ! اس وقت کو یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے آدم کے بیٹوں کی پشتو سے ان کے ذریت کو لیا اور ان کو خود انہیں پر گواہ بنا کر یہ سوال کیا: کیا میں تمہارا خدا نہیں ہوں؟ سب نے کہا: بیشک ہم اس کے گواہ ہیں، یہ عہد اس لئے لیا کہ روز قیامت تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمیں خبر نہیں تھی۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا نے لوگوں سے یہ عہد کس موقعہ پر لیا تھا؟

بعض مفسرین کا قول یہ ہے کہ اس عہد کا تعلق عالم ذر سے ہے۔ اسی وقت خدا نے آدم کے بیٹوں کی پشت سے ان کی ذریت کو لیکر انہیں وجود دیا اور انہیں اس بات پر گواہ بنایا کہ کیا میں تمہارا خدا نہیں ہون؟ سب نے اقرار کیا اور کہا: بیشک تو ہمارا رب ہے۔

اگر چہ اس سلسلہ میں بہت زیادہ روایات وارد ہوئی ہیں اور سبھی اس مفہوم کو ثابت کرتی ہیں لیکن جو بات قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ اگر اس عہد و پیمان سے مراد، عالم ذر والا عہد و پیمان ہے تو انسان کو وہ موقعہ یاد کیوں نہیں ہے؟ اگر ایسا ہوا تھا تو سارے انسانوں کو وہ یاد رہتا کہ ان سے یہ عہد و پیمان لیا گیا ہے حالانکہ خدا اتمام حجّت کرتے ہوئے فرماتا ہے: ہم نے تم سے یہ عہد اسی دنیا میں لیا ہے تا کہ تم قیامت کا انکار نہ کر سکو۔

مفسرین میں سے محققین یہ لکھتے ہیں کہ فطرت بشر سے یہ عہد و پیمان اسی جگہ لیا گیا تھا، یہ فطری عہد و پیمان ہے اور جب انہیں اس دنیا میں لایا گیا تو ان سے یہ عہد لیا گیا (یہ وہی عالم ہے ایک عظیم کتاب کے مثل ہے اور عجائبات سے پر ہے)۔

بہ نزد هر کہ جانش در تجلی است

هم عالم کتاب حق تعالیٰ است (۱)

یہ وسیع و عریض دنیا ہر اس شخص کے لئے خدا کی کتاب ہے کہ جس کی روح منور ہے۔

(۲) گلشن راز شبستری ص ۷۵

اگر ان سے یہ سوال کیا جائے کہ کیا تم تمام موجودات میں خدا کی اس حکیمانہ قدرت کو نہیں دیکھتے ہو؟ کیا میں تمہارا خدا نہیں ہوں؟ تو ان کی وہی فطرت جواب دے گی: بیشک تو ہی ہمارا خدا ہے۔

خداوند عالم فرماتا ہے کہ ہم نے یہ حجّت اس لئے تمام کی ہے تاکہ روزِ قیامت یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم غافل تھے۔

حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

یہ انبیاء انسانوں کی تبلیغ و ہدایت کے لئے اس وقت آتے تھے جب انسان اپنے فطری عہد کو بھول جاتا تھا اور خدا کا شریک قرار دینے لگتا تھا، شیطان بھی لوگوں کو خدا کی عبادت اور اس کے ذکر سے دور کر دیتا تھا، ایسے ہی موقعوں پر انبیاءؑ آتے تھے اور لوگوں کو خدا کی عبادت کی طرف بلاتے تھے۔

﴿اِلیٰ أن بَعَثَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ مُحَمَّداً رَسُولَ اللّٰهِ﴾

خدا نے پے در پے نبی بھیجے یہاں تک کہ خدا نے مومنوں پر احسان کیا اور حضرت محمدؐ کو مبعوث برسالت کیا۔(۱)

”وأهْلُ الأرْضِ يَوْمَئِذٍ مِلَلٌ مُتفَرِّقَةٌ وأهْواءٌ مُنْتَشِرَةٌ وطَرائِقُ مُتَشَتِّتَةٌ“

جس وقت حضرت محمدؐ مبعوث برسالت ہوئے اس وقت روئے زمین پر بسنے والے تمام انسان تفرقہ اور پراگندگی کا شکار تھے، ان کے افکار مختلف اور راستے جدا تھے۔

”بَيْنَ مُشَبِّهٍ لِلّٰهِ بِخَلْقِهِ أو مُلْحِدٍ باسمِهِ أو مُشِيرٍ اِلیٰ غَيْرِهِ“

ایک گروہ خدا کو اس کی مخلوق سے تشبیہ دیتا تھا (اسے جسم و جسمانیت والا سمجھتا تھا اور اسے بشر جیسے صفات سے متصف قرار دیتا تھا۔ دوسرا گروہ (بتوں کو) خدا کے نام سے پکارتا تھا، کچھ لوگ خدا کو چھوڑ کر (آفتاب و مہتاب وغیرہ) کی پوجا کرتے تھے۔

ایک گروہ دہریہ تھا وہ زمانہ ہی کو سب کچھ سمجھتا تھا۔

---

(۱) آل عمران: ۱۶۴ میں بھی یہ بیان ہوا ہے۔

﴿وقَالُوا ما هِيَ اِلاّ حَياتُنا الدُّنْيا نَمُوتُ ونَحْيا وما يُهْلِكُنا اِلاّ الدَّهْرُ وما لَهُمْ بِذَالِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلاّ يَظُنُّونَ﴾

اورانہوں نے کہا: اس دنیوی زندگی کے علاوہ ہماری دوسری زندگی نہیں ہے ہم میں سے کچھ لوگ مرتے ہیں اور کچھ زندہ ہوتے ہیں (اور دنیا میں آتے ہیں) یہ تو زمانہ ہے جو ہمیں موت دیتا ہے اور کوئی نہیں (ان کے جواب میں) خداوند عالم فرماتا ہے: اس سلسلہ میں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔صرف وہم وگمان ہے۔

کچھ لوگ حیوانوں کی پوجا کرتے تھے مختصر یہ کہ دنیا میں مختلف مذاہب ومسالک تھے لیکن ایک بات میں سب مشترک تھے اور وہ یہ کہ سب خدا کو بھول چکے تھے اور وحدانیت وتوحید کا کہیں نام نہ تھا۔

ایسے زمانہ میں خدا نے اپنے رسول کو بھیجا اور خدا پرستی، صداقت، صلاح ومہربانی، وحدت ویگانگی اور اخلاق وآدمیت کو زندہ کیا۔ چونکہ آپ کو ساری دنیا کی ہدایت کے لئے مامور کیا تھا لہذا آپ نے تمام لوگوں کے مقابل میں قیام کیا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿يَا ايُّها الْمُدَّثِّرُ، قُمْ فَأنْذِرْ ورَبَّكَ فَكَبِّرْ وثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ (۱)

اے کپڑا اوڑھنے والے، اٹھو اور لوگوں کو ڈراؤ اور اپنے رب کی بزرگی کا اعلان کرو اور اپنے لباس کو پاکیزہ رکھو۔

ای تو اسرافیل وقت از جائے خیز

رستخیزی ساز پیش از رستخیز

بی فروغت روز روشن چون شب است

بی پناهت شیر اسیر ارنب است

باش کشتی بان در این بحر صفا

(۱) مدثر: ۱ تا ۴

کــه تــو نــوح ثــانیــی ای مــصـطـفــیٰ

خیــز در دم تــو بــه صــور سهـمـنــاك

تــا هــزاران مــرده بــر خیــزد زِ خــاك(۱)

اے وقت کے اسرافیل اٹھئے اور قیامت سے پہلے قیامت بپا کیجئے۔ آپ کے جلوہ کے بغیر روزِ روشن بھی رات کی مانند ہے اور آپ کی پناہ کے بغیر شیر خرگوش کے جال میں گرفتار ہے۔ اس بحر صفا میں آپ ہماری کشتی کے ناخدا ہو جایئے، اے مصطفیٰؐ آپؐ دوسرے نوحؑ ہیں، آپ کے صور پھونکنے سے ایک محشر بپا ہوگا، ہزاروں مردے زمین کی تہ سے نکل آئیں گے۔

مختصر یہ کہ رسولؐ نے انسانیت کے ان تمام اخلاق وصفات کو دوبارہ زندہ کیا جو دم توڑ چکے تھے اور خدا کی ذات وصفات کے بارے میں تمام انبیاء سے بلند چیز لوگوں کے سامنے پیش کی۔ جناب امیر المومنینؑ ا، امام حسنؑ کو اپنے وصیت نامہ میں لکھتے ہیں:

”واعْـلَمْ بُنَيَّ اَنَّ أَحداً لَمْ يُنبِّیءْ عَنْ اللّٰهِ سُبْحَانَه كَمَا أنْبأ عَنْهُ الرَّسُولُ فارْضَ بِهِ رَائِداً، والِىٰ النَّجاةِ قَائِداً.“ (۲)

اور بیٹا تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ جس طرح خدا کی تعلیمات اور اس کے دستورات کو رسولؐ نے پیش کیا ہے اس طرح کسی نے بھی پیش نہیں کیا ہے پس اس عظیم الشان پیغمبر کو بطیب خاطر اپنا پیشوا مانو۔

دین اسلام نے کسی چیز کو نہیں چھوڑا ہے، خدا کی طرف سے رسولؐ ہر وہ چیز لائے ہیں جو دنیا یا آخرت میں انسان کے لئے ضروری تھی۔

---

(۱) مثنوی مولوی، مثنوی چہارم تفسیر یاایّھا المزمل

(۲) نہج البلاغہ مکتوب ۳۱

زهی پیغمبر کز محکمی احکام شرع او

به کاخ آسمان ماند که ننهد رو به ویرانی (۱)

ایک خطبہ میں رسولؐ فرماتے ہیں:

"أيُّها النّاسُ! إنَّه لا نَبِيَّ بَعْدِي، ولا امّة بعدَكُم، ألا فاعبُدوا ربَّكم، وصلُّوا خَمْسَكُم، وصُومُوا شَهرَكُم، وحِجُّوا بيتَ ربِّكُم، أدُّوا زَكاةَ أموالِكُم طيّبةً بها أنْفُسُكُم، وأطيعُوا وُلاةَ أمرِكُم تَدْخلوا جَنَّةَ رَبِّكم". (۲)

اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا اور تمہارے بعد کوئی امت نہ ہوگی اپنے پروردگار کی عبادت کرو اپنی نماز پنجگانہ پڑھو، ماہ رمضان کے روزے رکھو اور حج کرو، اپنے اموال کی زکواۃ ادا کرو تا کہ تمہارے نفس پاک و پاکیزہ ہو جائیں اور جو لوگ خدا کی طرف سے تمہارے ولی مقرر ہوئے ہیں ان کی اطاعت کرو تا کہ تمہیں جنت نصیب ہو۔

دوسرے خطبہ میں فرماتے ہیں:

"يا أيُّها النّاسُ! واللهِ ما مِن شَيءٍ يُقَرِّبُكُم مِنَ الْجَنَّةِ ويُبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ إلاّ وقَد أمَرْتُكُم به وما مِن شَيءٍ يُقَرِّبُكُم مِن النَارِ ويُباعِدُكم مِنَ الجَنَّة إلاّ وقد نَهَيْتُكم عَنْه". (۳)

اے لوگو! خدا کی قسم میں نے تمہارے سامنے ہر وہ چیز بیان کر دی ہے جو تمہیں جنت سے نزدیک اور جہنم سے دور کر دے اور میں نے تمہیں اسی چیز کا حکم دیا ہے جو تمہیں جنت سے نزدیک اور جہنم سے دور کرتی ہے اور اسی چیز سے روکا ہے جو تمہیں جہنم سے نزدیک اور جنت سے دور کرتی ہے۔

---

(۱) دیوان حکیم قاآنی شیرازی ص۶۵۲

(۲) بحار الانوار ج ۲ص ۸۲ص ۲۰۶

(۳) کافی ج ۲ص ۷۴، عن ابی حمزہ الثمالی عن ابی جعفرص ۲۳۵ کے حاشیہ سے۔ (اصل کتاب)

بنا بر ایں رسولؐ کے بعد کوئی پیغمبر نہیں آئیگا یہی وجہ ہے کہ خدا نے آنخضرتؐ کو ایسے ہی موقعوں پر سراج منیر سے تعبیر کیا ہے۔ مثلاً فرماتا ہے:

﴿یَا أَیُّهَا النَّبِيُ اِنَّا أَرْسَلنَاکَ شَاهِداً و مُبَشِّراً وَنَذیراً و دَاعیاً اِلیٰ اللّٰهِ باِذْنِه وسِراجاً مُنیراً﴾ (۱)

اے نبیؐ! ہم نے آپ کو گواہ بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور آپ خدا کے اذن سے اس کی طرف دعوت دینے والے اور سراج منیر ہیں۔

رسولؐ پر ضیا چراغ ہیں جس سے جہل، کفر و شرک اور فتنہ و فساد کی تاریکی چھٹ جاتی ہے اور دنیا روشن ہو جاتی ہے۔

دوسری جگہ رسولؐ کو آفتاب سے تعبیر کیا ہے فرماتا ہے:

﴿والشَّمْسُ وضُحٰها، والقَمَرِ اِذا تَلاها﴾ (۲)

ماه فرو ماند از جمال محمدؐ
سرو نباشد به اعتدال محمدؐ

قدرِ فلك را كمال و منزلتی نیست
در نظر قدر با کمالِ محمدؐ

وعده ی دیدار هر کسی به قیامت
لیله ی اسرا شب وصال محمدؐ

آدم و نوح و خلیل و موسیٰ و عیسیٰ
آمده مجموع در ظلال محمدؐ

---

(۱) احزاب: ۴۴ و ۴۵

(۲) شمس: ۱ و ۲

عرصہ ی گیتی مجال همت او نیست
روز قیامت نگر مجال محمد

و آن همہ پیرایہ بستہ جنت فردوس
بو کہ قبولش کند بلال محمدؐ

هم چو زمین خواهد آسمان کہ بیفتد
تا بدهد بوسہ بر نعال محمدؐ

شمس و قمر در زمین حشر نتابد
نور نتابد مگر جمال محمدؐ

شاید اگر آفتاب و ماه نتابد
پیش دو ابروی چون هلال محمدؐ

چشم مرا تا بہ خواب دید جمالش
خواب نمی گیرد از خیال محمدؐ

سعدی اگر عاشقی کنی و جوانی
عشق محمد بس است و آل محمدؐ (۱)

جمالِ محمدؐ سے چاند کی روشنی ماند پڑ گئی ہے سرو میں بھی وہ اعتدال نہیں جو محمدؐ میں ہے۔
فلک کی بھی وہ قدر و منزلت نہیں ہے جو محمدؐ کی قدر و منزلت ہے۔
خدا نے ہر شخص سے قیامت میں دیدار کا وعدہ کیا، لیکن شبِ معراج میں، آنحضرتؐ کا خدا سے وصال ہوا ہے۔
اصل میں آدمؑ و نوحؑ، خلیلؑ اور موسیٰؑ و عیسیٰؑ تو آپ کے سایہ و تصدق میں آئے ہیں۔

(۱) کلیات سعدی مواعظ ص ۸۹۹

اس گیتی میں ان کے عزم وہمت کی سمائی نہیں ہوسکتی، محمدؐ کی مجال کو روزِ قیامت دیکھنا۔

آسمان نعلین محمدؐ کو بوسہ دینے کے لئے زمین کی طرف جھکنا چاہتا ہے۔

حشر میں چاند، سورج کی ضوفشانی نہیں ہوگی، کیونکہ جمالِ محمدؐ کے علاوہ کوئی نور نہیں چمکے گا۔

ہوسکتا ہے محمدؐ کی ہلالی ابرو کی سامنے چاند وسورج روشن نہ رہ سکے۔

میری آنکھوں نے خواب میں ان کا جمال دیکھا ہے، اب محمدؐ کے خیال سے نیند نہیں آتی۔

اے سعدی اگر جوانی میں عشق کرنا ہے تو محمدؐ وآل محمدؐ کا عشق کافی ہے۔

۞۞۞۞۞

# پانچویں تقریر

بعثت محمدؐ سے قبل اور اس کے بعد کے حالات

رسولؐ کے خصوصیات اور آپؐ کے محکم و متین دستورات

آپؐ کی بعثت سے قبل اور اس کے بعد کے حالات

آپؐ کی بعثت کے بعد کے حالات

آپ کا خلقِ عظیم

اخلاق حسنہ رسولؐ کا معجزہ ہے

رسول اکرمؐ کے اخلاقی احکام و دستورات آپؐ کی نبوت کی بہترین دلیل

قرآن مجید میں خداوند عالم کا ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولاً مِنْهُم يَتْلُوا عَلَيهِم آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِم وَيُعَلِّمُهُم الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾ (۱)

قدرت والا خدا وہ ہے کہ جس نے اُمیوں (۲) میں، ان ہی میں سے ایک رسولؐ بھیجا (یعنی بظاہر وہ بھی انہیں جیسا تھا لیکن ان کا روحانی مرتبہ تمام انبیاء اور سارے انسانوں سے بلند ہے) تاکہ ان کے سامنے رسولؐ خدا کی آیتوں کی تلاوت کرے ان کے اخلاق کو پاک و پاکیزہ بنائے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اگر چہ اس سے قبل وہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے اور بہت برائیوں میں مبتلا تھے۔

ہماری بحث کا موضوع نبوت خاصہ ہے لہذا مذکورہ آیت کو اسی لئے پیش کیا گیا ہے کہ اس کا ربط رسولؐ کی نبوت سے ہے۔

زمانۂ جاہلیت اور اسلام سے قبل عرب کے حالات کے بارے میں حضرت علی بن ابی طالبؑ کے کئی

---

(۱) جمعہ:۲

(۲) یعنی ام القریٰ، مکہ کے باشندوں میں یا ان لوگوں میں جو پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے۔

خطبے ہیں ان میں سے بعض میں اس عہد کے عرب کے حالات ہیں اور بعض میں پوری دنیا کے لوگوں کے کوائف بیان ہوئے ہیں، درج ذیل خطبہ میں عرب کے حالات بیان ہوئے ہیں۔

﴿إِنَّ اللّٰہ بَعَثَ مُحَمَّداً نذیراً للعالَمینَ و أمیناً علیٰ التَّنْزِیلِ، وأنتم مَعْشَرَ العَرَب! علی شَرِّ دِینٍ، و في شَرِّ دارٍ، مُنِیخُون بین حِجَارَۃٍ خُشْنٍ، وحَیَّاتٍ صُمٍّ، تَشْرَبُونَ الکَدَر و تأکُلونَ الجَشِبَ، وتَسْفِکُونَ دِمَائَکُمْ، وتَقْطَعُونَ ارْحَامَکُمْ، الأصْنامُ فیکم مَنْصُوبَۃٌ، والآثَامُ بِکُمْ مَعْصُوبَۃٌ﴾ (۱)

بیشک خدا نے اپنے رسول کو اس لئے بھیجا تا کہ لوگوں کو ڈرائیں، اور انہیں یعنی رسول کو وحی پر امین قرار دیا (اس کے بعد آپؑ عربوں کو مخاطب قرار دیتے ہیں کہ جن کا زمانہ جاہلیت سے بہت قریب تھا، فرماتے ہیں) اے عرب والو! تم بدترین دین پر تھے یعنی بتوں کو پوجتے تھے اور بدترین جگہ، حجاز میں، زندگی گزارتے تھے (البتہ کعبہ اور مکۂ معظّمہ کی وجہ سے حجاز کی جو حرمت وعظمت ہے وہ اپنی جگہ مسلم ہے یہاں آپؑ کی مراد یہ ہے کہ فتنہ وفساد، قتل وغارت گری اور برے کام انجام دینے کے لحاظ سے تم بدترین جگہ رہتے تھے اور بدترین تہذیب اور زبوں ترین دین کے سایہ میں زندگی بسر کرتے تھے) ایسے بہرے سانپوں کے بیچ میں رہتے تھے۔ جو شور وغل سے بھی نہیں بھاگتے تھے، بارش کا گندہ وکالا پانی پیتے تھے اور بدذائقہ اور بری خوراک کھاتے تھے۔

عرب کی اکثریت سوسمار (گوہ) کھاتی تھی بلکہ مردار بھی کھاتے تھے اسی لئے تو اسلام کے بعد حکم ہوا تھا:

﴿حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ الْمَیْتَۃُ والدَّمُ ولَحْمُ الخِنْزِیرِ﴾ (۲)

تمہارے اوپر مردار، خون اور سور کے گوشت کو حرام کردیا گیا ہے۔

---

(۱) نہج البلاغہ خطبہ ۲۶

(۲) مائدہ: ۳

کہنا یہ چاہتے ہیں کہ تم مادی و معنوی اعتبار سے بہت پست تھے نہایت ہی وحشیانہ اور بربریت کی زندگی گزارتے تھے۔

ایک دوسرے کا خون بہاتے تھے، فتنہ وفساد اور غارت گری میں مشغول رہتے تھے (سیکڑوں سال تک جنگ ہی لڑتے رہتے تھے اگر کسی خاندان کا ایک آدمی مارا جاتا تھا تو اس کے وارث یہ کہتے تھے کہ ہم اس کے عوض میں دو قتل کریں گے) مختصر یہ کہ قتل وغارت گری تمہارا شیوہ تھا، قطع رحمی تمہاری عادت تھی، تمہارے درمیان بت گڑے ہوئے تھے (خانۂ کعبہ میں انہوں نے سیکڑوں بت نصب کر رکھے تھے ہر قبیلہ کا ایک مخصوص تھا، جس کی وہ پرستش کرتے تھے، ان کے لئے قربانی دیتے تھے اور ان سے اپنی حاجتیں طلب کرتے تھے، مختلف قسم کے گناہوں میں پڑے ہوئے تھے (ان کے درمیان شراب خوری، زنا کاری، خونریزی، ظلم وستم، فتنہ وفساد.....کا عام رواج تھا)۔

اسی لئے خدا نے درج ذیل آیت میں فرمایا ہے:

﴿وانْ کانوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلالٍ مُبِينٍ﴾ (۱)

اگر چہ اس سے پہلے وہ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

اسلام سے پہلے عرب ظلم وشرک اور کفر وفساد کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے تھے لیکن اسی میں حقیقت محمدیؐ کا آفتاب طلوع ہوا، اور آپؐ نے لوگوں کو، خدا کی عبادت اور اخلاقِ حسنہ کی طرف دعوت دی، خدا کے صفات کو واضح طور پر بیان فرمایا، انہیں مبداء و معاد کا مفہوم سمجھایا اور ایک ایسا قانون پیش کیا جو نہایت ہی محکم ومتین ہے۔

یہ قانون ودستور اسی طرح تمام قوانین ودستورات سے بلند ہے جس طرح رسولؐ خدا اخلاق وکردار میں تمام انبیاء سے افضل ہیں۔

---

(۱) جمعہ:۲

شیخ ازری کہتے ہیں:

لا تُـجِـل فـي صـفـات احـمـد فـكـراً

فهـي الـصـورة التـي لـن تَـراهـا(۱)

مَـصْـدَرُ الْـعِـلْـمِ لَيْـسَ الاّ لَـدَيْـهِ

خَبَـرُ الـكـائِـنـاتِ مِـنْ مُبْتَـداهـا(۲)

قَـلَّـبَ الـخَـافِـقَيـنِ ظَهْـراً لِبَـطْـنِ

فَـرَأى ذاتَ أحـمَـدٍ واجْتَبَـاهـا (۳)

رسولؐ کے اخلاق وصفات کی تصویر کشی نہیں کی جاسکتی کیونکہ یہ ایسی حقیقت ہے جس کا ادراک تم ہرگز نہیں کر سکتے۔

آپؐ کا وجود تمام علوم ومعارف کا سرچشمہ ہے، کائنات کی ابتداء سے آپؐ کو اس کی خبر ہے۔

خدا نے تمام عالم کو تہ وبالا کیا تب اس سے رسولؐ کا انتخاب کیا اور انہیں خاتم النبین قرار دیا۔

﴿وانَّک لَعلیٰ خُلُقٍ عَظِیمٍ﴾ (۴)

بیشک اے رسولؐ آپؐ کا اخلاق بہت بلند ہے۔

ایک جگہ فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ جَائَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أنفُسِكُم عَزيزٌ عَلَيهِ ما عَنِتُّم حَريصٌ عَلَيكُم بالمؤمِنينَ رَئُوفٌ رَحِيمٌ﴾(۵)

(۱) تجسس الازیرہ، شیخ جابر کاظمی ص ۱۲۰

(۲) سابق مصدر ۱۲۴

(۳) سابق مصدر ۱۲۴

(۴) قلم: ۴

(۵) توبہ: ۱۲۸

یقیناً تمہارے پاس وہ رسول آیا ہے جو تمہیں میں سے ہے، تمہارے رنج و مصائب اس پر شاق ہیں وہ تہ دل سے تمہارا خیر خواہ اور مخلص ہے اور مومنوں پر بڑا مہربان و شفیق ہے۔

واضح ہے کہ اس آیت میں خدا نے دو صفتیں، رحمت و رافت بیان کی ہیں اور یہ دونوں صفتیں خدا کے صفات میں سے ہیں لیکن یہاں رسولؐ کے لئے بیان ہوئی ہیں۔

آپؐ ہی کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿وما أرسلناک الا رحمةً للعالمین﴾ (۱)

اور اے رسولؐ ہم نے آپؐ کو نہیں بھیجا مگر عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔

رسولؐ اخلاق و صفات ہی میں سب سے بلند نہیں تھے بلکہ آپؐ نے مکارم اخلاق کو مکمل و تمام کیا ہے۔ آپؐ کا ہی ارشاد ہے:

"بُعِثتُ لأتَمِّمَ مَکارِمَ الأخلاقِ" (۲)

میں اس لئے مبعوث ہوا ہوں تا کہ مکارم اخلاق کی تکمیل کروں۔

سورہ جمعہ کی آیت ﴿و یزکیھم...﴾ میں ارشاد ہے۔ پہلے آپؐ ان کے اخلاق کو پاک و پاکیزہ کرتے ہیں۔ رسولؐ اخلاق حسنہ کے بلند ترین مرتبہ پر فائز تھے اور اپنی امّت کو بھی حسنِ اخلاق سے متصف ہونے کی تاکید فرماتے تھے۔

حسنِ اخلاق وہ چیز ہے کہ اگر انسان اس سے آراستہ ہو جائے تو اسے وہ علم نصیب ہوگا جو سعادت ابدی کا ضامن ہے۔ امام معصومؑ فرماتے ہیں:

"اَلعِلْمُ نُورٌ یَقْذِفُهُ اللّٰه في قَلْبِ مَنْ یَشاءُ" (۳)

---

(۱) کنز العمال ج ۳ ص ۱۶

(۲) کنز العمال ج ۳ ص ۱۶

(۳) مصباح الشریعۃ ص ۱۶ قال الصادقؑ: لا تحل الفتیا لمن لا یُصطفی من الله تعالیٰ بصفاء سره و اخلاص علمه و علانیته و برهان مِنْ رَبّه في کل حال لأنّ من افتی فقد حکم و الحکم لا یصحّ الا باذنٍ من الله عز و جل و برهانه و

علم ایک نور ہے خدا جس کے دل میں چاہتا ہے اسے منور کر دیتا ہے۔

اس سلسلہ میں رسولؐ کا بھی ارشاد ہے:

علم آسمانوں میں نہیں ہے کہ کہا جائے: اسے کون حاصل کرے گا۔ اس کے ساتھ کون نازل ہوگا اور زمین کے اندر نہیں ہے کہ یہ کہا جائے اسے کون نکالے گا، نہیں بلکہ علم تمہارے اندر رکھا گیا ہے تم اخلاقِ حسنہ اور صفات حمیدہ سے متصف ہو جاؤ تا کہ تمہارے باطن سے علم ظاہر ہو۔(۱)

یعنی جب آپ نیک صفات ''صداقت وصلاح، صبر وشکیبائی، حلم و بردباری سے متصف ہونگے تو، در حقیقت اس وقت آپ اخلاقِ حسنہ سے متصف ہونگے آپ کے وجود میں ان صفات کی حقیقت ظاہر ہوگی، اور اگر ان کی حقیقت سے متصف نہ ہوئے اور صرف الفاظ کا ورد زبان پر رہا تو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

رسولؐ کے اخلاق وصفات اور اس معاشرہ میں ان کا رشد ونمو، کہ جس کے حالات گذشتہ صفحات میں بیان ہو چکے ہیں، آپ کا بہت بڑا معجزہ ہے، بالخصوص جبکہ آپؐ کا کوئی معلم واستاد بھی نہیں تھا۔ آپؐ نے کسی سے درس بھی نہیں لیا تھا۔ لیکن:

۱۔ آپؐ ایسے قوانین ودستورات لائے جن کا مثل لانے سے دنیا عاجز ہے۔

---

(صفحہ قبل کا باقی) من حکم بالخبر بلا معاينة فهو جاهل مأخوذ بجهله و مأثوم بحكمه كما دلّ الخبر: العلمُ نورٌ يَقْذِفه الله في قلب من يشاء۔ عنوان بصری کی حدیث میں امام جعفر صادقؑ سے یہ آیا ہے: ليس العلم بالتعلم انما هو نور يقع فی قلب من يريد الله تبارك و تعالیٰ ان يهديه فان اردت العلم فاطلب اولا فی نفسك حقيقة العبودية و اطلب العلم باستعماله و استفهم الله يفهمك۔ (رجوع کریں: بحار الانوار ج ۱ ص ۲۲۵)

(۱) کشف الغطاء عن وجوہ مراسم الاهتداء 'غرة الغراء' (مولیٰ حسن قزوینی' / ۳۰، محجۃ البیضاء ج ۱ ص ۱۴۹، و فی بعض الكتب السالفة : يا بني اسرائيل لا تقولوا: العلم في السّماء مَنْ يَنزلُ به ولا في تخوم الأرض من يَصعدُ به ولا من وراء البحار مَنْ يعبر يأتي به، العلم مجعول في قلوبكم تأدبوا بين يديَّ بآداب الروحانيين و تخلقوا اليَّ بأخلاق الصدّيقين، أُظهر العلم مِنْ قلوبكم حتّى يغطّيكم و يغمركم۔

۲۔ آپؐ نے خدا، اس کے صفات اور مبداء ومعاد سے متعلق ایسے امور بیان کئے جن سے فلاسفہ متحیر ہیں۔

اگر ہم رسولؐ کے بیان کئے ہوئے قوانین واحکام اور اخلاق کے بارے میں غور وفکر کریں گے تو معلوم ہوگا یہ چیزیں آپؐ کی نبوت کے ثبوت کی بڑی محکم دلیل ہیں۔ چنانچہ بلاخوف تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ رسولؐ کی نبوت اور امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ اور دیگر ائمہؑ کی امامت کے اثبات پر وہ علوم بھی دلیل ہیں کہ جن کے وہ عالم تھے اور ان کا سرچشمہ انہیں کی ذات والاصفات تھی۔

پس اس زمانہ کے ثقافتی حالات کے پیش نظر اور کسی استاد سے تعلیم حاصل کئے بغیر ان ذوات مقدسہ سے جو روایات اور علوم وارد ہوئے ہیں اور ان سے جو دعائیں نقل ہوئی ہیں وہ رسولؐ کی نبوت اور ائمہ اطہار کی امامت پر بہترین دلیل ہیں۔

باوجودیکہ رسولؐ اور اہل بیتؑ اطہار اس بات پر مامور تھے کہ وہ لوگوں سے ان کی زبان اور ان کی عقل کے مطابق گفتگو کریں جب کہ اس سلسلہ میں امام جعفر صادقؑ سے ایک حدیث میں مروی ہے:

"اِنّا مَعاشِرَ الأنبیاءِ اُمِرنا أنْ نُکلِّم النّاسَ علیٰ قَدْرِ عُقُولِھم". (۱)

ہم انبیاء کو خدا کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق گفتگو کریں۔

اگر چہ ان مقدس وبزرگوں نے اپنے علوم کو کما حقہ بیان نہیں کیا ہے لیکن اس کے باوجود کہ انہوں نے ان تمام علوم کا اظہار نہیں کیا ہے بلکہ ان میں سے چند ہی کو بیان کیا ہے پھر بھی یہی معمولی مقدار ان کی حقانیت کی دلیل سمجھی جاتی ہے۔

جن اشعار کو امام زین العابدینؑ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے ان میں درج ذیل اشعار بھی ہیں:

---

(۱) بحار الانوار ج۱۶ ص۲۸۰ قال أبو عبد الله ما کَلَّمَ رسولُ اللهؐ العباد بکنه عقله قط، قال رسول اللهؐ: انا معشر الأنبیاء اُمرنا أن نُکَلِّمَ النّاس علیٰ قَدْرِ عقولهم۔

اِنّـي لأكْتُـمُ مِـنْ عِـلْـمِـي جَـوَاهِــرَه
كيــلا يَــرىٰ الــحَــقَّ ذو جَهْـلٍ فَيَـفْتَتِـنــا
وقَــد تَــقَــدَّم فــي هــذا أبــو حَسَــنٍ
الــىٰ الــحُسَيــنِ و وصّــىٰ قَبْلَــهُ الحَسَنــا
يـــا رُبَّ جَــوهَــرِ عِــلــمٍ لَــو أبُــوحُ بِــه
لَقِيـلَ لِـي أنـت مـمَّـن يَـعْبُـد الـوَثَـنـا
ولاسْتَـحَــلَّ رجــالٌ مُسْـلِـمُـونَ دَمِـي
يَـرَوْنَ أقبحَ مــا يَـأتُـونَـه حَسَنـاً(۱)

میں اپنے علم کے جواہر بے بہا کو مخفی رکھتا ہوں تا کہ ہمارے بارے میں لوگ گمراہ نہ ہو جائیں میں ہی نہیں، مجھ سے پہلے امیر المومنینؑ اور حسنؑ و حسینؑ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے اور امیر المومنینؑ اپنے فرزند حسنؑ و حسینؑ سے یہی فرماتے تھے:

کتنے ہی علم گراں بہا گوہر ہیں کہ اگر میں انہیں بیان کر دوں تو لوگ مجھے بت پرست کہنے لگیں گے اور مسلمان میرے خون کو مباح سمجھیں گے۔

یعنی ان لوگوں میں علمی حقائق کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے اسی لئے ہم اپنے علمی سرمایہ کو چھپائے ہوئے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ رسولؐ اور آپؐ کے اہل بیتؑ کی طرف سے جو علوم و احکام اور قوانین و اخلاق ہمارے لئے نقل ہوئے ہیں ان میں کہیں جھول اور نقص نہیں ہے بلکہ معجزے ہیں، جو اپنے قائل کی صداقت کی تائید و تصدیق کرتے ہیں۔

---

(۱) حقائق فیض ص ۸ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱۱ ص ۲۲۲

اسی لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کے اوامر ونواہی میں ان کی اطاعت کریں کیونکہ ان کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے۔فرماتا ہے:

﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أطاعَ اللّٰه﴾ (۱)

جوشخص رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے درحقیقت وہ خدا کی اطاعت کرتا ہے۔

ان کے اعمال وکردار کوبھی اپنا نصب العین قرار دینا چاہئے۔

﴿لَقَدْ كانَ لَكُمْ في رَسُولِ اللّٰهِ اُسوَةٌ حَسَنَةٌ﴾(۲)

یقیناً تمہارے لئے رسولؐ (اور ائمہ اطہار میں) بہترین نمونہ ہے۔

ان کی تاسّی کرنا چاہئے اور جہاں تک ہوسکے ان کے نقش قدم پر چلیں تا کہ دنیا وآخرت میں کامیاب ہوجائیں۔

❁❁❁❁❁

---

(۱)نساء۸۰

(۲)احزاب:۲۱

# امامت

# پہلی تقریر

امامت اصول دین میں ہے۔
امام معصوم ہوتا ہے اور امامت خدا کی طرف سے ملتی ہے۔

امامت اصول دین میں ہے
امام کا تمام لوگوں سے افضل و اعلم ہونا ضروری ہے
عصمت، امامت کی شرط ہے
امّت امام کو منتخب نہیں کر سکتی
عصمت کا علم خدا کے علاوہ کسی کو نہیں ہے
علیؑ کی اطاعت جنت کا پروانہ ہے
علیؑ کی محبت ان کے دشمنوں کی محبت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی

امامت کے سلسلہ میں شیعوں اور اہل سنّت کے درمیان شدید اختلاف ہے اور مسئلہٴ امامت اتنا اہم ہے کہ دیگر اختلافات اسی کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔

شیعہ علماء کہتے ہیں: امامت اصول دین میں ہے اور اہل سنّت کہتے ہیں کہ فروع دین میں ہے۔

اہل تشیّع اور اہل سنّت کی کتابوں میں متفقہ طور پر رسول ؐ کی یہ حدیث نقل ہوئی ہے:

"مَنْ ماتَ وَلَمْ يَعْرِفْ اِمَامَ زَمانِهِ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً" (۱)

جو شخص اپنے زمانہ کے امام کی معرفت حاصل کئے بغیر مر جائے وہ جاہلیت کی موت مرا۔

---

(۱) کافی ج ۲ ص ۲۱ عن عيسىٰ بن السرى قال، قلت لأبي عبد الله عليه السّلام : حدّثني عمّا بنيت عليه دعائم الاسلام اذا انا اخذت بها زكى عملي و لم يضرني جهل ما جهلت بعده۔ فقال: شهادة ان لا اله الا الله و ان محمّداً رسول الله و الاقرار بما جاء به من عند الله و حقّ اللّٰه في الاموال من الزكاة و الولاية التي امر الله عز وجل بها وهي ولاية آل محمد فانّ رسول الله قال: مَنْ ماتَ ولا يَعرف اِمامه مات ميتةً جاهلية۔ قال الله عز وجل: ﴿أطِيعُو اللّٰهَ و أطيعوا الرَّسُولَ و اُولي الأمر منكم﴾ ۔ (نساء ۵۹)، فكان عليّ ثم صار من بعده الحسن ثم من بعده الحسين ثم من بعده علي بن الحسين ثم من بعده محمد بن علي ثم هكذا يكون الامر أن الأرض لا تَصلُحُ الاّ بإمام ومَن مات لا يعرف اِمامه مات ميتةً جاهلية واحوج ما يكون أحدكم الىٰ معرفته اذا بلغت نفسه هاهنا۔ قال و اهوى بيده الىٰ صدره يقول: حينئذ لقد كنت على امر حسن۔ نیز کنز العمال ج ۱ ص ۱۰۳ پر یہ حدیث اس طرح، من مات بغير امام مات ميتةً جاهليةً اور اسی کتاب کی ج ۶ ص ۶۲ پر بھی اسی مضمون کی حدیث نقل ہوئی ہے اور مسند احمد ج ۴ ص ۱۱۹ حدیث ۱۶۸۸۲ اس طرح نقل ہوئی ہے: قال رسول الله: من مات بغير امام مات ميتةً جاهليةً۔

زمانۂ جاہلیت کی موت کا مطلب یہ ہے کہ وہ کفر کی موت مرتے تھے نہ وہ خدا کو پہچانتے تھے نہ رسول کو چنانچہ جو امام کی معرفت نہیں رکھتا ہے وہ بھی ایسا ہی ہے یعنی وہ دنیا سے بے اعتقاد اٹھتا ہے اسی لئے معرفت امام اصول دین میں ہے کیونکہ امامت کا اعتقاد نہیں ہے تو کافر و بے دین ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مذہب حقہ شیعہ اثناعشریہ اس بات کا معتقد ہے کہ امامت اصول دین کا جز ہے اور یہی حق ہے۔

دوسرا اختلاف شیعہ سنی کے درمیان یہ ہے کہ شیعہ نقطۂ نظر یہ ہے کہ امام سب سے افضل اور اعلم ہوتا ہے یعنی اخلاق اور علم و کمال کے لحاظ سے امام کو سب سے بلند ہونا چاہئے لیکن اہل سنّت کہتے ہیں کہ امام کا افضل ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ فاضل پر مفضول کو مقدم کرنا بھی جائز ہے (۱) حالانکہ اس بات کو عقل قبول نہیں کرتی، عقل تو یہ کہتی ہے کہ فاضل کو مفضول پر مقدم ہونا چاہئے۔ یا مفضول کا فاضل پر مقدم ہونا جائز نہیں ہے۔

اہل تشیع اور اہل تسنن کے درمیان اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے کہ نبی کے جانشین کو معصوم ہونا چاہئے یا نہیں، شیعہ کہتے ہیں نبیؐ کے جانشین و خلیفہ کو معصوم ہونا چاہئے اہل سنّت کا نظریہ یہ ہے کہ جانشینِ رسول کا معصوم ہونا شرط نہیں کیونکہ ان کے خلفاء نے چالیس سال یا اس سے بھی زیادہ عرصہ تک بتوں کی پرستش کی ہے۔ ہاں خلفاء کا عادل ہونا کافی ہے حالانکہ خلفائے ثلاثہ عادل بھی نہیں تھے۔

## امامت کے لئے عصمت شرط کیوں ہے؟

کیونکہ امامت وہ عام ریاست ہے جو جانشین رسولؐ کے عنوان سے اپنے اختیار میں بندوں کے دینی و دنیوی امور رکھتی ہے۔ بعبارت دیگر: رسول کا جانشین وہ ہے کہ جس کے اختیار میں رسولؐ کی طرح لوگوں کے دینی و دنیوی امور ہوتے ہیں پس رسولؐ کی طرح امام کو بھی معصوم ہونا چاہئے تاکہ وہ شریعت

(۱) جس طرح ابن ابی الدید نے شرح نہج البلاغہ کے شروع ہی میں لکھا ہے: الحمد لله الذی قدم المفضول علی الفاضل۔ موصوف فاضل پر مفضول کی تقدیم ہی جائز نہیں سمجھتے بلکہ العیاذ باللہ اس کی نسبت خدا کی طرف دیتے ہیں کہ جس کا نتیجہ خدا کی ربوبیت سے انکار ہے۔

کے احکام میں کمی بیشی نہ کرے اور اس کی طرف سے دین میں خلل و رخنہ نہ پڑے کیونکہ وہ دین کا محافظ ہے اور محافظِ دین کو قابل اطمینان ہونا چاہئے تاکہ دین میں کسی قسم کی ردوبدل نہ ہو۔

امام کے انتخاب میں بھی شیعوں اور سنیوں کے درمیان اختلاف ہے۔ اہل سنّت کہتے ہیں کہ امام کے انتخاب کا اختیار امّت کو ہے یعنی امّت کے افراد متفقہ طور پر جس کو چاہیں رسولؐ کا جانشین مقرر کر سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں وہ عمل صحابہ کو دلیل کے عنوان سے پیش کرتے ہیں کہ صحابہ نے ابوبکر کی خلافت پر اجماع کر لیا تھا۔ جبکہ علماء امامیہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ:

اوّل تو: ابوبکر کی خلافت پر اجماع نہیں ہوا تھا کیونکہ ابوبکر کو خلیفہ بنانے کے سلسلہ میں رسولؐ کے چچا عباس، سلمان، ابوذر، مقداد، حضرت امیر المومنینؑ علیؑ بن ابی طالبؑ اور بہت سے صحابہ نے مخالفت کی تھی، جب مخالفت ہو گئی تو اجماع نہ رہا۔

دوسرے: امامت کے سلسلہ میں امّت کا اجماع صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ امام کو معصوم ہونا چاہئے، اور اس کی عصمت ایک قلبی کیفیت ہے جسے خدا کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں جانتا ہے لہذا امام کو خدا کی طرف سے منصوب و معین ہونا چاہئے اسی لئے امامؑ کو خدا کے حکم سے نبی معین کرتا ہے اور ایسا ہی ہوا تھا ہم دیکھتے ہیں کہ ابتدائے بعثت ہی میں رسولؐ نے حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ فرماتے ہیں:

جو شخص دین کے امور میں میرا ساتھ دینے کے لئے میری بیعت کرے گا وہی میرا جانشین و خلیفہ ہوگا یہ سن کر حضرت علیؑ نے عرض کی: اے اللہ کے رسولؐ! میں آپؐ کی مدد کرونگا میں آپؐ کا ساتھ دونگا۔

رسولؐ نے فرمایا: تم میرے خلیفہ و جانشین ہو۔

تاریخ طبری میں ایسی ہی عبارت نقل ہوئی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا:

"أَيُّكُمْ يُوازرني علىٰ هذا الأمر" (۱)

---

(۱) تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۱۷۱ سے ص ۱۱۷۲ عن عبد الله بن عباس عن عليّ بن ابي طالبؑ قال: لما نزلت هذه الآية علىٰ رسول الله "وانذر عشيرتك الاقربين" شعرا: ۲۱۴، دعانی رسول الله...

امرِ رسالت میں تم میں سے کون میری مدد کرے گا؟ جو میری مدد کرے گا وہی میرا جانشین ہوگا۔

حضرت علیؑ نے عرض کی: اے اللہ کے رسولؐ! میں حاضر ہوں۔

رسولؐ نے فرمایا: تم میرے وصی، خلیفہ اور جانشین ہو۔

یہ تو آغاز بعثت میں فرمایا اور بعثت کے آخر میں غدیر خم میں جو بیان فرمایا تھا اسے علماء اہل سنّت نے بھی نقل کیا ہے چہ جائیکہ شیعوں نے اور اس کا متواتر ہونا یقینی ہے۔

خدا نے رسولؐ کو حکم دیا کہ حضرت علیؑ کی امامت کا اعلان کردو۔

شیعہ و سنی دونوں نے لکھا ہے کہ آیہ:

﴿یَا ایُّها الرَّسُولُ بَلِّغْ ما اُنْزِلَ اِلَیکَ مِنْ رَبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسالَتَهُ﴾ (۱)

اے رسولؐ! اس پیغام کو پہنچا دو جو آپ پر آپؐ کے رب کی طرف سے پہلے ہی نازل ہو چکا ہے اور اگر آپ نے اس کو نہ پہنچایا تو گویا رسالت کی تبلیغ ہی نہیں کی۔

دوسری آیت میں ارشاد ہے:

﴿الیَومَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِینَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِي وَرَضِیْتُ لَکُمُ الاِسْلامَ دِیناً﴾ (۲)

آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔

نیز فرماتا ہے:

﴿اِنَّما وَلِیُّکُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِینَ آمَنُوا الَّذِینَ یُقِیمُونَ الصَّلاةَ وَیُؤتُونَ الزَّکاةَ وَهُمْ رَاکِعُونَ﴾ (۳)

تمہارا ولی تو بس اللہ، اس کا رسولؐ اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں، اور

---

(۱) مائدہ: ۶۷

(۲) مائدہ ۳ (۳) نساء: ۵۹

حالت رکوع میں زکواۃ دیتے ہیں۔

دوسری جگہ فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّها الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وأَطِيعُوا الرَّسُولَ وأُولِي الأمْرِ مِنْكُم﴾(۱)

اے ایمان لانے والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ اور صاحبان امر کی اطاعت کرو جو تم ہی میں سے ہیں۔

صاحبان امر سے مراد امیر المومنینؑ علیؑ بن ابی طالبؑ اور ائمہ اطہار ہیں۔

رسولؐ اسلام کی نبوت کے اثبات کی عظیم ترین دلیل یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے آپؐ کی رسالت کی تصدیق کی ہے جیسا کہ قرآن میں خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿قُلْ كَفىٰ بِاللّٰهِ شَهِيداً بَيْنِي وبَينِكُمْ ومَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ﴾ (۲)

اے رسولؐ: کہہ دیجئے میری نبوت کی گواہی کے لئے خدا اور وہ شخص کافی ہے جس کے پاس کتاب کا علم ہے واضح ہے کہ یہ گواہ حضرت علیؑ ہیں۔(۳)

دفتر ایجاد را طراز و عنوا ن علی است — بصورت آدمی سیرت رحمان علی است

به محکماتِ نبی، صراط و میزان علی است — به تابش نور وحی، شریك قرآن علی است

به صدق دین نبی، دلیل و برهان علـــی است — اگر نه تصدیق وی دین نشدی استوار

کتابِ کائنات علیؑ ہیں، آدمی کی صورت میں رحمان خدا کی سیرت کا نمونہ علیؑ ہیں۔

---

(۱) رعد:۴۳

(۲) رجوع فرمائیں: کافی ج۱ص ۲۲۹ وص ۲۵۷ وسائل الشیعۃ ج ۷ص ۱۸۱ وص ۱۸۸و ۱۹۹، مستدرک الوسائل ج ۱۷ص ۳۳۳ ۳۳۴، تفسیر عیاشی ج۱ص ۱۳، ج ۲ص ۲۲۰ و۲۲۱، بحار الانوار ج۹ص ۱۱۰و ۲۶ص ۱۶۰و ۱۷۰و ۲۷او ۱۹۷و ۱۹۸، وج ۳۳ص ۱۷۵، وج ۳۵ص ۳۸۹و ۴۲۹، ج ۳۹ص ۹۱، ج ۴۰ص ۱۴۵و ۱۴۶و ۲۱۲، ج ۵۳ص ۶۸۔ اسی طرح سے مرحوم مجلسی نے ایک بحار الانوار میں ۲۴ویں باب میں فرمایا: انہؑ الذی عندہ علم الکتاب (بحار الانوار ۳۵) میں...

(۳) بحار الانوار ج ۲۸ص ۲۹وص ۱۸۸

رسولؐ کی معتبر حدیث کی رو سے صراط و میزان علی ہیں۔

وحی کی روشنی میں شریکِ قرآن علیؑ ہیں۔ نبیؐ کے دین کی صداقت کی دلیل و برہان علیؑ ہیں۔ اگر وہ نبیؐ کی تصدیق نہ کرتے تو دین قائم نہ ہوتا۔

یعنی قرآن کی تفسیر بیان کرنے والے علیؑ ہیں، قرآن کے محافظ علیؑ ہیں۔

رسولؐ کا ارشاد ہے:

"عَلِيٌّ مَعَ الْحَقِّ والْحَقُّ مَعَ عَلِي لا يَفْتَرِقانِ حَتّٰى يَرِدا عَلَيَّ الْحَوْضَ يَوْمَ الْقِيامَةِ" (۱)

علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق علیؑ کے ساتھ ہے یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونگے یہاں تک قیامت کے دن میرے پاس حوض پر وارد ہونگے۔

رسولؐ کا ارشاد ہے کہ:

"قالَ اللّٰهُ تَبارَكَ وتَعالىٰ: لَأُدْخِلُ الْجَنَّةَ مَنْ أطاعَ عَلِيّاً وإنْ عَصانِي ولَأُدْخِلُ النّارَ مَنْ عَصىٰ عَلِيّاً وإنْ أطاعَنِي"(۲)

خداوند عالم فرماتا ہے:

---

(۱) بحار الانوار ۳۸ ص ۲۹ و ۱۸۸

(۲) بحار الانوار ج ۸ ص ۲ و ۳ ص ۲۷ ص ۱۰ ص ۱۱۶، ج ۳۹ ص ۲۵۹ ارشاد القلوب ج ۲ ص ۲۵۷، امالی صدوق ص ۶۵۸، خصال ج ۲ ص ۵۸۲، عن عبد الله بن عباس قال، قال رسول اللهؐ: اتاني جبرئيلؑ و هو فرح مستبشر۔ فقلت له: حبيبي جبرئيل مع ما انت فيه من الفرح ما منزلة اخي و ابن عمي علي بن ابي طالب عند ربه؟ فقال جبرئيل: يا محمد! و الّذي بعثك بالنبوّة و اصطفاكَ بِالرِّسالَة ما هبطت في وقتي هذا الا لهذا، يا محمّد العلي الأعلىٰ يقرأ عليك السّلام و يقول: محمدٌ نبي رحمتي وعلي مُقيمُ حُجَّتي لا أُعذِّبُ مَنْ والاهُ وإنْ عَصاني ولا أرحَمُ مَنْ عاداه و إنْ أطاعني۔ قال ابن عباس: ثم قال رسول اللهؐ: اذا كان يوم القيامة اتاني جبرئيل و بيده لواء الحمد و هو سبعون شقة الشقة منه اوسع من الشمس و القمر فيدفعه اليَّ فآخذه وأدفعه الىٰ علي بن ابي طالب۔ فقال رجل: يا رسول الله و كيف يطيق علي علىٰ حمل اللواء و قد ذكرت انه سبعون شقة الشقة منه أوسع من الشمس و القمر۔ فغضب رسول اللهؐ ثم قال: يا رجل انّه اذا كان يوم القيامة اعطىٰ الله علياً من القوة مثل قوة جبرئيل و من الجمال مثل جمال يوسف و من الحلم مثل حلم رضوان و من الصوت ما يداني صوت دائود ولولا ان دائود خطيب في الجنان لاعطي عليّ مثل صوته و ان علياً اوّل من يشرب من السلسبيل و الزنجبيل و ان لعليٍّ و شيعته من الله عز وجل مقاماً يغبطه به الاولون و الآخرون۔

میں اس شخص کو ضرور جنت میں داخل کرونگا جس نے علیؑ کی اطاعت کی ہے۔ خواہ اس نے میری نافرمانی ہی کی ہو اور اس شخص کو ضرور جہنم واصل کرونگا جس نے علیؑ کی نافرمانی کی ہے خواہ اس نے میری اطاعت ہی کی ہو۔

بنابراین حضرت علیؑ کی محبت سب پر واجب ہے، حضرت علیؑ کی محبت دنیوی اور اخروی عذاب سے نجات کا باعث ہے، اور یہ ممکن نہیں ہے کہ حضرت علیؑ سے محبت کرنے والا ان کے دشمنوں سے بھی محبت کرتا ہو کیونکہ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

﴿ما جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَينِ في جَوْفِهِ﴾ (۱)

خدا نے کسی بھی شخص کے اندر دو دل نہیں رکھے ہیں۔

سم عاشق نیست بایك دل دو دلبر داشتن

باز دل بر بازدل بایست دل بر داشتن

احمد مرسلؐ نشسته کی روا دارد خرد

دل اسیر سیرت بو جهل کافر داشتن

بحر، پر کشتی است لیکن جمله در گرداب خوف

بی سفینه ی نوح نتوان چشم معبر داشتن

مر مرا باری نکو ناید ز روی اعتقاد

حق زهراؑ بردن و دین پیمبر داشتن (۲)

یہ عاشق کا شیوا نہیں ہے کہ وہ ایک دل سے دو معشوقوں سے محبت کرے۔

اسے یا دل سے یا دلبر (معشوق) سے دل ہٹانا پڑے گا۔

---

(۱) احزاب: ۴

(۲) دیوان سنائی غزنوی ص ۴۶۷ قصیدہ ۲۰۸

احمد مرسل سامنے تشریف فرما ہیں اور تمہارا دل ابو جہل کی سیرت کا اسیر ہے۔
دریا کشتیوں سے بھرا ہوا ہے لیکن سب کو گرداب کا خوف لاحق ہے ایسے میں۔
کشتی نوحؑ کے علاوہ کسی ناخدا سے امید نہیں رکھنا چاہئے۔
مجھے اعتقاد کی رُو سے یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ دین رسولؐ رکھتے ہوئے۔
فاطمہ زہراؑ کا حق غصب کرلیا۔
علیؑ کی موجودگی میں اس کو امیر کہتے ہو۔
خدا کی قسم وہ آپؐ کے غلام قنبر کی جوتی کے برابر بھی نہیں ہے۔
احمد مرسلؐ نے اپنے بعد کتاب خدا اور اپنی عترت کے علاوہ اور کوئی چیز یادگار نہیں چھوڑی جو قیامت تک باقی رہے۔

❁❁❁❁❁

# دوسری تقریر

صادقین سے مراد اہل بیتؑ ہیں۔
حضرت امیر المومنینؑ کے فضائل و مناقب

صادقین کون ہیں؟
صداقت وامانتداری کا اعلیٰ مصداق ائمہؑ ہیں۔
قرآن مجید کی دوسری آیتوں میں صادقین سے مراد
حضرت امیر المومنینؑ علی بن ابی طالبؑ کے فضائل
امیر المومنینؑ علم و عمل کا مرقع
علم دین کس سے حاصل کرنا چاہیے؟
امیر المومنینؑ کا جہاد
حضرت علیؑ خاندانی شرافت اور انکساری کا مرقع
امیر المومنینؑ سخاوت و ناداری کا مرقع
امیر المومنینؑ زہد اور حسن خلق کا مرقع
امیر المومنینؑ شجاعت، ورحمدلی کا نمونہ
امیر المومنین متضاد صفات کا مرقع

قال الله تبارک و تعالیٰ:

﴿یا ایُّها الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ و کُونُوا مَعَ الصَّادِقِینَ﴾ (۱)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو! اور صادقین - سچوں - کے ساتھ ہو جاؤ۔

واضح ہے کہ سچوں کی ایک جماعت کو پہلے سے موجود ہونا چاہیئے تا کہ خدا مومنوں کو یہ حکم دے کہ ان کے ساتھ ہو جاؤ جو بات روایات سے ثابت ہوتی ہے اور تمام نصوص کی رو سے مسلم ہے وہ یہ ہے کہ، صادقین سے مراد حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ، فاطمہ زہراؑ اور ائمہ اطہار ہی ہیں کیونکہ یہ معصوم ہیں۔ بعض احادیث میں بیان ہوا ہے:

﴿کُونُوا مَعَ عَلِیٍّ وَاَصْحَابِہِ﴾ (۲) یعنی علیؑ اور ان کے اصحاب کے ساتھ ہو جاؤ۔

خدا نے ان کے ساتھ ہو جانے کا حکم دیا ہے ساتھ ہو جانے سے مراد ان کی اطاعت و پیروی اور ان کی محبت و ولایت کا اعتقاد رکھنا اور انہیں اپنے امور کا مختار سمجھنا ہے۔ (۳)

---

(۱) توبہ: ۱۱۹ (۲) تفسیر نور الثقلین ج ۲ ص ۲۸۰ تفسیر صافی ج ۱ ص ۲۳۹

(۳) تفسیر نور الثقلین ج ۲ ص ۲۸۰ عن ابی بصیر قال سئلت ابا الحسن الرضا علیه السّلام عن قول الله عز و جل: ﴿اتقوا الله و کونوا مع الصادقین﴾؟ قالؑ: الصادقون هم الائمةؑ و الصدیقون لطاعتهم۔ حاشیه میں ایا هے: قال الفیض فی الوافی لعل المراد ان الصادقون صنفان صنف منهم الائمة المعصومونؑ و الآخر المصدقون بان طاعتهم مفترضة من الله تعالیٰ کمال التصدیق او کل من صدق بالحق غایة التصدیق بطاعته لربه او بطاعته ایاهم۔

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ صادقین سے مراد معصومین علیہم السّلام ہیں اور یہ راز بھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ سچائی وصداقت آ جاتی ہے تو پھر ہر چیز آ جاتی ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ اور ائمہ اطہار اپنے تمام صفاتِ حمیدہ اور اخلاقِ حسنہ میں اور اسی طرح اپنے افعال اور نیتوں میں صداقت و سچائی کے درجۂ اوّل پر فائز تھے۔ اسی لئے رسولؐ نے اپنی امت کو یہ حکم دیا تھا کہ ہر چیز میں ائمہ معصومین علیہم السّلام کی اطاعت و پیروی کرو ہمارے اس دعوے کی تائید وہ روایات کرتی ہیں جن کو فریقین نے رسولؐ سے نقل کیا ہے رسولؐ فرماتے ہیں:

"انّي تاركٌ فيكم الثَّقَلَين كِتابَ اللّهِ عزَّ وجلَّ وعِتْرَتِي، كتاب اللّه حَبْلٌ مَمْدُودٌ بَينَ السَّماءِ والأرْضِ وعِتْرَتِي أهل بَيْتِي و أنَّ اللّطيفَ الخَبير أخْبَرَني أنَّهُما لَنْ يَفْتَرِقا حتّٰى يَرِدا عَلَيّ الحَوْضَ فَانْظُروا بِماذا تَخْلُفُوني فِيهِما". (۱)

میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں ایک کتاب خدا ہے جو زمین و آسمان کے درمیان حبل ممدود ہے دوسرے اہل بیتؑ عترت ہیں، مجھے لطیف وخبیر نے آگاہ کیا ہے یہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونگے یہاں تک حوض (کوثر) پر میرے پاس وارد ہونگے دیکھنا ہے کہ ان دونوں کے ساتھ تم کیا سلوک کرتے ہو۔

دوسری حدیث میں فرماتے ہیں:

"مَثَلُ أهلِ بَيْتِي فِيكُم كَمثلِ سَفِينَةِ نُوح مَنْ دَخَلها نَجىٰ ومَن تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِق". (۲)

تمہارے درمیان میرے اہل بیتؑ ایسے ہی ہیں جیسے نوحؑ کی کشتی تھی جو اس پر سوار ہوا وہ بچ گیا

(۱) بحار الانوار ج ۲۳ ص ۱۰۸، ج ۲۳ ص ۱۴۷، کمال الدین ج ۱ ص ۲۳۵

(۲) بحار الانوار ج ۲۳ ص ۱۱۹ و ص ۱۵۶

اور جس نے اس سے روگردانی کی وہ ڈوب گیا۔

(جو میرے اہل بیتؑ کی پیروی کرے گا اور ان سے متمسک ومتوسل رہے گا وہ نجات پائے گا جیسے نوحؑ کے اصحاب نے ان کی کشتی کے ذریعہ نجات پائی تھی اور جو ان سے روگردانی کرے گا وہ ڈوب جائیگا جیسے نوحؑ کی کشتی میں سوار نہ ہونے والے ڈوب گئے تھے)۔

مختصر یہ کہ ملّت اسلامیہ کو اپنے تمام دنیوی و دینی امور میں ائمہ اطہارؑ کی پیروی کرنی چاہئے۔

قرآن مجید کی بعض آیتیں دوسری آیتوں کی تفسیر کرتی ہیں ﴿یفسر بعضہ بعضاً﴾ اس آیت ﴿اتقوا اللّٰہ و کونوا مع الصادقین﴾ کے لئے بھی ایسا ہی ہے دوسری آیتیں اس کی تفسیر کرتی ہیں۔

اسی لئے خدا نے اس آیت میں فرمایا ہے کہ تم تقویٰ اختیار کرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ، ہم کہہ چکے ہیں کہ سچے وہ اشخاص ہیں جو تمام کمالات وفضائل اور صداقت وصلاح میں سب سے بہتر ہیں دوسری آیت میں ان سچوں کی معرفت کراتا ہے (یعنی ان کے صفات کو بیان کرتا ہے اور یہ معیار بنا دیتا ہے کہ سچوں کو کیسے صفات سے متصف ہونا چاہئے) ملاحظہ فرمائیں:

﴿لَیْسَ البرُّ أنْ تُوَلُّوا وجُوھَکُم قِبَلَ الْمَشْرِقِ والْمَغْرِبِ ولکِنَّ البرَّ مَن آمَنَ بِاللّٰہِ والْیومِ الآخِرِ والْمَلائِکَۃِ والْکِتابِ والنَّبِیّینَ وآتی المَالَ علیٰ حُبِّہِ ذَوِي الْقُرْبَیٰ والیَتَامَیٰ والمَساکِینِ وابْنِ السَّبِیلِ والسَّائِلِینَ وفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃ وآتیٰ الزَّکاۃَ والْمُوفُونَ بِعَھْدِھِم اِذا عَاھَدُوا والصَّابِرینَ في البَأسَاءِ والضَّرّاءِ وحِینَ البَأسِ أُولٰئِکَ الَّذِینَ صَدَقُوا و أُولٰئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُونَ﴾(۱)

خوبی ونیکی یہ نہیں ہے کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف رخ کرلو (یہ یہود ونصاریٰ کے قول کی طرف اشارہ ہے وہ کہتے تھے: ہمارا قبلہ بہتر ہے) بلکہ خوبی ونیکی تو یہ ہے کہ انسان خدا، روزِ قیامت، ملائکہ، آسمانی کتابوں اور رسولوں پر ایمان رکھے اور اپنے اموال کو رشتہ داروں، یتیموں،

(۱) بقرہ: ۱۷۷

ناداروں، مسافروں، فقیروں اور غلاموں کی آزادی پر خرچ کرے اور نماز قائم کرے زکواۃ ادا کرے اور جو عہد کریں اسے پورا کریں خدا سے کئے ہوئے عہد کو بھی اور رسولؐ سے کئے ہوئے عہد کو بھی، ائمہ سے کئے ہوئے عہد کو بھی اور عام لوگوں سے کئے ہوئے عہد کو بھی وفا کریں، سختیوں اور شدید حالات پر صبر کرتے ہیں اور ان صفات (یعنی ایمان، نیک اعمال اور اخلاق حسنہ) کے حامل ہیں، وہی سچے، پرہیزگار اور تقوے کے بلند ترین درجہ پر فائز ہیں۔

یہ آیت، اس آیت - اتـقـوا اللّٰہ و کونوا مع الصادقین - کی تفسیر کر رہی ہے، اور وہ اس طرح کہ وہاں فرمایا: سچوں کے ساتھ ہو جاؤ اور یہاں سچوں کے صفات کو بیان کر دیا اور اس بات کی بھی تصریح کر دی کہ ان صفات کے حامل سچے ہی ہیں۔

بنا بر ایں یہ آیت پہلی آیت کی مویّد ہے واضح ہے کہ اس آیت کا مقصد، امیر المومنینؑ اور ائمہ اطہار کی پیروی اور متابعت ہے کیونکہ امّت میں سے یہی وہ اشخاص ہیں کہ جن میں وہ صفات وخصوصیات بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں جو مذکورہ آیت میں بیان ہوئے ہیں۔

## امیر المومنینؑ کے مناقب وفضائل

حضرت امیر المومنینؑ علیؑ بن ابی طالبؑ کے فضائل کی مثال آفتاب کی سی ہے کہ جس کو چھپایا نہیں جا سکتا۔

جب معاویہ نے مسلمانوں پر تسلط پالیا تو اس نے لوگوں کو حضرت علیؑ کے فضائل بیان کرنے سے ہی منع نہیں کیا بلکہ یہ حکم بھی دیا کہ ابوبکر وعمر اور عثمان کی فضیلت میں حدیثیں گڑھی جائیں۔ معاویہ کی طرف سے فضائل علیؑ پر پابندی کی وجہ سے شیعہ بھی آپؑ کے فضائل بیان نہیں کر سکے اور دشمنوں نے حسد وکینہ کی وجہ سے آپؑ کے فضائل کو چھپایا اس کے باوجود آپؑ کے فضائل کی گونج سارے جہاں میں ہے۔

محمد بن ادریس شافعی سے منقول ہے کہ حضرت علیؑ کے بارے میں ان سے سوال کیا گیا تو انہوں نے

جواب دیا:

وروی ایضاً عن محمّد بن اِدْرِیس الشافعي اِذ قیل له: ما تقول في حقّ عليٍّ؟ فقال: ما أقولُ في رَجُلٍ أخْفَتْ أولیاؤهُ فضائِلَهُ خوفاً و أخْفَتْ أعدَاوُهُ فَضَائِلَه حَسَداً و شَاعَ لَهُ مِن هٰذَینِ مَا مَلأَ الخَافِقینِ(۱)

میں اس ذات والا صفات کے بارے میں کیا بیان کروں کہ جس کے فضائل کو دوستوں نے خوف وتقیہ کی وجہ سے اور دشمنوں نے کینہ وعداوت کی بنا پر، چھپایا اس کے باوجود ان کے فضائل مشرق و مغرب تک پھیل گئے ہیں۔

لَقَدْ کَتَمَت آثارَ آلَ محمَّدٍ مُحِبُّوهم
خَوفاً وأعدائَهُمْ بُغْضاً
فأبْرَزَ مِنْ بین الفریقین نُبذَةٌ
بها مَلاءَ اللّٰهُ السَّمٰواتِ والارضا(۲)

کتاب اثنا عشریہ میں محمد بن ادریس سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: حضرت علیؑ میں متضاد فضائل جمع ہیں، آپؑ متضاد صفات کا مرقع ہیں۔

۱. اجْتَمَعَ فیهِ العِلْمُ و العَمَلُ بِاکمالٍ و قلَّ ما یَجْتَمِعانِ(۳)

حضرت علیؑ کی ذات میں علم وعمل مکمل طریقہ سے جمع ہو گئے تھے ایک ذات میں یہ دونوں بہت کم جمع ہوتے ہیں۔

بہت کم لوگ ایسے ہیں جو اپنے علم پر عمل کرتے ہیں لیکن حضرت علیؑ میں یہ دو فضیلتیں جمع تھیں، جبکہ یہ دونوں مشکل سے جمع ہوتی ہیں چہ جائیکہ وہ اپنے کمال تک پہنچ جائیں آپؑ کا علم وعمل اپنے نقطۂ کمال پر پہنچا ہوا ہے۔

---

(۱) اثنا عشریہ ص ۶۴ (۲) ایضا یہ اشعار سید جلیل تاج الدین عاملیؒ کے ہیں۔

(۳) اس کو فاضل نبیل سید جلیل تاج الدین عاملیؒ نے نظم کیا ہے اور پھر اقرار کرتے ہیں کہ میں نے حقیقت سے چشم پوشی کی ہے۔...

کیوں نہ ہوا میر المومنینؑ رسولؐ کے علم کا باب ہیں، آپؑ کے بارے میں خود رسولؐ نے فرمایا ہے:

"انا مدینةُ الْعِلْمِ وعَلِيٌّ بابُها فَمَنْ أرادَ الْمَدِينَةَ فليأتِها مِنْ بابِها" (۱)

میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں پس جو شہر میں آنا چاہتا ہے اسے شہر کے دروازہ سے آنا چاہئے۔

بگفتار پیغمبرت راه جوی
دل از تیرگی ها بدین آب شوی
چه گفت آن خداوند تنزیل و وحی
خداوند امر و خداوند نهی
که من شهر علمم، علیم در است
درست این سخن گفت پیغمبر است(۲)
گواهی دهم کاین سخن را ز اوست
تو گویی دو گوشم در آواز اوست

اپنے رسولؐ کی حدیثوں کی روشنی میں صراط مستقیم تلاش کرو اور اس شفاف پانی سے اپنے دل کی تیرگی کو دور کرو۔

---

(۱) بحار الانوار ج ۴۰ ص ۲۰۲ تا ص ۲۰۶، الغدیر ج ۶ ص ۶۱، ص ۸۱، ینابیع المودّۃ ص ۲۷ پر روایت ہے کہ ابن مغازلی نے اپنی سند سے مجاہدہ سے انہوں نے ابن عباس سے انہوں نے جابر سے نقل کیا ہے انہوں نے کہا: آنحضرتؐ نے امام علی علیہ السلام کے بازو کو تھاما اور فرمایا: یہ نیکو کاروں کے امیر اور کافروں کے قتل کرنے والے ہیں، جو بھی ان کی مدد کرے گا اس کی مدد کی جائے گی اور جو بھی انہیں رسوا کرے گا اسے رسوا کیا جائے گا، اس کے بعد آواز اور بلند کی اور فرمایا: میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں پس گھروں میں نہ آؤ مگر اس کے دروازے سے نیز ابن مغازلی امام رضا علیہ السلام اور آنحضرت سے نقل کرتے ہیں: میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں اس نے جھوٹا گمان کیا ہے کہ جو یہ سوچ رہا ہے کہ وہ مدینہ میں دروازے کے بغیر داخل ہو جائے گا۔

(۲) شاہنامہ فردوسی گفتار در آفرینش جہان و مردم۔

خدا کی وحی وتنزیل کے حامل نے کیا فرمایا ہے، امرونہی کے مختار نےکیا کہا ہے۔ یہی فرمایا ہے: میں شہر علم ہوں اور علی میرے علم کا دروازہ ہیں، یقیناً رسولؐ نے یہ فرمایا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ رسولؐ کی حدیث ہے گویا میرے دونوں کانوں میں آپؐ کی یہ واز گونج رہی ہے۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

"عَلَّمَنِي رَسُولُ اللّهِ ألفَ بابٍ مِنَ الْعِلمِ يُفْتَحُ مِنْهُ ألفُ بابٍ"(۱)

مجھے رسولؐ نے علم کے ہزار باب تعلیم کئے ہیں اور ہر باب سے ہزار بات کھلتے ہیں۔

حضرت علیؑ ہی کا ارشاد ہے:

"لو ثُنِيَتْ لِيَ الوسادةُ وجَلَسْتُ عليها لَحَكَمْتُ بينَ أهلِ التَوراةِ بتَوْرَاتِهِم و بينَ أهْلِ الاِنْجيلِ بِانجيلِهِم وبَينَ أهلِ الزَّبُورِ بِزَبُورِهِم وبَينَ أهْلِ الفُرْقانِ بفُرقَانِهِم". (۲)

(۱) بحار الانوار ج ۴۰ ص ۱۵۱، اختصاص ص ۲۸۳، اعلام الوریٰ ص ۱۳۶، مناقب شہرآشوب ج ۲ ص ۳۶، دلائل الامامۃ ص ۱۰۵۔ ابو نعیم حافظ باسناده عن زيد بن علي، عن ابيه، عن جده، عن عليّ قال: علمني رسول اللهؐ الف باب، يفتح كل باب الى الف باب۔ و لقد روى ابو جعفر بن بابويهؒ هذا الخبر في الخصال من اربع و عشرين طريقاً، و سعد بن عبد الله القمي في بصائر الدرجات من ستة و ثلاثين طريقاً۔ ينابيع المودۃ ۷۳۔

(۱) بحار الانوار ۴۰ ص ۲۵، ارشاد مفید ص ۳۴ عن اصبغ بن نباته قال: لما بويع امير المومنينؑ بالخلافة خرج الىٰ المسجد معتماً (لطفاً پاورقی تکمیل شود ۲۷۲، اصل) و شبك بين اصابعه و وضعها اسفل سرته ثم قال: يا معشر الناس! سلوني قبل ان تفقدوني سلوني فانّ عندي علم الاولين و الآخرين اما و الله لو ثني لي الوسادة و جلست عليها لحكمت بين اهل التوراة بتوراتهم و بين اهل الانجيل بانجيلهم و بين أهل الزبور بزبورهم و بين أهل الفرقان بفرقانهم حتّى ينتهي كل كتاب من هذه الكتب و يقول: يا رب! ان عليا قضى بقضائك و الله انّي لأعلم بالقرآن و تأويله من كل مدع علمه ولولا آية في كتاب الله تعالىٰ لاخبركم بما يكون الىٰ يوم القيامة، ثم قال: سلوني قبل ان تفقدوني فوالذي فلق الحبة و برئ النسمة لو سئلتموني عن آية لاخبرتكم بوقت نزولها و فيم نزلت و انبأتكم بناسخها من منسوخها و خاصها من عامها و محكمها من متشابهها و مكيها من مدنيها و الله ما من فئة تضل او تهدي الا و انا اعرف قائدها سائقها و ناعقها الى يوم القيامة۔ و بحار الانوار ج ۴۰ ص ۱۵۳ میں آیا ھے: و روىٰ ابن ابى البخترى من ستة طرق و ابن المفضل من عشر طرق و ابراهيم الثقفي من اربعة۔

اگر میرے لئے مسند علم وقضاوت بچھادی جائے تو میں اس پر بیٹھ کر توریت والوں کے درمیان ان کی توریت سے اور انجیل والوں کے درمیان ان کی انجیل سے اور زبور والوں کے درمیان ان زبور سے قرآن والوں کے درمیان ان کے قرآن کے مطابق فیصلہ کرونگا اسی طرح دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''ايّها النّاسُ! سَلُونِي قَبْلَ أنْ تَفْقِدُونِي فَلأنّي بِطُرِقِ السَّماءِ أعْلَمُ مِنِّي بِطُرُقِ الأرْضِ.''(۱)

اے لوگو! جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے کہ تم مجھے نہ پاؤ کہ میں زمین کے راستوں کی بہ نسبت آسمان کے راستوں کو زیادہ جانتا ہوں۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''لا يَقُولُها بَعْدِي اِلاّ مُدَّعٍ أو كذّابٌ مُفْتَرٍ''.(۲)

میرے بعد یہ بات کوئی نہیں کہے گا اور اگر کہے گا تو جھوٹا ہے۔

اس بات کو شیعہ، سنی دونوں نے نقل کیا ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ علی بن ابی طالبؑ کے علاوہ جس نے بھی یہ دعویٰ کیا وہ رسوا ہوا کیونکہ یہ بات صرف علیؑ سے مخصوص ہے۔

لہذا امیر المومنینؑ اور ائمہ اطہار کے دروازہ پر جانا چاہئے اور ان سے علم حاصل کرنا چاہئے کسی غیر کے در پر نہیں جانا چاہئے یعنی خلفاء ثلاثہ، خلفائے بنی امیہ اور بنی عباس وغیرہ کے در پر نہیں جانا چاہئے کیونکہ ان کے پاس علم دین نہیں ہے اسی لئے وہ رسولؐ کے جانشین نہیں تھے مثلا خلیفہ اول۔ بقول اہل سنت۔ ابوبکر سے لوگوں نے لفظِ ''ابا'' کے معنی معلوم کئے جو کہ درج ذیل آیت میں استعمال ہوا ہے:

---

(۱) نہج البلاغہ خطبہ ۱۸۹، بحار الانوار ج ۱۰ ج ۳۰ ص ۶۷۰ ج ۴۰ ص ۱۵۳ ج ۵۲ ص ۲۷۲ ج ۵۳ ص ۸۱ ج ۶۶ ص ۲۲۷ کشف الغمہ ج ۱ ص ۱۳۰ مناقب ابن شہرآشوب ج ۲ ص ۳۹ عبارتوں میں کچھ اختلاف کے ساتھ ہر ایک نے یہی تحریر کیا ہے۔

(۲) ارشاد القلوب ج ۲ ص ۳۷۶

﴿و فاكهةً و أبًّا﴾ (۱)

لیکن ابوبکر نے عرب ہونے کے باوجود کہا: میں نہیں جانتا، اس کے علاوہ لوگوں نے ابوبکر سے بہت سی چیزوں کے بارے میں سوال کئے مگر انہیں ان چیزوں کا علم نہیں تھا۔ (۲)

اسی طرح عمر سے بھی جب دینی و دنیوی چیزوں کے بارے میں سوال کئے جاتے تھے تو وہ حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ سے مدد لیتے تھے اور امیر المومنینؑ انہیں حل کرتے تھے چنانچہ مورخین نے لکھا ہے کہ عمر نے ستر مرتبہ "لَوْلا عَليّ لَهَلَكَ عُمَر" کہا ہے۔

یعنی اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے۔

ایک واقعہ کے بارے میں کہتے ہیں:

أعوذُ بالله مِنْ كُلِّ مُعضِلَةٍ لَيْسَ لَهَا أبُو الْحَسَنِ. (۳)

جس مشکل کو حل کرنے کے لئے ابوالحسن نہ ہوں اس سے میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں۔

اسی طرح ایک اور موقعہ پر کچھ مسائل حل نہ کر سکے تو کہنے لگے:

"لا أبقاني الله بَعْدَكَ يا عَليّ"۔ (۴) اے علی! آپ کے بعد خدا مجھے باقی نہ رکھے۔

(۱) عبس ۳۱

(۲) نور الثقلین ج ۵ ص ۵۱۱ فی ارشاد المفید: روى ان ابابكر سئل عن قول الله تعالىٰ: ﴿و فاكهة و ابا﴾ فلم يعرف معنا الاب من القرآن و قال: ايّ سماء تظلّني أم أي أرض تقلّني أم كيف أصنع ان قلت في كتاب الله بما لا اعلم، انّه الفاكهة فنعرفها، و اما الأبّ فالله أعلم، فبلغ أمير المؤمنينؑ مقاله في ذلك فقال: سبحان الله اماعلم أن الأبّ هو الكلاء و المرعى؟ و ان قوله تعالىٰ﴿ و فاكهة و اباً﴾ اعتداد من الله بانعامه علىٰ خلقه فيما غذاهم به و خلقه لهم و لانعامهم مما تحيى به انفسهم، و تقوم به اجسادهم۔

(۳) بحار الانوار ج ۴۰ ص ۱۹۹ اس بات کو انہوں نے کتاب الابانۃ والفائق سے نقل کیا ہے، واضح رہے اسی مفہوم کی مختلف عبارتیں بہت سی کتابوں میں نقل ہوئی ہیں۔ مثلاً: ان عمر بن الخطاب قال: اللهم انّی اعوذ من عضيهة ليس لها عليٌّ عندي حاضراً۔ ی اجزری نہایۃ میں تحریر کیا ہے: و منه حديث عمر اعوذ بالله من كل معضلة ليس لها ابو حسن۔

(۴) بحار الانوار ج ۴۰ ص ۱۴۸

عثمان بھی ایسے ہی تھے مسائل کا جواب نہیں دے پاتے تھے۔

ال سنّت کے ائمہ اربعہ بھی علم دین سے نابلد تھے، دینی مسائل سے واقف نہیں تھے، بس اتنا ہی جانتے تھے جتنا انہوں نے امام محمد باقرؑ، امام جعفر صادقؑ اور دیگر ائمہؑ سے سیکھ لیا تھا۔

پس علم دین بلکہ تمام علوم اور مسائل میں ائمہ اطہارؑ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

فَدَعْ عَنْکَ قَوْلَ الشَافِعِي و مَالِکٍ
و أحمَدَ والنُعمَانَ أو كَعْبَ الأحبارِ
ووالِ اُنَاساً قَولِهِمْ و حَدِيثُهُم
روىٰ جَدُّنا عَن جِبرَئِيلُ عَنِ البَارِي(۱)

ابوحنیفہ، احمد بن حنبل، شافعی اور مالک وکعب الاحبار کی باتوں پر کان نہ دھرو، اس کے بدلے ان لوگوں سے محبت وولایت کا اظہار کرو کہ جن کا یہی کہنا ہے:

ہم نے اپنے جد سے اور ہمارے جد نے جبرئیل سے اور جبرئیلؑ نے خدا سے اس طرح نقل کیا ہے۔

حضرت علیؑ علم کے بلند ترین مرتبہ پر فائز تھے اور آپؑ کے عمل کی جو کیفیت تھی وہ بھی سب پر آشکار ہے، آپؑ راتوں کو عبادت میں بسر کرتے تھے، ہزار رکعت نماز پڑھتے تھے، ایسی نمازیں پڑھتے تھے کہ حالتِ نماز میں آپؑ کے پیر سے تیر نکال لیا گیا اور آپؑ کو مطلق خبر نہ ہوئی، آپؑ اس طرح خدا سے راز و نیاز میں مصروف تھے کہ آپ کو خبر تک نہ ہوئی۔

حضرت علیؑ کے اہم ترین امور میں سے ایک آپؑ کا جہاد بھی ہے آپؑ نے جنگ خندق میں جو ضرب عمرو بن عبدود کو لگائی تھی اس کے بارے میں رسولؐ نے فرمایا ہے:

(۱) یہ اشعار شیخ ابراہیم بن سلیما قطیفی کے ایک اجازہ میں تحریر ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں: ج ۱۰۸ص ۱۱۷،

اذا شئت اَنْ ترضى لنفسك مذهبا	يُنجيكَ يَومَ البعثِ مِنْ ألمِ النّارِ
فدع عنك قول الشافعيِّ و مالكٍ	و أحمَدَ و النعمانِ أو كَعْبَ الأحبار
و وال اُناساً قولهم و حديثهم	روى جدّنا عن جبرئيل عن الباري

"ضَرْبَةُ عليٍّ يَومَ الْخَنْدَقِ أفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ أُمَّتي الىٰ يَومِ القِيَامَةِ". (۱)

جنگ خندق میں علیؑ کی ضربت میری امّت کے ان اعمال سے افضل و بہتر ہے جو قیامت تک انجام پذیر ہونگے۔

بعض روایات میں یہ عبارت بھی نقل ہوئی ہے:

"ضَربَةُ عَليٍّ يَومَ الْخَنْدَقِ أفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَينِ اِلىٰ يَومِ الْقِيامَةِ."(۲)

ساری جنگوں میں آپؑ نے خالص خدا کے لئے جہاد کیا ہے اس کی کتنی اہمیت تھی اس کو خدا ہی جانتا ہے اس سے قطع نظر جنگ خندق میں آ کی ایک ہی ضربت جن وانس کی قیامت تک کی عبادت سے افضل ہے۔

یہ تو مسلم ہے کہ حضرت علیؑ بن ابی طالب کے وجود میں علم و عمل اپنے نقطۂ کمال پر پہنچے ہوئے تھے۔

**۲. اجْتَمَعَ فيه الحَسَبُ والتواضُعُ بِاكمالٍ وقَلَّ ما يجتمعان:**

حضرت علیؑ میں حسب نسب کی بلندی اور فروتنی و خاکساری جمع ہوگئی تھی اور دونوں ہی درجۂ کمال پر پہنچی ہوئی تھیں۔

حسب کے لحاظ سے آپؑ رسولؐ کے بھائی اور ابو طالبؑ -سید البطحاء- کے فرزند تھے، حسنؑ و حسینؑ آپ کے فرزند اور فاطمہ زہراؑ آپؑ کی شریک حیات تھیں اس سے بلند و اعلیٰ حسب و نسب کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس عظمت و شرافت کے باوجود آپؑ کی فروتنی بھی درجہ کمال پر تھی۔ فقیروں اور مسکینوں کے ساتھ بھی بیٹھ جاتے تھے اور فرماتے تھے:

---

(۱) احقاق الحق ج۸ ص۳۱۹

(۲) اقبال الاعمال ص ۴۶۸ وفی حدیث آخر لضربةُ عليٍّ يومَ الخَندَق أفضل من عبادة الثقلين، الطرائق ج۲ ص۵۱۹، ان النّبيّ قال يوم الأحزاب لـضربة عـليٍّ خيرٌ من عبادة الثقلين، عوالي الآلي ج٤ ص ٨٦ و قالؐ لضربَةُ عليٍّ لعمرو يوم الخندق تعدل عبادة الثقلين، كشف اليقين ٨٣ و جـعـل رسول اللهؐ يقول قتله لعمرو بن عبد ود العامرى أفضل من عبادة الثقلين، نهج الحق ٢٤٤ و قد أجمع النّاس كافة على أنّ علياً كان أشجع النّاس بعد النّبيّ و تعجب الملائكة من حَملاته۔ و فضَّلَ النّبيّ قتله لعمرو بن عبد ود على عبادة الثقلين۔

"أنا مِسْكِينٌ أُجالِسُ المَساكينَ" (۱)

میں ایک مسکین ہوں اور مسکینوں کے ساتھ بیٹھا ہوں۔

آپؑ کی تواضع سے متعلق بہت سے واقعات نقل ہوئے ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ آپؑ کا حسب ونسب اور تواضع بہت بلند تھی لیکن ایک دوسرے سے مخلوط تھی ایسا بہت کم دیکھنے میں آتا ہے کہ کوئی عالی حسب و نسب والا تواضع وفروتنی کا بھی حامل ہو چہ جائیکہ فروتنی بھی اپنے نقطہ عروج پر پہنچی ہوئی ہو۔

۳. و اجتمعَ فيهِ الفَقْر و السَّخىٰ بِاكمالٍ وقلَّ ما يجتمعان

آپؑ کے وجود مبارک میں سخاوت و ناداری بھی یک جا ملتی ہیں اور دونوں درجۂ کمال پر تھیں حالانکہ یہ دونوں صفتیں بہت کم باہم جمع ہوتی ہیں۔

جو لوگ فقیر و نادار ہوتے ہیں وہ سخی نہیں ہوتے اور جو سخی ہوتے ہیں وہ نادار وفقیر نہیں ہوتے لیکن حضرت علیؑ نادار ہوتے ہوئے بھی سخی تھے۔ آپؑ کی سخاوت کا دریا اس وقت بھی جوش میں تھا جب آپؑ ظاہری خلافت سے الگ تھے اور اس خلوص کے ساتھ سخاوت کرتے تھے کہ آپؑ کی اور خاندان نبوت کی مخلصانہ سخاوت ہی کے بارے میں سورہ ھل اتی نازل ہوا ہے۔

۴. و اجْتَمَعَ فيهِ الزُّهْدُ و حُسْنُ الْخُلْقِ بِاكمالٍ، وقَلَّ ما يجتمعان

آپؑ کے وجود مقدس میں حسنِ خلق اور دنیا سے بے رغبتی بھی ایک دوسرے سے مخلوط تھی اور اپنے کمال پر تھی حالانکہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ یہ دونوں باہم جمع ہوں۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو لوگ زاہد اور دنیا سے بے رغبت ہوتے ہیں وہ ہمیشہ دل گرفتہ ہوتے ہیں ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ وہ با اخلاق اور ہشاش وبشاش ہوں۔

آپ زہد اور حسن خلق سے آراستہ تھے بلکہ یہ دونوں صفتیں آپ کے وجود میں بدرجۂ اتم موجود تھیں آپؑ زہد میں درجۂ کمال پر پہنچے ہوئے تھے۔ فرماتے تھے:

---

(۱) روضۃ الشہداء کاشفی ص ۱۷۲

"واللّٰهِ لدُنْياكُمْ هذهِ أهونُ في عَيْني مِنْ عُراق خنزيرٍ في يدِ مَجْذُومٍ" (۱)

خدا کی قسم تمہاری دنیا میری نظر میں سور کی اس ہڈی سے بھی زیادہ منفور و حقیر ہے جو مجذوم کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔

حضرت علیؑ نے دنیا کو تین بار طلاق دی تھی۔ آپؑ کو دنیا و مافیہا کی بالکل پروانہیں تھی، پس آپؑ کا زہد مرتبۂ کمال پر پہنچا ہوا تھا، اسی طرح حسن اخلاق بھی مرتبۂ کمال پر پہنچا ہوا تھا یہاں تک کہ جب آپ کے دشمنوں کو آپ کے اندر کوئی عیب نظر نہ آیا تو کہنے لگے:

"علی بن ابی طالب زیادہ مذاق کرتے ہیں۔" (۲)

حالانکہ آپؑ کا مزاح برحق ہوتا تھا جیسا کہ رسولؐ کا مزاح بھی حق ہی ہوتا تھا۔

۵. و اجتمعَ فيه الشجاعةُ و رِقَّةُ القَلْبِ باِكمالٍ و قَلَّ ما يجتمعان

آپ کے وجود میں شجاعت اور نرم دلی کامل طور پر باہم جمع تھی حالانکہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک جگہ جمع ہوں۔

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت علیؑ جیسا شجاع پیدا نہیں ہوا ہے یہی آپؑ کی شجاعت کا ثبوت ہے۔ آپ فرماتے تھے:

"واللّٰهِ لو تَظاهَرَتِ العَرَبُ علىٰ قِتَالِي لَما وَلَّيتُ عَنها ولو امكَنَتِ الفُرَصُ

---

(۱) نہج البلاغہ کلمۂ حکمت: ۲۳۶

(۲) اس کی طرف آپؑ نے نہج البلاغہ کے خطبہ ۸۴ میں اشارہ فرمایا ہے:

عجباً لابنِ النابغةِ يزعمُ لأهل الشّام أنَّ فيَّ دُعابَةً و إنّي اِمرؤٌ تلعابة أُعافِسُ و أُمارِسُ لقد قال باطلاً و نَطَقَ آثماً أما و شرُّ القول الكذب انّه ليقول فيكذب و يعد فيخلف و يسأل فيبخل و يُسأل فيلحف و يخون العهد و يقطع الإلَّ فاذا كان عند الحرب فأيُّ زاجرٍ و آمرٍ هو ما لم تأخذ السيوف مآخذها فاذا كان ذلك كان اكبر مكيدته ان يمنح القرم سبّتة أما و اللّه إنّي ليمنعني من اللعب ذكر الموت و انّه ليمنعه من قول الحق نسيان الآخرة انّه لم يبايع معاوية حتّى شرط ان يؤتيه اتيةً و يرضخ له علىٰ ترك الدّين رضيخة۔

مِنْ رِقابِها لَسارَعتُ اِلَيها". (۱)

خدا کی قسم اگر تمام عرب متحد ہو کر مجھ سے جنگ کرنا چاہیں تو میں میدان چھوڑ کر پیٹھ نہیں دکھاؤنگا اور فرصت ملے گی تو تن تنہا سب سے جنگ کرونگا۔

جنگوں میں حضرت علیؑ کی صورت و ہیبت کچھ ایسی تھی کہ جب بھی آپؑ کا کسی سے مقابلہ ہوتا تھا تو مد مقابل حواس باختہ ہو جاتا تھا۔

حضرت امام زمانہؑ کی زیارت میں پڑھا جاتا ہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ و سَلِّم و زِدْ و بارِک عَلىٰ صاحِبِ الدَّعْوَةِ النَّبوِيَّةِ و الصَّولَةُ الْحَيْدَرِيَةِ. (۲)

امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے وجود میں حضرت علیؑ کی صفت پائی جاتی ہے۔

درِ خیبر کو اکھاڑنا بھی کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ سنی المسلک ابن ابی الحدید معتزلی نے حضرت علیؑ کی شان میں سات قصیدے کہے ہیں ان میں سے ایک درِ خیبر اکھاڑنے کے بارے میں ہے۔

---

(۱) نہج البلاغہ مکتوب ۴۵

(۲) دعائے دوازدہ، امام خواجہ نصیر طوسیؒ سید داماد کہتے ہیں: میں نے بارہا دعائے دوازدہ امام خواجہ نصیر طوسیؒ کو پڑھا اور میری حاجتیں پوری ہوئیں، اور عالم رویا میں اس دعا کو میں نے حضرت علیؑ کے روضۂ اقدس کے کتیبہ میں دیکھا ہے۔ مخزن مخطوطات آستانۂ قدس رضوی شمارہ نسخہ ۳ و ۱۰۲ سال نگارش ۱۰۸۴ھ ق ایسی ہی عبارت مصباح کفعمی کے صفحہ ۲۰۷ پر خطبہ عیدین کے ذیل میں خطبہ ثانیہ کے عنوان سے نقل ہوئی ہے:

اَللّٰهم وصلِّ علىٰ صاحب الدعوة النبوية و الصولة الحيدريّة والعِصْمَةِ "الشهب" الفاطمية و الصلابة "الصلاة" الحسنية و الإستقامة الحسينية و العبادة السجادية و المآثر الباقرية و الآثار الجعفرية و العلوم الكاظمية و الحجج الرضوية و الشروع المحمدية و القضايا العلوية و الهيبة العسكرية القائم بالحق و الداعى الىٰ الصدق الامام ابى القاسم الولي المنتظر المهدي محمّد بن الحسن بن علي اللّٰهم عجّل فرجه و اوسع منهجه و املأ به الأرض عدلاً و قسطاً و اماناً كما ملئت ظلماً و عدواناً۔

یـــا قـــالـع الـبـــاب الّـذي عـن هـزّهـــا

عَـــجَـــزَت أكُفٌّ أربَـــعـــونَ وأرْبَـــعُ(۱)

اے وہ ذات والا صفات کہ جس نے خیبر کے اس در کو اکھاڑ ڈالا کہ جس کو چوالیس آدمی جنبش نہیں دے سکتے تھے۔

درِ خیبر اکھاڑنے کے بارے میں خود حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

میں نے طاقت بشری سے درِ خیبر نہیں اکھاڑا بلکہ خدائی طاقت سے اکھاڑا ہے۔(۲)

کـس راچـه زور و زهـره کـه وصف علی کند

جبـــار در مـنـــاقـــب او گـفـت هـل اتـیٰ

زور آزمـــای قـلـعـــه ی خیبـر کـــه بـنـد او

در یـکـد گـر شـکـسـت بـه بـازوی لا فتـیٰ

شیـر خـدای و صـفـدر میدان و بـحـر جـود

جـان بـخـش، در نـمـاز و جهان سوز، در وغا

دیـــاچـــه ی مـروت و سـلـطـــان مـعـرفـت

لشـــکـــر کـــش فتـوت و سـردار اتـقیـــا

فـردا کـه هـر کسی بـه شـفیعی زنند دست

مـــائیـم و دســت و دامـن مـعـصـوم مـرتضیٰ

کس کی ہمت ہے کہ حضرت علیؑ کی مدح وثنا کر سکے، ان کے مناقب میں خود خدا کہتا ہے ھل اتیٰ قلعۂ خیبر کے زور آزما تو اسی میں بند تھے اور لافتیٰ، حضرت علیؑ نے اس کے در کو توڑ ڈالا تھا۔

---

(۱) قصیدۂ عینیہ ابن ابی الحدید، الامام علیؑ بن ابی طالبؑ ''رحمانی ہمدانی'' ص ۳۷۶

(۲) امالی صدوقؒ مجلس ہفتاد و ہفتم: ان امیر المومنینؑ قال فی رسالته الیٰ سهل بن حنیفؒ: و الله ما قلعت باب خیبر و رمیت به خلف ظهری اربعین ذراعا بقوة جسدية و لا حركة غذائية لكنی ايدت بقوة ملكوتية و نفس بنور ربها مضيئة۔

حضرت علیؑ جو کہ خدا کے شیر، مردِ میداں اور بحرِ سخا ہیں وہ مصلائے نماز پر جان بخش ہیں۔
اور میدان جنگ میں دنیا کو الٹ دینے والے ہیں۔
آپ مروت کا سر آغاز و سرنامہ ہیں اور معرفت کے بادشاہ ہیں، جواں مردوں کے سالار اور پرہیز گاروں کے پیشوا ہیں۔
کل۔ قیامت میں۔ ہر شخص کسی نہ کسی شفاعت کرنے والے کے دامن سے وابستہ ہوگا۔
اور ہم۔ انشاءاللہ۔ پاک و معصوم حضرت علیؑ مرتضیٰ کے دامن سے وابستہ ہونگے۔(۱)
مختصر یہ کہ حضرت علیؑ کی ذات میں متضاد صفتیں جمع تھیں اور ہر صفت اپنے کمال پر پہنچی ہوئی تھی اسی لئے کہا جاتا ہے کہ آپؑ جامع الاضداد تھے صفی الدّین حلی کہتے ہیں:

جُـمِـعَـتْ فـي صِـفَـاتِـکَ الأضْـدَادُ
فـلِهـذا عَـزَّت لَکَ الأنْـدادُ
زاهـدٌ حـاكِـمٌ حَـلیـمٌ شُـجَـاع
فَـاتِـکٌ نَـاسِـکٌ فَـقِیـرٌ جَـوادُ
شِيَـمٌ مـا جُـمِـعـنَ فـي بَشَـرٍ قَـطّ
ولا حَـازَ مِثْـلَهُـنَّ الـعِـبادُ
خُـلُـقٌ يُـخْـجِـلُ الـنَّسِيـمَ مِـنَ
الـلـطفِ و بـأسٌ يـذوبُ مـنـه الـجـمادُ(۲)

❀❀❀❀❀

---

(۱) کلیات سعدی قصائد ص ۸۸۱

(۲) منتہی الآمال ص ۱۸۶ فضائل علیؑ بن ابی طالبؑ کے ذیل میں بحوالۂ دیوان صفی الدّین حلی مرقوم ہیں۔

# تیسری تقریر

تحریک وانقلاب حسینیؑ کا مقصد

- قیام وانقلاب حسینؑ کا اصلی مقصد
- دین کے علامتوں اور نشانات سے لوگوں کو آگاہ کرنا
- عدل کے فروغ کے ساتھ معاشرہ کی اصلاح
- مظلوموں کو نجات دلانا
- دینی احکام ودستورات پر عمل
- عہد معاویہ میں مسلمانوں کی حالت
- علیؑ کے فضائل بیان کرنے پر معاویہ کی طرف سے پابندی
- خلفائے ثلاثہ کے فضائل میں حدیث گڑھوانا
- معاویہ کا حکم کہ علیؑ پر سب وشتم کیا جائے
- شیعیان علیؑ کا قتل
- مخصوص شرائط کے تحت امام حسنؑ کی صلح معاویہ کے ساتھ
- امام حسینؑ سے یزید کا بیعت طلب کرنا
- اہل کوفہ کا امام حسینؑ کو دعوت دینا
- امام حسینؑ کو اپنی اور اپنے اصحاب کی شہادت کا علم تھا
- شہادتِ امام حسینؑ سے دین خدا بچ گیا
- مجالس حسینیؑ کی برکت سے معارف، اسلام بیان ہوتے ہیں
- امام حسینؑ کی خفیہ شہادت میں آپ کے مقاصد پورے نہ ہوتے۔

لفظ نہضت یا نہضت کے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص یا ایک جماعت ایسے شائستہ اور پسندیدہ کام کے لئے قیام کرے کہ جس میں عام لوگوں کی بھلائی اور فائدہ ہو۔

اہل حق نے ہمیشہ باطل پرستوں کا مقابلہ کیا ہے اور ان کے خلاف قیام کیا ہے مثلاً انبیاء نے مشرکین او ربت پرستوں کے خلاف قیام کیا ہے ایک زمانہ میں حضرت ابراہیم نے نمرود کے خلاف قیام کیا۔ پھر حضرت موسیٰؑ فرعون کے مقابلہ میں اٹھے اس کے بعد جناب عیسیٰؑ کفار اور یہود کے خلاف قیام کرتے ہیں پھر حضرت محمدؐ کفار و مشرکین اور عرب کے بت پرستوں کے خلاف قیام کرتے ہیں اسی طرح حضرت علیؑ معاویہ کے خلاف اٹھتے ہیں اور امام حسینؑ یزید و بنی امیہ کے مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

لیکن ان تمام تحریکوں میں امام حسینؑ کی تحریک و نہضت سب سے بلند و نمایاں ہے اس کی بلندی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ امام حسینؑ پر پڑنے والے مصائب انبیاء پر پڑنے والے مصائب سے کہیں زیادہ سخت تھے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس محیر العقول انقلاب و قیام سے امام حسینؑ کا مقصد کیا تھا؟

اس عظیم مقصد کو خود امام حسینؑ کے فرمودات میں تلاش کرنا چاہئے۔ ہم یہاں آپؑ کے فرمودات کا ایک حصہ بیان کرتے ہیں۔

امام حسینؑ نے واقعہ کربلا سے قبل اور عہدِ معاویہ میں ایک خطبہ منیٰ میں جم غفیر کے سامنے دیا تھا(۱) اور چونکہ منیٰ میں صحابہ وتابعین اور معاویہ کے طرف داروں کی بھی ایک جماعت موجود تھی یعنی اس مجمع میں وہ لوگ بھی شریک تھے جو حدیث گڑھا کرتے تھے اور تن دہی سے بنی امیہ کے مقاصد کی تکمیل کی کوشش کیا کرتے تھے لہٰذا آپؑ نے ان کو سرزنش اور وعظ ونصیحت کی تھی (فی الحال ہمارا ارادہ ان چیزوں کو بیان کرنے کا نہیں ہے) لیکن خطبہ کے آخر میں آپؑ بارگاہِ رب العزت میں دعا کرتے ہیں اس میں آپؑ کے بعض حقیقی مقاصد کی طرف اشارہ ملتا ہے اور وہ دعا یہ ہے:

"اَللّٰهم اِنَّک تَعْلَمُ اَنَّهُ لَمْ يَكن ما كان منّا تنافساً في سلطان ولا التماساً من فضول الحطام، ولكن لنُرِيَ المعالم من دينک، و نُظهِر الاِصلاح في بِلادک، و يأمَنَ المظلومون مِنْ عبادک، و يُعمل بفرائضک و سُننک و أحكامک". (۲)

اے اللہ! تو جانتا ہے کہ ہماری (یعنی امیر المومنینؑ، امام حسنؑ، میری اور میرے بعد تمام ائمہ کی) طرف سے جو بھی ہوا ہے یا ہوگا اس کا مقصد حکومت حاصل کرنا اور دنیوی لذت سے سرشار ہونا نہیں ہے بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ:

۱۔ لوگوں کو تیرے دین اور اسلامی معارف سے آشنا کریں۔

۲۔ تیرے شہروں میں عدل کی بنیاد پر معاشرہ کی اصلاح کریں۔

اسی عدل کی اساس پر جو کہ تمام انبیاء کا مقصد رہی ہے۔

کیونکہ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

﴿لقد أرسلنا رُسُلَنا بالبيّناتِ و أنزلنا مَعَهُمُ الكتابَ والميزانَ ليقومَ النّاسُ بالقِسْطِ وأنزلنا الحديدَ﴾ (۳)

---

(۱) بعض لوگوں نے یہی کہا ہے کہ یہ ایک مکتوب تھا جو آپؑ نے پیغام کی صورت میں لکھا تھا اور منیٰ میں لوگوں کے سامنے پڑھا تھا۔

(۲) تحف العقول ص ۲۳۹، بحار الانوار ج ۱۰۰ ص ۷۹

(۳) حدید: ۲۵

یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ان کو کتاب ومیزان عطا کی تا کہ وہ وحدانیت وتوحید کی دعوت کے بعد لوگوں کے درمیان عدل قائم کریں...

مختصر یہ کہ عدل کا نفاذ انبیاء کا عظیم مقصد تھا۔

۳۔خدا بندوں میں سے مظلوں کو ظالموں اور ستمگروں کے چنگل سے نجات دلائیں اور مظلوم کو ظلم کے شکنجہ سے رہائی دلائیں۔

۴۔لوگ واجبات، مستحبات اور تیرے دین کے احکام پر عمل کریں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حسینؑ کا مقصد لوگوں کو خدا پرستی، اس کی وحدانیت، معارفِ اسلامی، عدالت مظلوم کو ظلم سے رہائی دلانا اور اسلام کے احکام ودستورات پر عمل کرنے کی طرف دعوت دینا تھا۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ امام حسنؑ کے زمانہ میں مسلمانوں کی کیا حالت تھی تا کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ آپؑ کے قیام کا کیا مقصد تھا؟

یہ بات تو واضح ہے کہ معاویہ اسلام کو نابود کرنا چاہتا تھا، ہمارے اس دعوے کی دلیل اہل سنّت کی تواریخ ہے اس سلسلہ میں انہوں نے بہت کچھ لکھا ہے مثلاً مروج الذہب۔(۱) جو کہ ایک تاریخی کتاب ہے اور شیعہ سنی دونوں کے نزدیک معتبر ہے۔میں مسعودی نے مطرف بن مغیرہ بن شعبہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا:

ایک بار میں اپنے والدہ مغیرہ کے ساتھ معاویہ سے ملاقات کے لئے شام گیا تھا میرے والد ہر روز معاویہ کی چالاکی اور زیرکی کی تعریف کیا کرتے تھے ایک روز میں نے دیکھا کہ والد بہت مغموم ہیں اس حد تک رنجیدہ ہیں کہ شام کا کھانا بھی نہیں کھایا۔میں نے معلوم کیا: آپ رنجیدہ کیوں ہیں؟ انہوں نے کہا: میں خبیث ترین انسان -معاویہ- کے پاس سے آیا ہوں کیونکہ میں نے اس سے یہ کہا تھا اب تم اسلامی مما لک اور اسلامی شہروں کے بادشاہ بن گئے لہذا عدل گستری کا مظاہرہ کرو اور کارِ خیر انجام دو۔اس پر

---

(۱) مروج ج ۳ ص ۴۵۴

معاویہ نے یہ جواب دیا: ابوبکر نے چند دن حکومت کی اور پھر اپنی راہ لی اور ان کا نام بھی ختم ہوگیا، عمر وعثمان کا بھی یہی حال ہے اب ان کا بھی نام نہیں ہے لیکن محمد ۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔ ابھی تک عظمت واحترام کے ساتھ یاد کئے جاتے ہیں اور صبح وشام پانچ مرتبہ کہا جاتا ہے: اَشھدُ انّ محمداً رسول اللہؐ ۔ اس کے بعد معاویہ نے کہا: میں اس نام کو مٹائے بغیر آرام سے نہیں بیٹھوں گا۔

اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ معاویہ اور بنی امیہ کے تمام خلفاء کا اصلی مقصد اسلام کو نابود کرنا تھا۔ درحقیقت انہیں رسولؐ سے دشمنی تھی۔ آنحضرتؐ سے دشمنی کی وجہ سے امیر المومنینؑ سے دشمنی رکھتے تھے، ہاں وہ رسولؐ سے دشمنی کا اظہار نہیں کر سکتے تھے حضرت علیؑ سے دشمنی کا اظہار کرتے تھے۔

عبداللہ بن عباس کہتے ہیں:

انّهم يريدون بسبِّ عليٍّ بن ابي طالب سبَّ رسول اللّه(۱)

یہ چاہتے ہیں کہ حضرت علیؑ پر سب وشتم کر کے رسولؐ پر سب وشتم کریں، یہ رسول کو برا کہنا چاہتے تھے لیکن ان میں اس کی جرأت نہ تھی۔

اس سلسلہ میں بہت سی دلیلیں موجود ہیں کہ بنی امیہ کا مقصد صرف رسولؐ اور امیر المومنینؑ سے جنگ ہی نہیں تھا بلکہ ن کا اصل مقصد یہ تھا کہ اسلام اور توحید کو نیست و نابود کر دیں چنانچہ معاویہ نے زمام حکومت سنبھالتے ہی یہ حکم دیا کہ جو شخص بھی امیر المومنینؑ کی کوئی بھی فضیلت بیان کرے گا اسے سخت سزا دی جائیگی۔

دوسرے اس نے یہ حکم صادر کیا کہ ابوبکر وعمر اور عثمان کی فضیلت میں رسولؐ کی زبان سے حدیثیں گڑھی جائیں۔ نتیجہ میں عمر و عاص، ابوہریرہ اور مغیرہ بن شعبہ وغیرہ نے ابوبکر وعمر وعثمان کی فضیلت سے متعلق حدیثیں گڑھنا شروع کر دیں ان میں سے بہت سی حدیثیں آج تک اہل سنّت کی کتابوں میں موجود ہیں ان لوگوں نے صرف حدیثیں گڑھی ہی نہیں بلکہ انہوں نے ایسی ناقابل انکار حدیثوں میں بھی کمی بیشی کر دی

(۱) ملاحظہ فرمائیں کشف الغمہ ص ۱۰۹، کشف الیقین، ص ۲۳۲

جوحضرت علیؑ کی فضیلت میں تھیں مثلاً:

"أنا مدينةُ العلمِ وعليٌّ بابها". (۱)

اس حدیث میں انہیں نے اضافہ کیااور اس طرح نقل کیا: رسولؐ نے فرمایا:

"انا مدينة العلم و ابوبكر اساسها و عمر حيطانها و عثمان سقفها و عليٌّ بابها". (۲)

میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں اور ابوبکر اس کی بنیاد ہے اور عمر اس کی دیوار ہے اور عثمان اس کی چھت ہے۔

یہ حدیث آج بھی کتابوں میں موجود ہے۔ علماء شیعہ کا اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ شہر پر چھت نہیں ہوتی۔

یا وہ مشہور حدیث جو امام حسنؑ وحسینؑ کی فضیلت میں نقل ہوئی ہے اور جس کا وہ انکار نہیں کر سکتے تھے۔ رسولؐ نے حسنینؑ کے بارے میں فرمایا تھا:

"الحسن والحسين سيّدا شباب أهل الجنة". (۳)

حسنؑ وحسینؑ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔

اس کے مقابلہ میں انہوں نے یہ حدیث گڑھی:

ابوبكر و عمر سيّدا كهول الجنة. (۴)

ابوبکر وعمر جنت کے بوڑھوں کے سردار ہیں۔

---

(۱) الغدیر ج۶ ص ۶۱-۷۹، اختصاص ص ۲۳۷، ارشاد القلوب ج ۲ ص ۲۱۲ وص ۳۷، امالی طوسی ص ۵۵۸ وص ۵۵۸، امالی صدوق ص ۳۴۳ وص ۵۶۱، ارشاد ج ۱ ص ۳۳

(۲) الصوارم المحرقہ ص ۱۳۲

(۳) بحار الانوار ج ۳۷ ص ۷۳

(۴) الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ ج ۱ مقدمۃ المولف فضل ابی بکر وعمر تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۴۳

اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جنت میں بوڑھے ہونگے ہی نہیں، جتنے بھی جنتی ہونگے وہ سب کے سب جوان محشور ہونگے۔

ان جھوٹے راویوں نے ابوبکر وعمر اور عثمان کی فضیلت اور العیاذ باللہ بنی ہاشم وامیر المومنینؑ کی منقصت میں بہت سی حدیثیں گڑھ ڈالیں اور اس زمانہ میں یہ حدیثیں مدرسوں میں بچوں کو پڑھائی جاتی تھیں۔

تیسرے: معاویہ نے یہ حکم صادر کیا کہ تمام شہروں میں نمازِ جمعہ کے خطبوں میں منبر سے علیؑ بن ابی طالبؑ پر معاذ اللہ لعنت کی جائے (۱) چنانچہ تمام اسلامی ممالک میں یہ رسم-بد-رائج ہوگئی اور عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ تک جاری رہی، عمر بن عبدالعزیز نے اس رسم کو بند کیا (۲) مگر یہ سلسلہ اس کی مدت، خلافت ڈھائی سال، تک ہی بند رہا اور اس کے بعد بنی امیہ کے دوسرے خلفاء نے پھر جاری کر دیا اور عباسیوں کے عہدِ حکومت تک جاری رہا۔

چوتھے: معاویہ نے یہ فرمان جاری کیا: جہاں بھی کسی شیعہ کو دیکھو! قتل کر دو، اس کے گھر کو ویران کر دو، بیت المال سے ملنے والے حقوق سے اسے محروم کر دو نتیجہ میں شہروں شہروں شیعوں کو قتل کیا جانے لگا۔ (۳)

معاویہ کی طرف سے شیعوں پر یہ مظالم امام حسینؑ ہی کے زمانہ میں ہو رہے تھے اور آپؑ معاویہ کے ان جرائم کو دیکھ رہے تھے۔ تاریخی کتابوں میں لکھا ہے:

---

(۱) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱۱ ص ۴۴

(۲) تاریخ الخلفاء ص ۲۴۳ تا ص ۲۴۷، مروج الذہب ج ۳ ص ۱۷۴ یہ حکم دیا کہ سورہ حشر کی ایت ۷ آیہ ربّنا اغفر لنا و لإخواننا الّذين سبقونا بالايمان ولا تجعل في قلوبنا غِلاً للذين آمنوا ربنا انّك رؤوفٌ رحيمٌ﴾ (حشر ۱۰) یا ﴿إنّ اللهَ يأمرُ بالعدلِ و الإحسانِ وإيتاءِ ذي القربىٰ و ينهى عن الفحشاء و المنكر و البغي﴾ (نحل ۹۰) کو قرار دی جائے۔

(۳) ترجمۃ الامام حسنؑ ص ۱۸۴

زیاد بن ابیہ کے حکم سے (جو کہ عبید اللہ بن زیاد ملعون کا باپ تھا اور عہد معاویہ میں کوفہ و بصرہ کا حاکم تھا) اس کے جانشین سمرہ بن جندب نے بصرہ میں ایک دن میں آٹھ ہزار شیعوں کو قتل کیا تھا، ان کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ حضرت علیؑ کے شیعہ تھے۔(۱)

دوسرے شہروں میں کیا حشر ہوا ہوگا اس کو خدا ہی جانتا ہے یہ خونریزیاں امام حسینؑ کے زمانہ میں ہوئیں اور آپؑ ان لرزہ براندام کردینے والے معاویہ کے مظالم کو دیکھ رہے تھے۔

دین کی بقا کے لئے امام حسنؑ نے معاویہ سے صلح کرنے میں ہی بہتری سمجھی امام حسینؑ بھی دین کی بقاء وحفاظت کے لئے اس صلح کے پابند رہے اگرچہ معاویہ نے صلح کے شرائط پر عمل نہیں کیا کیونکہ ان میں سے یہ شرطیں بھی تھیں:

۱۔حضرت امیر المومنینؑ پر سب شتم نہیں کیا جائے گا۔لیکن کیا گیا۔

۲۔شیعہ امان میں رہیں گے مگر ان کے لئے امان نہیں تھی۔

۳۔معاویہ یزید کو اپنا جانشین مقرر نہیں کرے گا۔حالانکہ معاویہ نے اسے اپنا جانشین بنایا۔

باوجودیکہ معاویہ نے صلح کے شرائط کی خلاف ورزی کی تھی لیکن مام حسینؑ نے بھی امام حسنؑ کی مانند اس لئے صبر کیا کہ معاویہ کے ساتھ صلح کو دونوں کی صلح سمجھا جاتا ہے۔یہاں تک معاویہ واصل جہنم ہوا لیکن جب یزید (ملعون) تخت حکومت پر آیا تو امام حسینؑ اٹھ کھڑے ہوئے۔

یزید نے تختِ خلافت پر بیٹھتے ہی حاکمِ مدینہ کو لکھا حسینؑ سے میری بیعت لے لو اور اگر بیعت نہ کریں تو انہیں قتل کر دو اس سلسلہ میں مروان نے بھی ولید-حاکمِ مدینہ - کو اکسایا وہ بھی یزید کے فرمان پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔اب امام حسینؑ، مدینہ میں نہیں رہ سکتے تھے مجبوراً رات کے وقت مکہ کی طرف روانہ ہوئے، چار ماہ تک مکہ میں ہی قیام پذیر رہے۔اس مدت میں اہل کوفہ نے آپؑ کی خدمت میں بارہ ہزار خط ارسال کئے بعض لوگ کوفہ سے اس لئے مکہ آئے تا کہ آپؑ کو کوفہ آنے کی دعوت دیں جب اہل کوفہ

(۱) مختصر تاریخ دمشق ج۹ص ۸۶ وص ۸۸ تاریخ طبری ج۴ص ۲۱۴ تاریخ کامل ج۳ص ۴۶۲

کا اصرار حد سے زیادہ بڑھا تو آپؑ نے اپنے نمائندہ کے طور پر جناب مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیج دیا۔ حضرت مسلم کوفہ پہنچے ہی تھے کہ ۱۸ اٹھارہ ہزار لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی، ان لوگوں کی بیعت کے بعد جناب مسلم نے امام حسینؑ کو ایک خط لکھا کہ اہل کوفہ میں سے ۱۸ اٹھارہ ہزار لوگوں نے بیعت کر لی ہے۔ دوسری طرف یزید نے بنی امیہ میں سے تیس اشخاص کو حاجیوں کے لباس میں مکہ بھیجا تا کہ وہ حالتِ احرام میں خفیہ طریقہ سے امام حسینؑ کو قتل کر دیں، مختصر یہ کہ آپؑ کے لئے کوفہ جانے کے اسباب فراہم ہو گئے چونکہ اب آپؑ مکہ میں نہیں رہ سکتے تھے لہذا کوفہ کی طرف روانہ ہوئے اور یزید (ملعون) کے خلاف قیام کیا اگر چہ آپؑ جانتے تھے کہ اس راہ میں آپ شہید کئے جائیں گے صرف آپؑ ہی نہیں جانتے تھے بلکہ انبیاء اور رسولؐ خدا بھی جانتے تھے امیر المومنینؑ علی بن ابی طالبؑ اور امام حسنؑ مجتبیٰ بھی جانتے تھے کہ اس راہ میں حسینؑ شہید کئے جائیں گے، واقعہ کربلا سے پہلے ہی سب نے آپؑ کی شہادت کی خبر دی تھی خود آپ نے مکہ سے روانگی کے وقت یہ خطبہ دیا تھا:

"خُطَّ الموتُ علیٰ وُلدِ آدم مَخَطَّ القِلادَةِ علیٰ جیدِ الفَتاةِ وما أولَهَني إلیٰ أسلافي اشتیاق یعقوب الیٰ یوسف و خِیرَ لي مَصْرَعٌ اَنا لاقیه کأنّي بأوصالي تقطّعها ذئاب الفلوات بین النواویس و کربلا."(۱)

موت انسانوں کے لئے لکھ دی گئی ہے وہ ان کے ساتھ اسی طرح لگی رہتی ہے جیسے جوان لڑکیوں کے گلے میں گلوبند ہوتا ہے۔ مجھے اپنے اسلاف سے ملاقات کا اتنا ہی اشتیاق ہے جتنا حضرت یعقوبؑ کو یوسفؑ سے ملنے کا اشتیاق تھا میری جائے شہادت مقرر ہو چکی ہے میں وہاں ضرور پہونچوں گا۔ گویا میں دیکھ رہا ہوں کوفہ و شام کے درندے سرزمین کربلا پر مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں جو شخص اپنی جان پر کھیلنا چاہتا ہے وہ میرے ساتھ آئے میں کل صبح روانہ ہو جاؤں گا۔

---

(۱) کشف الغمۃ ج ۲ ص ۲۹ ص ۱۲۶

اپنے اس خطبہ میں امام حسینؑ اس بات کی تصریح فرماتے ہیں کہ آپؑ کو شہید کیا جائے گا اور حسب واقع آپؑ خود بھی جانتے تھے کہ آپ کو شہید کیا جائیگا لیکن حسب ظاہر آپؑ کو اہل کوفہ دعوت دیتے ہیں لہذا ان کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے آپ کو کوفہ جانا چاہیئے چنانچہ آپ نے ظاہری و باطنی ذمہ داری کو جمع کیا۔ ظاہری ذمہ داری یہ تھی کہ حکمِ عقل کے مطابق آپ کوفہ تشریف لے جائیں اور باطنی ذمہ داری یہ تھی کہ آپ درجۂ شہادت پر فائز ہوں۔

یہ الگ بات ہے کہ انبیاء کا مقصد اور ان کی ذمہ داری خدا کی طرف سے یہی تھی کہ وہ دین کو زندہ رکھنے کے لئے قیام و کوشش کریں خواہ اس راہ میں جان سے گذرنا پڑے۔ امام حسینؑ نے بھی دین کو زندہ کرنے کے لے قیام کیا اگر چہ آپ جانتے تھے کہ اس راہ میں آپؑ شہید ہو جائیں گے امام حسینؑ کے اسی مقصد میں خدا نے آپؑ کو درجہ شہادت پر فائز کیا کیونکہ یہ مقرر ہو چکا تھا کہ امام حسینؑ کے نام اور ان کی مجالس عزا کے ذریعہ دین اسلام قیامت کے لئے زندہ ہو جائیگا۔

زیارت وارث میں لکھا ہے:

"اَشهدُ انّکَ قد أقَمْتَ الصَّلاةَ و آتَیْتَ الزَّکاةَ و أمَرْتَ بِالمَعْرُوفِ و نَهَیْتَ عَنِ الْمُنْکَرِ و أطعْتَ اللّٰهَ و رَسُولَهُ حتیٰ اتیک الیقین."(۱)

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ نے نماز قائم کی (یعنی آپؑ نے ایسا کام کیا جس سے نماز باقی رہے) اور زکواۃ ادا کی اور نیک باتوں کا حکم دیا اور بری باتوں سے روکا اور آخری سانس تک خدا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے رہے۔

آپؑ دیکھ رہے ہیں یہ امام حسینؑ کی مجلسوں کی برکت ہی ہے کہ اسلام کے حقائق و معارف ہوتے ہیں اور لوگ دین کے احکام و دستورات کو سمجھتے ہیں اسی لحاظ سے کہتے ہیں کہ امام حسینؑ کی شہادت نے قیامت تک کے لئے دین اسلام کو زندگی عطا کر دی ہے۔

---

(۱) مفاتیح الجنان باب سوم زیارت ہفتم

زیارت اربعین میں بیان ہوا ہے:

''وبَذَلَ مُهْجَتَهُ فِيكَ يَسْتَنْقِذُ عِبَادَكَ مِنَ الجهالة و حيرة الضلالة.''(۱)

اے اللہ! امام حسینؑ نے لوگوں کو ضلالت وگمراہی سے نجات دلانے کی خاطر اپنی جان دیدی (بلکہ اپنے اہل بیتؑ کی اسیری پر بھی راضی ہوگئے اور تیری رضا کی بنا پر شہر شہران کی تشہیر بھی قبول کرلی)۔

ممکن ہے یہاں کوئی یہ تصور کرے کہ اگر باطنی مرحلہ میں امام حسینؑ کی شہادت لکھی تھی، انبیاء اور حضرت ختمی مرتبت نے بھی آپؑ کی شہادت کی خبر دی تھی تو آپ کو شہادت تک مدینہ میں ہی رہنا چاہئے تھا۔کیا مکہ اور وہاں سے کربلا جانا ضروری تھا کہ وہیں شہادت پائیں؟

اس کا جواب یہ ہے: اگر آپ کی شہادت خفیہ طریقہ سے مکہ یا مدینہ میں ہو جاتی تو اس شہادت کا ایسا اثر نہ ہوتا کہ جو قیامت تک باقی رہتا۔اس لئے آپؑ نے یہ طے کیا کہ آپؑ کی شہادت ایک وسیع علاقہ میں ہو آپؑ کو شہید کرنے کے لئے کربلا میں تیس ہزار یا اس سے زیادہ فوج جمع ہوئی اور اس وقت آپؑ پر اور آپؑ کے اہل بیتؑ پر پیاس کا غلبہ تھا۔اس وقت آپؑ کے بے مثال اصحاب کو شہید کیا اور قمر بنی ہاشم جناب عباسؑ کے بازو قلم کئے، علی اکبرؑ کے سینہ پر برچھی لگائی اور علی اصغرؑ کے گلے پر تیر مارا اور امام حسینؑ کو شہید کیا اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ آپؑ کے اہل بیتؑ کو اسیر کر کے کوفہ اور کوفہ سے شام لے گئے۔

اے اشك ماتمت به رخ ملت آبرو

وی از طفیل خون تو اسلام رخ رو

دین را تو زنده کردی و خود کشته گشته ای

از رتبت تو یافته دین نبی علو

گر آب را به روی تو بستند کوفیان

---

(۱) مفاتیح الجنان باب سوم زیارت اربعین

آوردی آب رفتہ ی اسلام را بہ جو

بی پردہ اھل بیت تو گر شد شتر سوار

لیکن نمود پردہ ی اسلام را رفو

در رتبت امامت تو گفتگو نماند

زینب چو با یزید لعین کرد گفتگو

آپؑ کے ماتم میں بہنے والے آنسو سے ملت کی آبرو ہے

آپ کے خون کے طفیل میں اسلام سرخ رو ہے

آپ نے شہید ہو کر اسلام کو زندہ کر دیا

آپ کے مرتبہ سے دین نبیؐ نے بلندی پائی ہے

اگرچہ کوفیوں نے آپؑ پر پانی بند کر دیا لیکن

آپ نے اسلام کی عظمتِ رفتہ کو واپس لوٹا دیا

آپؑ کے اہل بیتؑ بے پردہ اونٹوں پر سوار کیے گئے

اس طرح آپ نے اسلام کا پردہ رکھ لیا

جب جناب زینبؑ نے یزید ملعون کو پھٹکارا تو

آپؑ کے رتبۂ امامت کے سلسلہ میں

بحث کی کوئی گنجائش ہی نہ رہی

امام حسینؑ کے مقصد سے ہم جو نتیجہ اخذ کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ امام حسینؑ کا مقصد اسلام و توحید اور اسلام کے احکام و معارف کو زندہ کرنا اور معاشرہ میں عدل قائم کرنا تھا لہذا ہم کو چاہئے کہ ہم اپنے وجود میں اسلامی دستورات اور اس میں عدل کو زندہ کریں اور اپنی اصلاح کریں، اسلام کے احکام و دستورات پر عمل کریں اور جو لوگ ہمارے ماتحت ہیں جہاں تک ہو سکے ان کے سامنے خدا کے احکام بیان کریں۔

"رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ: كلّكُمْ راعٍ و كُلُّكُم مَسْئُولٌ عَنْ رَعيّتِهِ". (۱)

نبیؐ سے روایت ہے کہ تم میں سے ہر ایک ان لوگوں کے بارے میں جواب دہ ہے جو اس کے ماتحت ہیں۔

❁❁❁❁❁

(۱) بحار الانوار ج ۲۷ص ۳۸، ارشاد القلوب ج ۱ص ۱۸۴، جامع الاخبار ص ۱۱۹، عوالی اللئالی ج ۱ص ۱۲۹ و ص ۳۶۴، منیۃ المرید، المطلب الثاني في مراتب الأحكام الشرعية ۔

# چوتھی تقریر

مومنوں کے دل میں امام حسینؑ کی محبت ہونا فطری بات ہے۔
دین خدا کی بقا قیام حسینؑ سے ہے۔

محبتِ حسینؑ فطری چیز ہے۔
دین رسولؐ کی بقا قیام حسینؑ سے ہے۔
حسینؑ ہدایت کے چراغ اور کشتی نجات ہیں۔
امام حسینؑ کا عزادار خدا بھی ہے۔

قال رسول اللہؐ:

ان للحسين في قلوب المؤمنين محبة مكنونة. (۱)

حضرت سید الشہداءؑ امام حسینؑ کے بارے میں شیعہ، سنی کتابوں میں بہت سی روایات نقل ہوئی ہیں انہیں میں سے مذکورہ روایت بھی ہے جس کا مفہوم یہ ہے:

مومنوں کے دل میں امام حسینؑ کی محبت پنہاں ہے۔

یعنی جو شخص ایمان رکھتا ہے اور خدا کو دوست رکھتا ہے وہ امام حسینؑ کو دوست رکھتا ہے۔ حسینؑ کی محبت ایمان کا لازمہ ہے کیونکہ امام حسینؑ نے اس طرح خدا کی عبادت کی ہے جو عبادت کا حق ہے اور دین خدا کو زندہ کرنے کے لئے آپؑ نے ہر قسم کے مصائب برداشت کئے یہی وجہ ہے کہ خدا پر ایمان رکھنے والا امام حسینؑ پر بھی ایمان رکھتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الّذينَ آمنوا وعَمِلوا الصّالحاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحمٰنُ وُدّاً﴾ (۲)

جو لوگ ایمان لائے اور نیک و صالح اعمال کئے لوگوں کے دلوں میں خدا ان کی محبت

---

(۱) اس عبارت کا حوالہ نہیں مل سکا البتہ بحار الانوار ج ۴۳ ص ۲۷۲ پر روایت ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: مومنوں کے دلوں میں امام حسینؑ کی معرفت پنہاں ہے اور مستدرک الوسائل ج ۲ باب ۴۹ میں روایت ہے: قتل حسینؑ سے لوگوں کے دلوں میں ایسی آگ بھڑک اٹھے گی جو کبھی خاموش نہیں ہوگی۔

(۲) مریم ۹۶

ڈال دے گا۔

پس انسان جس قدر خدا کی عبادت کرے گا خدا اتنی ہی مقدار میں اس کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دے گا۔

رسول خداؐ فرماتے ہیں:

"حسينٌ مِنّي وَ اَنا مِنْ حُسَين". (۱)

اس جملے کے معنی تو واضح ہیں کہ حسین مجھ سے ہیں یعنی حسین میری اولاد ہیں، میرے نور سے ہیں، میرے ہی تن کا ٹکڑا ہیں لیکن اس جملہ کے معنی "میں حسینؑ سے ہوں" یہ ہیں کہ میرے پاس جو کچھ بھی ہے وہ حسینؑ کی بدولت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر امام حسینؑ کی فداکاری اور آپؑ کی شہادت نہ ہوتی تو دین رسولؐ کا نام ونشان تک نہ ملتا۔ جو شخص اس زمانہ کی تاریخ کے بارے میں غور کرے گا وہ اس بات کو بخوبی سمجھ جائیگا کہ اس عہد کی حالت ایسی تھی کہ اسلام و دیانت کچھ ہی دنوں کے بعد مٹ جاتی۔ بنی امیہ نے اسلام کو نابود کرنے کی ٹھان لی تھی اور رسولؐ کے مقصد کو، جو کہ تمام انبیاء کا مقصد تھا، محو کرنے کا ارادہ کرلیا تھا یہ حسینؑ ہی تھے کہ آپؑ نے اپنی جان اور اہل حرم کی چادر دے کر دین اسلام اور اس کے قانون کو زندہ کر دیا۔

امام حسینؑ کی فضیلت میں رسولؐ سے ایک اور حدیث نقل ہوئی ہے فرماتے ہیں:

ساق عرش پر لکھا ہوا ہے:

"اِنَّ الحسينَ مِصباحُ الهُدىٰ وسَفِينَةُ النجاة" (۲)

(۱) بحار الانوار ج ۴۳ ص ۲۷۰ قال رسول اللهؐ: حسينٌ مِنّي و أنا مِنْ حُسَين أحَبَّ اللهُ مَن أحبَّ حسيناً، حسينُ سبطٌ مِنَ الأسباط

(۲) بحار الانوار ج ۳۶ ص ۲۰۴ عن حسين بن علي قال: دخلت علىٰ رسولؐ و عنده أُبَيٌّ بنُ كعبٍ، فقال لي رسول اللهؐ: مرحباً يا ابا عبد الله يا زينَ السّمٰوات و الأرضين ـ فقال له أُبَيّ: و كيف يكون يا رسول الله زين السّمٰوات و الارض أحد غيرك؟ فقال: يا أُبَي و الّذي بعثني بالحقّ اِنَّ الحسينَ بنَ عليّ في السّماء اكبرُ منه في الأرض فإنّه لمكتوبٌ عن يمينِ عرش الله مصباح هدى و سفينة نجاة۔

بیشک حسینؑ ہدایت کے چراغ اور کشتیِ نجات ہیں۔

ہدایت کے چراغ ہیں: کیونکہ جس زمانہ میں بنی امیہ کے تسلط کی وجہ سے ظلم وستم کا دور دورہ تھا اور نزدیک تھا کہ دین اسلام کا نام مٹ جائے اس وقت امام حسینؑ نے بنی امیہ کے ظلم وستم کی تاریکی کو اسی طرح برطرف کیا جس طرح ایک چراغ اندھیرے کو برطرف کرتا ہے۔

حسینؑ سفینۂ نجات ہیں: کیونکہ جو شخص آپؑ سے وابستہ ہوتا ہے، آپؑ کی پیروی کرتا ہے، آپؑ کے مقصد کو زندہ کرتا ہے (یعنی دین اسلام کو زندہ کرتا ہے) بعبارت دیگر جو شخص دین اسلام کے دستورات پر کماحقہ عمل کرتا ہے اور دوسروں کو بھی ان پر عمل کرنے کی دعوت وترغیب کرتا ہے وہ امام حسینؑ کے مقصد کو زندہ کرتا ہے اور اس کے نتیجہ میں نجات پاتا ہے اگرچہ بظاہر یہ کشتی ٹوٹ گئی تھی لیکن حقیقت میں کامیابی کے ساحل سے ہمکنار ہوئی تھی۔

اہل بیتؑ اور جناب زینبؑ کی اسیری اس بات کا باعث ہوئی کہ لوگ بنی امیہ کے کفر اوران کے باطل کو پہچانیں اور اسلام کی حقانیت بخوبی واضح ہو جائے اور چونکہ امام حسینؑ کے عظیم مصائب تھے اس لئے خداوند عالم نے اس عظیم سانحہ کی تمام انبیاء کو خبر دی تھی مثلاً حضرت آدمؑ کو خبر دی:

"یُقْتَلُ عُطْشاناً عُرْیاناً وحیداً فریداً لیس له ناصرٌ ولا معینٌ". (۱)

(۱) بحار الانوار ج ۴۴ ص ۲۴۵، صاحب الدر الثمین نے خدا کے اس قول ﴿فتلقی آدم من ربّه کلمات﴾ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ آدمؑ نے ساقِ عرش پر نبیؐ اور ائمہؑ کے اسماء دیکھے اور جبریل نے حضرت آدمؑ کو تلقین کی کہ کہیۓ: اے حمید، محمدؐ کے حق کا واسطہ، اے عالی علیؑ کے حق کا واسطہ، اے فاطر، فاطمہؑ کے حق کا واسطہ، اے محسن حسن وحسینؑ کے حق کا واسطہ، مجھ پر احسان فرما۔ جب آدمؑ کی زبان پر حسینؑ کا نام آیا تو ان کا دل بھر آیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ کہنے لگے: اے بھائی جبریل پانچویں کے ذکر سے میرا دل بھر آتا ہے اور میرے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ جبریل نے کہا: تمہارے اس بیٹے پر ایسے مصائب پڑیں گے کہ دنیا کے مصائب ان کے سامنے معمولی نظر آئیں گے۔ آدمؑ نے کہا: وہ کیا ہیں؟ جبریل نے کہا: تنہا، پیاسا، عالم غربت میں بیکس شہید کیا جائیگا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا، اے آدمؑ تم ان کو دیکھو گے کہ وہ واعطشاہ! و اقلة ناصراہ، کہہ رہے ہیں اور ان کے اور آسمان کے درمیان دھویں کے مانند حائل ہوگی اور کوئی ان کی آواز پر لبیک نہیں کہے گا مگر ان کو تلواروں کی باڑھ پر کھیں گے اور بے رحمی کے ساتھ ان کو پس گردن سے ذبح کر ڈالیں گے ان کا مال واسباب لوٹ لیا جائیگا ان کے سر اوران کے انصار کے سروں کو شہروں میں پھرایا جائیگا ان کے ساتھ ان کی عورتیں بھی ہونگی۔ یہ علم خدا میں مقدر ہو چکا ہے اس پر حضرت آدمؑ اور جناب جبریل دلخراش انداز میں روئے۔

اے آدم! پیغمبر آخرالزماں کے پیارے نواسے کو پیاسا، عریاں اور تن تنہا اور بے یار و مددگار قتل کیا جائے گا، اور ان کے اہل بیتؑ بھی پیاس سے جاں بلب ہونگے۔

از آب هم مضایقه کردند کوفیان
خوش داشتند حرمت مهمان کربلا

بودند دیو و دو همه سیراب و می مکید
خاتم ز قحط آب، سلیمان کربلا

زان تشنگان هنوز به عیوق می رسد
فریادِ العطش ز بیابان کربلا (۱)

❁❁❁❁❁

(۱) دیوان محتشم کاشانی، بخش مراثی و مناقب بند دوم

# پانچویں تقریر

امام زمانہ کا وجود لازمی ہے

روئے زمین پر انسانِ کامل کا وجود ہمیشہ رہتا ہے
انسان کامل کا وجود ہر زمانہ میں ضروری ہے
امام زمانہؑ کے وجود کا عقیدہ بھی اصول دین میں سے ہے۔
روایات کا مفہوم اہل سنّت کی نظر میں
امامؑ کا وجود ہر زمانہ میں ضروری ہے۔
شیعہ وسنی روایات میں اولی الامر کا تعارف
توریت وانجیل کی بشارت
امام زمانہؑ کا ظہور حتمی ہے

خدا نے تمام مخلوقات کو انسان کے لئے پیدا کیا ہے اور سارے انسانوں کو انسانِ کامل کے لئے خلق کیا ہے:۔

انسانِ کامل ہی خدا کا خلیفہ ہے جسے ہمیشہ روئے زمین پر رہنا چاہئے یعنی جب تک یہ انسان ہیں اور روئے زمین پر دوسرے موجودات چل پھر رہے ہیں اس وقت تک خدا کے خلیفہ کا ہونا بھی ضروری ہے قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿و اِذْ قالَ رَبُّکَ لِلمَلائِکَةِ اِنِّي جاعِلٌ في الأرْضِ خَلِيفَةً﴾ (۱)

اور جب خدا نے انسان کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو فرشتوں سے فرمایا: میں چاہتا ہوں ہمیشہ روئے زمین پر ایک خلیفہ مقرر کرتا رہوں۔

اس ایجاد و خلقت کا مقصد یہ ہے کہ روئے زمین پر خدا کا ایک خلیفہ ہو جو اس کے اسماء وصفات، اس کے علم و قدرت اور اس کے تمام صفات کا مظہر ہو، تا کہ اس خلیفہ کے وجود کی برکت سے آسمان و زمین قائم رہیں۔

قرآن مجید کی اسی آیت سے (جس کو سارے مسلمان مانتے ہیں) یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا کے خلیفہ کو

---

(۱) بقرہ: ۳۰

جو اس کے صفات واسماء کا مظہر ہو، ہمیشہ روئے زمین پر موجود رہنا چاہئے اور یہ خلیفہ یا رسولؐ ہوتا ہے یا اس کا وصی ہوتا ہے۔

ایسا ہی ہوا ہے چنانچہ روئے زمین پر حضرت آدمؑ کے خلیفہ ہونے کے بعد بہ ترتیب انبیاء اور ان کے اوصیاء، خدا کے خلیفہ ہوتے رہے ہیں یہاں تک کہ یہ عظیم الشان منصب خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیؐ بن عبداللہ تک پہنچا اور آپؐ کے بعد بارہ امام آپؐ کے جانشین ہوئے جو کہ خدا کے خلیفہ ہیں اور آج بارہویں امام حضرت حجۃ ابن الحسن العسکری عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف، خدا کے خلیفہ اور ہمارے زمانہ کے حاضر و ناظر امام ہیں اگر چہ ہم اس وقت تک آپؑ کے دیدار سے محروم ہیں جب تک خدا کے حکم سے ان کا ظہور نہیں ہوتا۔ آپؑ بھی اس وقت تک پردۂ غیب میں رہیں گے۔ خداوند عالم سے دعا ہے ہمیں ان کے جمال دل آرا کے دید کی توفیق مرحمت فرمائے۔

"اَللّٰھُمَّ أَرِنا الطَّلعۃَ الرَّشِیدۃَ و الغُرَّۃَ الحَمیدۃَ و عَجِّل فرجَہُ الشَّریف بحقِّ مُحَمَّدٍ و آلہِ الطَّاھِرِین . آمین"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الجِنَّ و الاِنْسَ اِلاّ لِیَعْبُدُونَ﴾(۱)

میں نے جن وانس کو خلق نہیں کیا مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں۔

حدیث قدسی میں ارشاد ہے:

"یابنَ آدمَ خَلَقْتَ الأشْیاءَ لأجلِکَ و خَلَقْتُکَ لأجْلِي". (۲)

اے انسان میں نے ساری چیزیں تیرے لئے اور تجھے اپنے لئے خلق کیا ہے۔

یعنی میں نے تجھے اس لئے پیدا کیا ہے تا کہ تو کامل ہو جائے اور شائستہ طریقہ سے میری

---

(۱) ذاریات: ۵٦

(۲) علم الیقین فی اصول الدّین، ملامحسن فیض کاشانی ج ۱ ص ۳۸۱، مشارق انوار الیقین ص ٦۷

عبادت کرے۔

مذکورہ آیت وحدیث قدسی سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس عالم کی خلقت کا مقصد خدا کی عبادت ہے۔

آپ کو یہ دیکھنا چاہئے کہ دنیا میں لاکھوں انسان آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں اور معصیت و نافرمانی کرتے ہیں کیا اس سے خدا کا مقصد پورا ہوتا ہے۔ اس کی عبادت کما حقہ ہوتی ہے یا نہیں؟

یہ مقصد اسی وقت پورا ہوسکتا ہے جب کم از کم ایک انسانِ کامل ہر زمانہ میں روئے زمین پر موجود رہے اس صورت میں خدا کی عبادت اس طرح ہوگی جیسا کہ حق ہے اور اگر ہر زمانہ میں انسان کامل موجود نہ ہوتو وہی بات سامنے آتی ہے جس کا ملائکہ نے اظہار کیا تھا۔

﴿اَتَجْعَلُ فِیهَا مَنْ یُفْسِدُ فِیهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَاءَ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ﴾ (۱)

کیا زمین پر ایسے کو خلیفہ بنائے گا جو فساد و خونریزی کرے؟ حالانکہ ہم تیری عظمت کے ساتھ تیری ستائش کرتے ہیں اور تیری تقدیس کرتے ہیں۔

اس وقت خداوند عالم نے فرمایا:

﴿اِنِّي اَعلَمُ مَا لا تَعْلَمُونَ﴾ (۲)

جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے زمین کو ایسے لوگوں کے لئے نہیں پیدا کیا ہے جو خطا و معصیت، گناہ اور خونریزی کرتے ہیں بلکہ ایسے اشخاص کے لئے پیدا کیا ہے جن کی تمہیں خبر نہیں ہے۔ پھر ابوالبشر جناب آدمؑ کو اسماء کی تعلیم دی یعنی ان لوگوں کے اسماء تعلیم کئے جن کے لئے خدا نے زمین کو پیدا کیا تھا ان میں پہلے درجہ پر خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰؐ، ائمہ اطہارؑ اور جناب فاطمہ زہراؑ ہیں ان کے بعد ان کے اوصیاء ہیں۔

---

(۱) بقرہ:۳۰

(۲) بقرہ:۳۰

درحقیقت فرشتوں کو یہ جواب دیا گیا تھا کہ اگر میں روئے زمین پر بشر کو پیدا کر رہا ہوں تو یہ اِن مقدس انوار کی تخلیق کا مقدمہ ہے۔

صد خار راز بهر گلی آب می دهند (۱)

پس زمین کو انسانِ کامل کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور انسانِ کامل رسول یا اس کا وصی ہوتا ہے اور یہ سلسلہ آغازِ آفرینش سے آج تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا چنانچہ امام عصرؑ حضرتِ حجۃ بن الحسن المہدی (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف) کے وجود کی برکت سے زمین و آسمان قائم ہیں۔ آپؑ کا وجود خلقت کائنات کی علتِ غائی ہے۔

درج ذیل آیت میں مہدویت کے موضوع کو پیش کیا ہے:

﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الأرضَ يَرِثُها عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ﴾ (۲)

اور ہم نے ذکر (توریت) کے بعد زبور میں لکھ دیا ہے کہ اس زمین کے وارث خدا کے صالح بندے ہونگے یعنی فساد برپا کرنے والوں، تخریب کاروں، ظالموں، ستمگروں اور زمین پر خونریزی کرنے والوں کی بساط الٹ دی جائے گی اور ان انوار مقدس کی زمین پر حکومت ہوگی اور یہی زمین کے وارث ہونگے۔

یہ آیت امام زمانہؑ اور آپؑ کے اصحاب سے مخصوص ہے اور اگر اس زمانہ میں چند لوگ معصیت سے آلودہ ہونگے (کیونکہ شیطان رہے گا اور روئے زمین پر معصیت کرنے والے بھی رہیں گے روایت میں یہاں تک ہے کہ امام زمانہؑ کو زہر دیا جائیگا) تو ان کی کوئی گنتی نہیں ہوگی۔

ظہور کے بعد سارے جہاں پر امام زمانہؑ کا تسلط ہوگا اور آپؑ ساری دنیا میں عدل و انصاف قائم کریں گے اس سلسلہ میں صرف شیعوں ہی سے روایات نقل نہیں ہوئی ہیں بلکہ طرق اہل سنّت سے بھی متعدد

---

(۱) دیوان امیر شاہی سبزواری، غزل شمارہ ۶۷، اس کا مطلع یہ ہے: پیکان غمزہ را چو بتان آب می دہند۔

(۲) انبیاء: ۱۰۵

روایات نقل ہوئی ہیں یہ بات سب کے نزدیک مسلم اور قطعی ہے کہ آخری زمانہ میں اولادِ رسولؐ اور نسل امام حسین سے ایک شخص آئیگا اس کو سارے مسلمان اور سارے اہل سنّت تسلیم کرتے ہیں ہاں اس شخص کی تعیین میں اختلاف ہے اکثر اہل سنّت امام مہدیؑ کو امام حسن عسکریؑ کا فرزند مانتے ہیں اور آپؑ ہی کو بنا برایں امام مہدیؑ تسلیم کرتے ہیں آپؑ کا ظہور وانقلاب خدا کا وعدہ ہے جو پورا ہو کے رہے گا اور خدا وند عالم آپؑ کو اسی وقت ظاہر کرے گا جب مصلحت سمجھے گا اور آپؑ کے ذریعہ زمین کو اسی طرح عدل و انصاف سے معمور کرے گا جیسا کہ وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔

دوسری آیت میں ارشاد ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الّذينَ آمَنُوا مِنكُمْ وعَمِلُوا الصَّالِحاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم في الأرْض كما اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِم ولَيُمَكِّنَنَّ لَهُم دِينَهُمُ الَّذِي ارتَضىٰ لَهُم ولَيُبَدِّلَنَّهُم مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِم اَمْناً يَعْبُدُونَنِي لا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئاً ومَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فأولٰئكَ هُمُ الفاسِقُونَ﴾.(۱)

اور خدا نے تم میں سے ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ضرور اس زمین پر خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اس نے ان سے پہلے والوں کو خلیفہ بنایا تھا اور ان کے لئے اس دین کو غالب کرے گا جسے ان کے لئے پسندیدہ قرار دیا ہے اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا اور وہ میری ہی عبادت کریں گے اور کسی کو میرا شریک قرار نہیں دیں گے۔ اگر اس کے بعد بھی کوئی کافر ہو جائے تو وہی لوگ بدکار ہیں۔

آیت سے ظاہر ہے کہ خدا کا یہ وعدہ پورا ہو کے رہے گا، ہاں اگر کوئی مسلمان رہنا چاہتا ہے تو اس پر یہ بھی واجب ہے کہ امام زمانہؑ کا اعتقاد رکھے کیونکہ ارشاد ہے:

---

(۱) نور:۵۵

"مَنْ ماتَ وَلَمْ يَعْرِفْ اِمامَ زَمَانِهِ مَاتَ مِيتَةً جاهلية". (۱)

جو شخص اپنے زمانہ کی امام کی معرفت کے بغیر مرجائے وہ جاہلیت کی موت مرا۔

اس سلسلہ میں قرآن مجید میں بہت سی آیتیں ہیں لیکن یہاں اسی پر اکتفا کی جاتی ہے۔

حدیث کی روشنی میں: اس سلسلہ میں بہت زیادہ روایات نقل ہوئی ہیں کہ یہ زمین حجتِ خدا سے خالی نہیں ہے اگر خالی ہو جائیگی تو اپنے باشندوں کے ساتھ دھنس جائیگی (۲) یا خالی ہو گی تو موج زن ہو جائیگی۔ (۳)

امیرالمومنین علی بن ابی طالبؑ نے جناب کمیل بن زیادؒ سے فرمایا:

"يا كُمَيلُ! اللّهُمَّ بلىٰ لا تَخْلو الأرْضُ مِنْ قائمٍ للّٰه بحجّةٍ امّا ظاهراً مشهوراً وامّا خائفاً مَغْمُوراً". (۴)

اے کمیل! یہ زمین حجّت خدا سے کبھی خالی نہیں رہے گی وہ حجّت یا آشکار ہوگی اور لوگ اسے دیکھیں گے یا خوفزدہ اور پوشیدہ ہوگی۔

یعنی حجّت خدا غیبت اختیار کریں گے اور لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ رہیں گے۔

ابھی تک جو کچھ بیان ہوا ہے یہ ان روایتوں کا خلاصہ تھا جو ہر زمانہ میں معصوم کے وجود کو لازمی قرار دیتی ہیں۔

---

(۱) ینابیع المودۃ ج۲ص۲۰۶، کافی ج اص۱۷۱،ص۳۷۷، عیون اخبار الرضاؑ ج۳ص۵۸، الغدیر ج۱۰ص۳۶۰،

احمد که جهان راز تباهی پر داخت دیـــن را بولایت علیؑ محکم ساخت

فرمود به مرگ جاهلیـــت مرده است آن کس که امام عصر خود را نشناخت

(۲) کافی ج اص۱۷۹ عن ابی حمزه قال قلت لابی عبد الله: اتبقی الارض بغیر امام، قال لو بقیت الارض بغیر امام لساخت۔

(۳) کافی ج اص۱۷۹، بحارالانوار ج۲۳ص۳۴ عن ابی حمزه قال لو ان الامام رفع من الارض ساعة لماجت باهلها كما يموج البحر بأهله۔

(۴) نہج البلاغہ کلمہ حکمہ: ۱۴۷

یہ روایات شیعہ طرق سے وارد ہوئی ہیں کچھ ایسی روایتیں بھی ہیں کہ جنہیں تمام اسلامی فرقے قبول کرتے ہیں اور یہ اہل سنّت کی کتابوں میں مرقوم ہیں، جو روایتیں مسلمانوں کے درمیان مسلم ہیں ان میں سے ایک درج ذیل ہے۔ رسولؐ نے فرمایا:

"مَنْ مَاتَ وَلَمْ یَعْرِفْ اِمامَ زَمانِهِ مَاتَ مِیتةً جاهلية". (۱)

جو شخص اپنے زمانہ کے امام کی معرفت حاصل کئے بغیر مرجائے وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔

یعنی وہ کفر کی حالت میں مرتا ہے۔

اس روایت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ:

اولاً: امام زمانہؑ کی معرفت کی بڑی اہمیت ہے اور تمام لوگوں کا فریضہ ہے کہ انہیں پہچانیں۔

ثانیاً: امام زمانہ کو ہر زمانہ میں موجود رہنا چاہئے۔

اس بات کو اہل سنّت بھی تسلیم کرتے ہیں ہر زمانہ میں ایک امام ہونا چاہئے، اس کی معرفت ضروری ہے، اس کو تو وہ قبول کرتے ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ اس حدیث کے وہ کیا معنی بیان کرے ہیں۔

اہل سنّت رسولؐ کی درج ذیل حدیث:

"یکون بعدي اثنیٰ عشر أئمّةً کُلُّهُمْ مِنْ قُرَیش". (۲)

(۱) ینابیع المودّۃ ج ۳ ص ۲۰۶، کافی ج ۱ ص ۳۷۱، عیون اخبار الرضاؑ ج ۳ ص ۴۸، الغدیر ج ۱۰ ص ۳۶۰۔

(۲) صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۴۵۲ حدیث ۵، مسلم نے اپنی اسناد سے جابر بن سمرہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں اپنے والد کے ساتھ رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے انہیں فرماتے ہوئے سنا کہ کہتے ہیں: یہ امر ایسے ہی جاری رہے گا یہاں تک ان مسلمانوں میں بارہ خلیفہ ہونگے روای کہتا ہے کہ پھر آنحضرت نے کچھ فرمایا جو مجھ پر مخفی رہا۔ میں نے اپنے والد سے معلوم کیا کہ کیا فرمایا: انہوں نے کہا: سب قریش سے ہونگے۔ بحار الانوار ج ۳۶ ص ۴۰۸، مسعدہ نے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک بوڑھا عصا کے سہارے آپ کے پاس آیا، سلام کیا، آپؑ نے جواب دیا، اس نے کہا: اے فرزندِ رسولؐ! مجھے اپنا ہاتھ دیجئے تا کہ میں اسے بوسہ دوں پھر وہ رونے لگا۔ امامؑ نے فرمایا: اے بزرگوار تم کیوں رو رہے ہو؟ اس نے کہا خدا مجھے آپ کا فدیہ قرار دے میں سو سال سے آپ کے قائم کے بارے میں یہ سن رہا ہوں کہ وہ اس ماہ یا اس سال ظہور کریں گے اسی طرح میں بوڑھا ہو گیا اور میری ہڈیاں کمزور ہوگیں اور میں اجل کے قریب آ گیا اور آپ حضرات میں وہ چیز نہیں دیکھ رہا ہوں جس کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ آپ حضرات کو مقتول اور آوارہ وطن دیکھ رہا ہوں اور آپ کے دشمنوں کو پروں سے اڑتا ہوا دیکھ رہا ہوں، پس میں کیسے نہ روؤں، یہ سن کر امام جعفر صادقؑ کی آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے پھر فرمایا: اے شیخ خدا تمہیں باقی رکھے گا یہاں تک کہ تم

میرے بعد بارہ امام ہوں گے وہ سب قریش سے ہوں گے۔

کے پیش نظر اس طرح امام بناتے ہیں، کہتے ہیں: پہلے تین خلیفہ امام ہیں اور ان کے بعد امیر المومنینؑ بن ابی طالبؑ، ان کے بعد معاویہ اور اس کے بعد یزید امام ہے پھر بنی امیہ کے تمام خلفاء میں سے بارہ ائمہ کی تعداد پوری کرتے ہیں، لیکن ان میں سے بعض نے جب دیکھا کہ اس لحاظ سے امرِ امامت بنی امیہ کے بعض ایسے خلفاء پر تمام ہوتا ہے جو کھلم کھلا شراب پیتا ہے، علی الاعلان فسق کا مرتکب ہوتا ہے، اس سے تو بڑی رسوائی ہوتی ہے۔ لہذا انہوں نے ایک ہٹایا دوسرا شامل کیا اور کسی نہ کسی طرح انہیں میں سے بارہ اماموں کی تعداد پوری کر لی۔ لیکن ان میں بھی امر امامت کی لیاقت نہیں تھی۔ اہلسنت کے بعض علماء نے

---

(صفحہ قبل کا باقی) ہمارے قائم کو دیکھ لو گے اور تم بلند درجات میں ہمارے ساتھ ہو گے اور اگر تمہارا انتقال بھی ہو گیا تو بھی تم محمدؐ کے ثقل کے ساتھ قیامت میں آ ؤ گے اور محمدؐ ثقل ہم ہیں، رسولؐ کا ارشاد ہے: میں تمہارے درمیان ثقلین چھوڑنے والا ہوں، ان دونوں سے وابستہ رہنا، اس صورت میں تم ہرگز گمراہ نہیں ہو گے اور ثقلین کتابِ خدا اور میرے اہل بیتؑ عترت ہیں۔ اس بوڑھے نے کہا: اس خبر کو سننے کے بعد مجھے کوئی غم نہیں ہے۔ فرمایا: اے شیخ جان لو کہ ہمارے قائم صلب حسن سے ہے اور حسن صلب علی اور علی صلب محمد سے اور محمد صلبِ علی سے اور علی میرے، امام موسیٰ کاظمؑ کی طرف اشارہ کیا میرے اس بیٹے کے صلب سے ہونگے اور یہ میرے صلب سے ہیں اور ہم بارہ ہیں سب معصوم اور پاک و مطہر ہیں، اس بوڑھے نے کہا: میرے سردار، کیا آپؑ میں سے بعض بعض سے افضل ہیں؟ فرمایا: نہیں۔ فضیلت میں ہم سب برابر ہیں ہاں علم میں بعض، بعض س زیادہ ہیں۔ امام نے فرمایا: اے شیخ! خدا کی قسم اگر دنیا کی عمر کا ایک ہی دن باقی بچے گا تو خدا اس دن کو اتنا طول دے گا کہ ہم اہل بیتؑ کے قائم ظہور فرمائیں گے، آگاہ ہو جاؤ کہ ان کی غیبت کے زمانہ میں ہمارے شیعہ آزمائشوں میں مبتلا ہونگے اور پریشانیوں سے دوچار رہیں گے اس میں خدا مخلصین ہی کو ہدایت پر برقرار رکھے گا، اے اللہ اس سلسلہ میں ان کی مدد فرما۔ بحار الانوار ج ۵۱ ص ۷۱ پر ابن عباس سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: رسولؐ نے فرمایا: میرے خلفاء میرے اوصیاء اور میرے بقیہ خدا کی مخلوق پر اس کی حجّت ہیں اور وہ بارہ ہیں ان میں سے اوّل میرے بھائی اور آخر میرے بیٹے ہیں۔ عرض کیا گیا آپ کے بھائی کون ہیں؟ فرمایا: علی بن ابی طالب۔ عرض کیا گیا: آپؐ کے بیٹے کون ہیں؟ فرمایا: مہدیؑ۔ جو زمین کو اسی طرح عدل و انصاف سے معمور کریں گے جیسا کہ وہ ظلم و جور سے معمور ہو گی۔ اس خدا کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ نبیؐ بنایا ہے اگر دنیا کا ایک ہی دن بچے گا تو خدا اس دن کو اتنا طول دے گا کہ اس میں میرے بیٹے مہدیؑ خروج کریں گے۔ پھر خدا جناب عیسیٰؑ کو نازل کرے گا وہ ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی اور ان کی بادشاہت مشرق سے مغرب تک ہو گی۔

انہیں بارہ میں بعض افراد بنی عباس کے شامل کر دئے اور بزعم خود بارہ کی تعداد مکمل کر دی، ان بارہ میں صرف امیر المومنینؑ مستثنیٰ ہیں، وہی امامت کے حقدار ہیں، انہیں میں اس عہدہ کی لیاقت ہے اہل سنّت کہتے ہیں کہ اس کے بعد اپنے وقت کا بادشاہ امام زمانہ ہے، جیسے تاریخ میں تیمور، چنگیز، صدام وغیرہ۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ کس قماش کے لوگ ہیں۔

واضح ہے یہ نظریہ بے بنیاد ہے جسے کوئی عقلمند قبول نہیں کر سکتا کیونکہ امام زمانہؑ وہ ہے جس سے زمانہ قائم ہے جس کے وجود کی برکت سے دنیا قائم ہے، اور ایسے لوگوں کے وجود سے دنیا تباہ تو ہوسکتی ہے قائم نہیں رہ سکتی۔

علماء اہل سنّت میں سے کسی عالم کی مجلس میں یہی حدیث:

''مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَعْرِفْ اِمامَ زَمانِهِ مَاتَ مِيتةً جاهلية''.

موضوعِ بحث تھی۔ کسی نے سوال کیا: اس عہد میں امامِ زمانہ کون ہے؟

انہوں نے جواب دیا: بادشاہِ وقت امام زمانہ ہے (اور اس وقت عثمان سلاطین میں سے بایزید عثمان بادشاہ تھا) ایک سنی عالم نے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرا اور کہا: اے اللہ! روزِ قیامت تو میری اس داڑھی پر عذاب کرے گا کہ تو نے بایزید کو کیوں نہیں پہچانا تھا؟!

جب اہل سنّت نے یہ دیکھا کہ یہ توجیہ صحیح نہیں ہے تو بعض لوگوں نے اس حدیث کی دوسری توجیہ کی اور کہا: ہم خلفائے ثلاثہ، ابوبکر وعمر وعثمان کو قبول کرتے ہیں لیکن ان کے بعد ائمہ معصومینؑ کو امام مانتے ہیں چنانچہ انہوں نے ائمہ اثنیٰ عشر کے بہت سے مناقب اور ان کے معجزات کو اپنی کتابوں میں تحریر کیا ہے یہاں تک امام زمانہ حجۃ ابن الحسن، حضرت مہدیؑ کی ولادت وغیبت کو بھی تفصیل سے لکھا ہے۔ باوجودیکہ وہ سنی بھی ہیں اور خلفائے ثلاثہ کو مانتے ہیں، ان کو دوازدہ امامی سنی یا اثناعشری سنی کہا جاتا ہے یہ لوگ اس روایت کی غلط توجیہ کے نتیجہ میں باطل سرنوشت سے دوچار ہوئے ہیں۔ اس کی تفصیل کے لئے کتاب، نجم الثاقب اور ینابیع المودّۃ کا مطالعہ فرمائیں اور دیکھیں کہ انہوں نے اہل بیتؑ اطہار کے فضائل ومناقب

سے متعلق کتنی کتابیں لکھی ہیں بلکہ بطور خاص امام زمانہؑ سے متعلق کتابیں لکھی ہیں مثلاً، البیان فی اخبار الصاحب الزمان، مولف گنجی شافعی، عقد الدرر فی اخبار المنتظر ، مولف دمشقی، کتاب البرہان فی علامات مہدی آخر الزمانؑ، مولف ملاعلی متقی، مناقب المہدی، مولف ابونعیم اصفہانی وغیرہ...نے امام زمانہؑ کے حالات اور آپؑ کی ولادت وغیبت اور ظہور کی کیفیت کو بالکل شیعوں ہی کی طرح تحریر کیا ہے۔

قارئین محترم آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ یہ حدیث:

"مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَعْرَف اِمامَ زَمانِهِ مَاتَ مِيتةً جاهلية"

اہل اسلام کے درمیان مسلم ہے لیکن جولوگ اسے ائمہ اثنا عشرؑ کے علاوہ دوسروں پر منطبق کرتے ہیں وہ غلط کرتے ہیں اور اپنی اس حرکت پر انہیں خود بھی ہنسی آتی ہے اور وہ اس کے پابند نہیں رہے پاتے ہیں، یہ حدیث ایسی ہے جس کو ہر طبقہ نے قبول کیا ہے اس کا منکر کوئی نہیں ہے۔ بعض اہل سنّت کہتے ہیں کہ امام زمانہؑ سے مراد قرآن ہے لیکن جب ان سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ اگر قرآن امام زمانہ ہے تو دنیا کے سارے مسلمانوں کو قرآن کی معرفت ہونی چاہئے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ قرآن کی معرفت واجب ولازم امور میں سے نہیں ہے اور مسلمان اس کے پابند بھی نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ پورے قرآن کی معرفت مراد نہیں ہے بلکہ قرآن کے بعض حصہ کی معرفت مراد ہے جبکہ قرآن کے بعض حصہ کو بھی سب نہیں جانتے۔ اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ قرآن کی اتنی مقدار مراد ہے جسے سب جانتے ہوں اور وہ سورۂ حمد ہے۔ یعنی من مات و لم يعرف امام زمانه (یعنی سورۂ فاتحہ ہے) مات ميتة الجاهلية، یہ بھی قابل قبول نہیں ہے۔

"يَكُونُ بَعدي اثنىٰ عشر أميراً كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيش". (۱)

میرے بعد بارہ امیر ہونگے اور سب قریش سے ہونگے۔

دوسری روایت میں منقول ہے:

"الائمة اثنىٰ عشر كلّهم من قريش". (۲)

---

(۱) ملاحظہ کیجئے، صحیح مسلم ۳ ص ۱۴۵۱، مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۹۰ و ص ۲۹، صحیح ترمذی ج ۲ ص ۳۵

(۲) ایضاً

امام بارہ ہونگے اور سب قریش سے ہوں گے۔

ایسی ہی دوسری روایات ہیں مثلاً جابر کی روایت (۱) یا آیۂ اولوالامر کی تفسیر میں وارد ہونے والی روایات نیز اہل سنّت کے طریق سے بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں کہ خاتم الانبیاء حضرت محمدؐ بن عبداللہ نے صریحاً ائمہؑ کو معین کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان میں سے اوّل علیؑ بن ابی طالبؑ ہیں اور ان کے بعد حسنؑ و حسینؑ ان کے بعد امام زین العابدینؑ، ان کے بعد محمد باقرؑ پھر امام صادقؑ ان کے بعد امام موسیٰ کاظمؑ ان کے بعد امام رضاؑ ان کے بعد امام محمد تقیؑ ان کے بعد امام علی نقیؑ ان کے بعد امام حسن عسکریؑ ان کے بعد امام زمانہ رسولؐ کے بعد امام ہیں۔

بعض روایات، مثلاً جابر کی روایت میں، کہ جس کو علماء اہل تسنن بھی نقل کرتے ہیں، رسولؐ کا ارشاد ہے:

---

(۱) تاویل الآیات الظاہرہ ص ۱۴۱، بحار الانوار ج ۳۹ ص ۲۴۹، اعلام الوریٰ ص ۲۹۷، دعائم الاسلام ج ۱ ص ۲۶۳، صراط المستقیم ج ۲ ص ۱۲۷، کشف الغمہ ج ۲ ص ۵۰۹، کفایۃ الاثر ص ۵۳، کمال الدّین ج ۱ ص ۲۳ و ۲۵۳ ج جابر بن يزيد الجعفي: سمعت جابر بن عبد الله الانصاري يقول: لمّا نزلت ﴿يا ايّها الّذين آمنوا اطيعوا الله و اطيعوا الرّسول و أولي الأمر منكم﴾ نساء/۵۹، قلت: يا رسول اللهؐ قد عرفنا الله و رسوله فمن أولي الأمر الذين قرن الله طاعتهم بطاعتك؟ فقالؐ: هم خلفائی يا جابر و ائمة المسلمين بعدي أوّلهم عليُّ بن أبي طالبؑ، ثم الحسنؑ، ثم الحسينؑ، ثم علي بن الحسينؑ، ثم محمد بن عليؑ، المعروف فی التورات بالباقر و ستدركه يا جابر فاذا لقيته فاقرئه مني السلام، ثم الصادق جعفر بن محمدؑ، ثم موسیٰ بن جعفرؑ، ثم علي بن موسیٰؑ، ثم محمّد بن عليؑ، ثم علی بن محمدؑ، ثم الحسن بن عليؑ، ثم سميّ و كنيّ حجّة الله في أرضه و بقيته فی عباده ابن الحسن بن عليؑ ذاك الّذي يفتح الله عزوجلّ ذكره علیٰ يديه مشارق الارض و مغاربها و ذلك الّذي يغيب عن شيعته و اوليائه غيبة لا يثبت فيها على القول بِامامته الّا من امتحن الله قلبه للإيمان۔ قال جابر فقلت: يا رسول الله فهل يقع لشيعته الانتفاع به فی غيبته؟ فقالؐ: اي و الّذي بعثني بالنبوة انهم ليستضيئون بنوره و ينتفعون بولايته في غيبته كانتفاع الناس بالشمس و ان تجلّلها السحاب۔ يا جابر! هذا مكنون سر الله و مخزون علم الله فاكتمه الّا عن أهله۔

''بارہویں امام کی غیبت طولانی ہوگی اور شیعہ ان سے اسی طرح استفادہ کریں گے جس طرح بادل میں چھپے ہوئے سورج سے استفادہ کیا جاتا ہے۔''(۱)

واضح ہے کہ اہل تسنن کی روایات میں بھی ائمہ علیہم السّلام کے اسماء صریح طور پر بیان ہوئے ہیں جس سے کسی شبہہ کی گنجائش نہیں رہتی ہے ان چیزوں کے شیعہ ہی معتقد نہیں ہیں بلکہ یہ تمام مسلمانوں کے درمیان مسلّم ہیں اور انہیں سب نے نقل کیا ہے یہ الگ بات ہے کہ وہ ان کے معتقد نہیں ہیں۔

ان حدیثوں سے قطع نظر جو کہ آپؐ نے ائمہؑ اثناعشر کے بارے میں فرمائی ہیں۔

رسولؐ کی ان حدیثوں سے قطع نظر جو کہ آپؐ نے ائمہؑ اثنیٰ عشر کے بارے میں بیان فرمائی ہیں۔ ان بشارتوں میں بھی رسولؐ کے بعد ائمہؑ کے اسماء صریح طور پر بیان ہوئے ہیں جو کہ سابقہ کتابوں، توریت و انجیل، میں مرقوم ہیں ان میں رسولؐ کی آمد کی بشارت دی گئی ہے۔ توریت میں لکھا ہے:

''جب خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو یہ بشارت دی کہ وہ انہیں اسحٰق اور ان کے بعد یعقوب اور ان کی نسل سے ہونے والے انبیاء عطا کرے گا تو اس وقت حضرت ابراہیمؑ نے خدا کی بارگاہ میں عرض کی:

اے معبود! میرے بیٹے اسماعیل کو کیا عطا کرے گا؟ ارشاد ہوا:

''ولیشمعیل شمعتخ هنی بریختی اتود هفرتی اتود هربتی اتوبمادماد
شینم اسار نسی ام وا١ تیتوا لکوی کادل''.(۲)

اسماعیل کے بارے میں، میں نے تمہاری باتیں سن لی ہیں، میں انہیں پورا کرونگا اور انہیں حضرت محمدؐ کے ذریعہ برکت عطا کرونگا اور اسماعیل کی نسل میں اس پیغمبرؐ (حضرت محمدؐ) کے بعد بارہ امام قرار دونگا۔

---

(۱) تاویل الآیات الظاہرہ ص ۱۴۱، بحار الانوار ج ۳۹ ص ۲۴۹، اعلام الوریٰ ص ۳۹۷، دعائم الاسلام ج ۱ ص ۲۶۳، الصراط المستقیم ج ۲ ص ۱۲۷، کشف الغمہ ج ۲ ص ۵۰۹، کفایۃ الاثر ص ۵۳، کمال الدّین ج ۱ ص ۲۳ و ص ۲۵۳۔

(۲) توریت حضرتِ موسیٰ پارہ لخ لخا، سفر پیدائش باب ۱۷ آیت ۲۰، انیس الاعلام فی نصرۃ الاسلام ج ۵ ص ۶۹، سیف الامۃ ص ۳ و ۴ مورد اعراب وتلفظ میں لکھا ہے: اس عبارت کے معنای جیسا کہ حقیر کے والد ماجد نے کتاب توریت کو یہودی علماء کی ایک جماعت

(پچھلے صفحہ کا باقی) کے سامنے پڑھا اور وہ ان کی زبان کو بخوبی جانتے تھے انہوں نے کتاب ''انیس الموحدین'' میں تحریر کیا ہے: اے

ملاحظہ فرمائیں کہ یہ بارہ بزرگ وعظیم سردار وامام، رسولؐ کی حدیث کے مطابق ہیں:

"یکونُ بَعدي اثنیٰ عشر أمیراً"

اوران دونوں عبارتوں میں ایک ربط ہے، ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں البتہ رسولؐ کی حدیث میں یہ ہے کہ میرے بعد بارہ خلیفہ وامام ہونگے۔

نتیجۂ بحث یہ ہے کہ دنیا کی تمام قومیں مصلح آخرالزماں کی منتظر ہیں اوراس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ مصلح حقیقی امام عصر حضرت حجۃ بن الحسن، المہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف، ہیں، اس کے بہت سے مدارک ہیں۔ آسمانی کتابیں اوراہل سنّت کی کتابیں بھی اس کی گواہ ہیں۔

یہ زمین وآسمان جوقائم ہے حضرت حجۃ بن الحسنؑ کے نور کی برکت ہی سے قائم ہے۔

"وَاَشرقتِ الأرضُ بنورِ رَبِّها". (۱)

اورزمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی۔

اسی طرح حضرت مہدیؑ کے ظہور موفور السرور کے بارے میں اہل تسنّن واہل تشیّع کے طریق سے بہت زیادہ روایات وارد ہوئی ہیں اور معتبر کتابوں میں مرقوم ہیں، انہیں میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے:

"لو لم یَبْقَ مِنَ الدُّنْیا اِلاّ یومٌ واحدٌ لَطوَّلَ اللّٰه ذلکَ الیومَ حتّٰی یَخرُجَ رَجلٌ مِنْ أهل بیتي اسمه اِسمي و کنیته کنیتي، یَمْلأُ اللّٰهُ بِهِ الأرضَ عَدْلاً وقِسطاً

(صفحہ قبل کا باقی) ابراہیم میں نے اسمٰعیل کے بارے میں تمہاری باتیں سنیں، میں نے انہیں وجود بخشا اور بڑا کیا اور احمد مصطفیؐ کے سبب ان کی نسل کو کثیر کیا ان سے بارہ امام وجود میں آئیں گے جو کہ ایک عظیم امت کے پیشوا ہونگے۔ اسی کتاب میں موردا عراب میں ص ۸۷ پر لکھا ہے: ہم یہاں پہلی کتابوں؛ توریت وانجیل، متی ویوحنا، مرقس ولوقا، اورزبورِ داؤد، نبوت ھیلا، دانیال وزکریا وشعبا وارمیا و حیقوق کی کتاب میں، دراسن وسیکیاس بنی کی کتاب میں یوحنا کی دوسری کتابوں میں کہ جن پکلیبی کہتے ہیں اور ضفینا وملاخی، عاموس و شفمیعیال ومیخاوزکیال وموثل وناخوم وعزیز یہ سب یا پیغمبر ہیں یا حواری ہیں: حاجی مولیٰ رضا ہمدانی انوار قدسیہ کے ص ۶۵ پر لکھتے ہیں: میں نے اسمٰعیل کے حق میں تمہاری دعا سن لی۔ میں انہیں مبارک قرار دونگا اور انہیں بڑا کرونگا اور ان کی نسل کثیر کرونگا اور احمد کے ذریعہ انہیں عزت بخشونگا اوران کی نسل میں بارہ امام پیدا کرونگا۔

(۱) زمر: ۶۹

بعدَما مُلِئَت ظَلماً وجَوراً". (۱)

(۱) ملاحظہ ہو: صحیح ترمذی ج ۲ ص ۳۶ و ج ۵ ص ۷۵، مسند احمد ج ا ص ۹۹ و ص ۲۷۶ و ص ۳۳۰ و ص ۴۴۸ تاریخ بغداد ج ۴ ص ۳۸۸، کنز العمال ج ۷ ص ۱۸۸، ذخائر العقبیٰ ص ۱۳۶، بحار الانوار ج ۵۱ ص ۸۱ و ص ۸۳ و ۸۴ و ص ۹۴ و ص ۱۰۲، کفایۃ الاثر ص ۱۶۲، میں لکھا ہے حدثنا حسين بن زيد بن على قال: حدثنا عبد الله بن حسين بن حسن عن ابيه عن الحسنؑ قال: خطب رسول اللهؐ يوماً فقال: بعد ما حمد الله و اثنى عليه، معاشر الناس! كأني اُدعى فأُجيب و انّي تارك فيكم الثقلين كتابَ الله و عترتي أهل بيتي ما ان تمسكتم بهما لن تضلوا فتعلّموا منهم و لا تعلّموهم فإنهم أعلمُ منكم لا تخلوا الأرض منهم ولو خلت اذن لساخت بأهلها۔ ثم قالؑ: اللّهم انّى اعلم أنّ العلم لا يبيد و لا ينقطع و انك لا تخلي أرضك من حجّة لك علىٰ خلقك ظاهر ليس بالمطاع او خائف مغمور لكيلا تبطل حجتك و لا تضل اولياؤك بعد اذ هديتهم، اولئك الاقلون عدداً الأعظمون قدراً عند الله فلمّا نزل عن منبره قلت: يا رسول اللهؐ اما انت الحجّة علىٰ الخلق كلّهم۔ قال: يا حسن إنّ الله يقول﴿ انّما انت منذرٌ ولكلِّ قومٍ هادٍ﴾ "رعد/۷" فانا المنذر و عليٌّ الهادي۔ قلت: يا رسول الله فقولك ان الارض لا تخلو من حجّة۔ قال: نعم عليٌّ هو الإمام و الحجّة بعدي وانت الحجّة و الامام بعده و الحسينؑ الامام و الحجّة بعدك و لقد نبأني اللّطيف الخبير انّه يخرج من صلب الحسينؑ غلام يقال له عليٌّ سمي جده عليؑ فاذا مضى الحسينؑ قام بالامر بعده عليٌّ ابنه وهو الحجّة والامام ويخرج الله من صلبه ولداً سميّ و اشبه النّاس بي علمه علمي و حكمه حكمي هو الامام والحجّة بعد أبيه و يخرج الله تعالىٰ من صلبه مولوداً يقال له جعفرؑ اصدق النّاس قولاً و عملاً هو الامام و الحجّة بعد ابيه و يخرج الله تعالىٰ من صلب جعفرؑ مولوداً يقال له موسىٰؑ سميُّ موسىٰ بن عمرانؑ أشدّ النّاس تعبُّداً فهو الامام و الحجّة بعد ابيه و يخرج الله تعالىٰ من صلب موسىٰؑ ولداً يقال له عليٌّ معدن علم الله و موضع حكمه فهو الامام و الحجّة بعد ابيه و يخرج الله من صلب عليٍّ مولوداً يقال له محمّدؐ فهو الامام و الحجّة بعد ابيه و يخرج الله تعالىٰ من صلب محمّدؐ مولوداً يقال له عليٌّ فهو الحجّة و الامام بعد ابيه و يخرج الله تعالىٰ من صلب عليٍّ مولوداً يقال له الحسنؑ فهو الامام و الحجّة بعد ابيه و يخرج الله تعالىٰ من صلب الحسنؑ الحجّة القائمؑ امام شيعته و منقذ أوليائه يغيب حتّى لا يرى فيرجع عن امره و يثبت آخرون﴿و يقولون متىٰ هذا الوعد ان كنتم صادقين﴾ "يونس/ ٤٨" ولو لم يبق من الدّنيا الّا يوم واحد لطوّل الله عزوجلّ ذلك حتّى يخرج قائمنا (پچھلے صفحہ کا باقی) فيملأها قسطاً و عدلاً كما ملئت جوراً و ظلماً فلا تخلوا الأرض أعطاكم الله علمي و فهمي ولقد دعوت الله تبارك و تعالىٰ ان يجعل العلم والفقه في عقبي و عقب عقبي و مزرعي و زرع زرعي۔

و درك كمال الدّين ۲/۳۷۲۔ آمده است كه دعبل بن علي الخزاعي يقول: انشدت مولاي الرضا علي بن موسىٰؑ

اگر دنیا کی عمر کا ایک ہی دن بچے گا تو خدا اس دن کو طولانی کر دے گا یہاں تک میرے اہل بیتؑ میں سے ایک شخص خروج کرے گا اس کا نام میرا نام ہوگا اور اس کی کنیت میری کنیت ہوگی اور خدا اس کے ذریعہ زمین کو اسی طرح عدل وانصاف سے پر کرے گا جیسا کہ وہ ظلم وجور سے بھر چکی ہوگی۔

آج کفر و بت پرستی اور شرک کا تو ذکر ہی کیا، دنیا ظلم و جور سے بھر چکی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج مسلمانوں پر بہت زیادہ دباؤ ہے اور مسلمانوں میں شیعہ بہت زیادہ مشکلوں میں ہیں۔

دعا ہے کہ خداوند عالم امام زمانہؑ کے ظہور میں تعجیل کرے تا کہ مسلمانوں کو کشائش نصیب ہو۔

---

(صفحه قبل کاباقی)قصیدتي التي اولها:

مدارسُ آياتٍ خلت من تلاوةٍ        و منزل وحي مقــفرَ العرصاتِ

فلما انتهيت الىٰ قولي:

خروج امامٍ لا محالة خــارجٌ        يقـــوم علىٰ اسم الله و البركاتِ

يميّز فينا كلّ حقٍ و باطـــلٍ        و يجزي علىٰ النعماءِ و النقماتِ

بكى الرضاؑ بكاء شديداً ثم رفع راسه الى فقال لى: يا خزاعي نطق روح القدس علىٰ لسانك بهذين البيتين فهل تدرى من هذا الامام و متى يقوم؟ فقلت: لا يا مولاي اِلّا أنّي سمعت بخروج امام منكم يطهّر الارض من الفساد و يملؤها عدلاً كما ملئت جوراً فقال: يا دعبل! الامام بعدي محمدؑ ابني وبعد محمدؑ ابنه عليؑ و بعد عليؑ، ابنه الحسنؑ، و بعد الحسنؑ ابنه الحجّة القائم المنتظرؑ في غيبته المطاع في ظهوره، لو لم يبق من الدّنيا الّا يوم واحد لطوّل الله عزّوجلّ ذلك اليوم حتّٰى يخرج فيملأ الارض عدلاً كما ملئت جوراً و أما متىٰ فإخبار عن الوقت فقد حدّثني أبي عن أبيه عن آبائهؑ أنّ النبيﷺ قيل له: يا رسول الله! متىٰ يخرج القائمؑ من ذريتك فقالؐ: مثله مثل الساعة التي ﴿لا يجلّيها لوقتها الّا هو ثقلت في السّمٰوات و الأرض لا تأتيكم اِلّا بغتةً﴾"اعراف / ۱۸۷

و در أعلام الورىٰ / ۴۳۵ آمده است كه عبد العظيم بن عبد الله الحسنى قال: دخلت على سيدى محمد بن عليّؑ و انا اُريد أن أسأله عن القائمؑ أهو المهديؑ أو غيره؟ فابتدأني فقال: يا أبا القاسم اِن القائم منّا هو المهديؑ الّذي يجب ان يُنتظر في غيبته و يطاع في ظهوره وهو الثالث من ولدي والّذي بَعثَ مُحمّداًﷺ بالنبوة و خصنا بالإمامة انّه لو لم يبق من الدّنيا الّا يوم واحد لطول الله ذلك اليوم حتّٰى يخرج فيملأ الارض قسطاً و عدلاً كما ملئت جوراً و ظلماً و ان الله تعالىٰ يصلح له امره في ليلة واحدة كما أصلح أمر كليمه موسىٰؑ اذ ذهب ليقتبس لأهله ناراً فرجع و هو رسول الله ثم قال: افضل اعمال شيعتنا انتظار الفرج۔

ای قاضی مطلق که نو سالار قضائی
وی قائم بر حق که در این خانه خدائی
تو حافظ ارضی و نگهدار سمائی
بر لوح مه و مهر فروغی و ضیائی
در کشور تجرید مهین راهنمائی
بر لشکر توحید امیر الامرائی
حق را تو ظهیرستی و دین را تو نگهدار
ابری شده بالا و گرفته است فضا را
و ز دود و شرر تیره نموده است هوا را
آتش زده سکان زمین را و سما را
سوزانده به چرخ اختر و در خاك گیاه را
ای واسطه ی رحمت حق بهر خدا را
از خاك بگردان ره طوفان بلا را
بشکاف ز هم سینه ی این ابر شرر بار(۱)

❁❁❁❁❁

---

(۱) دیوان ادیب الممالک/مسمط شماره ی ۱، برخیز شتربانا بر بند کجاوه۔

# قرآن

# پہلی تقریر

قرآن خالق و مخلوق کے درمیان مضبوط وسیلہ

اس میں تحریف نہیں ہوسکتی اور یہ رسول اسلام کا معجزہ جاوید ہے

قرآن حبل اللہ اور مضبوط وسیلہ ہے

قرآن رسول کا ابدی معجزہ ہے

قرآن میں تحریف نہیں ہوسکتی

ہاں! تفسیر حذف ہوئی ہے، آیات کم نہیں ہوئی ہیں، قرآن سحر نہیں ہے

فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے قرآن معجزہ ہے

ایک حدیث میں امام رضاؑ سے روایت ہے کہ:

" القرآن هو حبلُ اللّٰه المتينُ و عروتُهُ الوثقىٰ و طريقته المُثلىٰ المؤدي الى الجنّة و المُنجي مِنَ النار لا يَخْلُقُ مِنَ الأزمنة ولا يَغِثُّ علىٰ الألسنة لأنّه لم يُجعلْ لزمانٍ دون زمانٍ بل جُعلَ دليلَ البُرهانِ وحُجَّةً علىٰ كلِّ انسانٍ ﴿ لا يأتيه الباطلُ مِنْ بينِ يديهِ ولا مِنْ خَلفِهِ تنزيلٌ مِنْ حكيمٍ حميدٍ﴾. (۱)

قرآن مجید اللہ کی محکم ومضبوط رسی ہے اور مستحکم واستوار وسیلہ ہے اور خدا کا ایسا بلند کلام ہے جو جنت کی طرف انسان کی راہنمائی کرتا ہے اور جہنم سے نجات دلاتا ہے، قرآن مرورِ زمانہ سے پرانا نہیں ہوتا ہے اور کثرتِ تلاوت سے اس کی تازگی ختم نہیں ہوتی ہے بلکہ اس کی تازگی میں اضافہ ہوتا ہے کیونکہ یہ قرآن کسی خاص زمانہ کے لئے خلق نہیں ہوا ہے بلکہ اس کو ہر انسان کے لئے دلیل وحجّت قرار دیا گیا ہے، اس میں کسی بھی لحاظ سے باطل راہ نہیں پا سکتا کیونکہ یہ حق کی طرف سے نازل ہوا ہے۔

قرآن کو متعدد آیات وروایات میں حبل اللہ، اللہ کی رسی سے تعبیر کیا گیا ہے مثلاً اس آیت میں:

---

(۱) بحارالانوار ج ۷۱ص ۲۱۰-۲۱۱ بحوالۂ عیون اخبار الرضاؑ / ۲۷۱

﴿واعتصموا بحَبلِ اللّٰہِ جمیعاً ولا تفرَّقوا﴾ (۱)

خدا کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلو اور متفرق نہ ہو۔

البتہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ خدا کی رسی سے مراد توحید اور بعض لوگوں کے نزدیک نبوت اور ولایت ہے لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ اس سے مراد یہ سب کے سب ہیں، توحید، ولایت اور نبوت کا اقرار خدا کی رسی ہیں اس لئے کہ ہر ایک اپنے مقام میں خدا کی رسی ہیں،

حدیث ثقلین میں آنحضرت فرماتے ہیں:

انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و حبل ممدود من السماء الی الارض و عترتی اھل بیتی ... فانظروا ما ذا تخلفونی فیھما (۲)

میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، ایک خدا کی رسی جو آسمان سے زمین تک کھچی ہوئی ہے اور میری عترت میرے اہلبیت ...پس توجہ رکھنا کہ میرے بعد تم ان کے ساتھ کیا کرتے ہو۔

اس روایت میں قرآن کو ایک مضبوط رسی سے تعبیر کیا گیا ہے، بلکہ ایک قصیدہ میں بھی بردہ نے قرآن کو ایک مضبوط رسی سے تعبیر کیا ہے

قرت بھا عین قاریھا فقلت لہ لقد ظفرت بحبل اللہ فاعتصم(۳)

میں نے قاری قرآن سے کہا: قرآن ایک ایسی کتاب ہے کہ جس سے قاری کی آنکھیں روشن رہتی ہیں، اب جب کہ خدا کی محکم رسی کو پالیا ہے لہذا اسے مضبوطی سے پکڑلو۔

---

(۱) آل عمران/۱۰۳

(۲) بحار الانوار ۲۳/۱۰۸، ۲۳/۱۴۷، کمال الدین ۱/۲۳۵

عن ابی سعید الخدری ان النبی قال: انی اوشک ان ادعی فاجیب و انی اوشک فیکم الثقلین کتاب اللہ عز وجل و عترتی کتاب اللہ حبل ممدود بین السماء والارض وعترتی اھل بیتی وان اللطیف الخبیر اخبرنی انھما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض فانظروا بما ذا تخلفونی فیھما

(۳) شرح قصیدہ بردہ/۹۵ فریدہ ۹۹

شعرانی کے اشعار میں بھی قرآن کو محکم رسی سے تعبیر کیا گیا ہے:

حق از آن خوانده حبل، قرآن را | که بگیری بسان حبل ، آن را

به در آیی ز چاه و هوا | کنی آهنگ عالم بالا

تو در این تنگ جای بنشستی | واندر آن دست و پای خود بستی

حبل خواندنش کز این نشیمن پست | به در آیی بدان رسن زده دست(۱)

اس بیان کی روشنی میں معلوم ہوا کہ قرآن اور امیر المومنین دونوں خدا کی رسی ہیں اور انسان ان کے توسل سے نفسانی خواہشات اور شہوتوں کے تاریک کنویں سے نجات پا سکتا ہے اور صراط مستقیم کو طے کر کے ابدی سعادت کو حاصل کر سکتا ہے۔

امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

قرآن خدا کی مضبوط رسی، پکڑنے کا محکم وسیلہ اور بلند و بالا الٰہی کلام ہے کہ جو انسان کو جنت کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور جہنم سے نجات دلاتا ہے، قرآن زمانے کے گذرنے سے پرانا نہیں ہوتا اور زبانوں پر فاسد اور کم اہمیت نہی ہوتا بلکہ اس کی تازگی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اس لئے کہ یہ قرآن صرف ایک زمانہ کے لئے خلق نہیں ہوا ہے، حق نے اسے دلیل برہان اور ہر انسان کے لئے حجت قرار دیا ہے۔

بلکہ اسے ہر انسان کے لئے حجّت و برہان قرار دیا ہے۔ اور (خاتم الانبیاء حضرت محمد بن عبد اللہ کی نبوت کے اثبات پر) یہ ہر انسان کے لئے عظیم حجّت ہے۔

یعنی قرآن مجید رسول اکرمؐ کا دائمی معجزہ ہے کہ جس کے ذریعہ تمام فصحاء اور بلغاء اور دنیا کے قانون ساز لوگوں کو چیلنج کیا جاتا رہے گا۔ اور انہیں یہ تنبیہ کی جاتی رہے گی کہ اگر تمہارے اندر طاقت ہے تو قرآن کے محکم و متین قوانین جیسے قوانین اور توحید و اخلاق اور خدا کی معرفت کے بارے میں اس کے معارف جیسے

---

(۱) سنایی غزنوی سے منسوب ہے

معارف لے آؤ تم ہرگز قرآن کا جواب اور اس کا مثل نہیں لاسکو گے، تمام جہات سے اس کا مثل لانے عاجز ہو کیونکہ قرآن پرانا و فرسودہ ہونے والا نہیں ہے اور وہ کسی خاص زمانہ سے مخصوص نہیں ہے۔

اس کے بعد امام رضاؑ نے اس آیت کی تلاوت کی:

﴿لا يأتيهِ الباطلُ مِنْ بينِ يَدَيهِ و لا مِنْ خَلْفِهِ تنزيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حميدٍ﴾ (۱)

اس میں کسی بھی طرف سے باطل نہیں آ سکتا کیونکہ قرآن خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے۔

امام کے اس ارشاد: ''بل جعل دليل البرهان و حجة علىٰ كل انسانٍ'' سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ قرآن میں تحریف نہیں ہوئی ہے واضح رہے کہ قرآن میں اضافہ وزیادتی کو کسی نے بھی قبول نہیں کیا ہے۔ عامہ وخاصہ کے علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس میں کسی چیز کا بھی اضافہ نہیں ہوا ہے۔ بحث اس سلسلہ میں ہے کہ قرآن میں کمی واقع ہوئی ہے یا نہیں ہے؟ قرآن میں حذف وتصحیف ہوئی ہے یا نہیں؟ اہل سنّت و اہل تشیع کے بعض علماء کا خیال ہے قرآن کے کچھ مطالب و آیات حذف ہو گئے ہیں لیکن ہمارے اور اہل تسنن کے بزرگ علماء اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن میں تحریف نہیں ہوئی ہے اور قرآن کی کوئی آیت کم نہیں ہوئی ہے۔

سید مرتضیٰؒ فرماتے ہیں: قرآن رسولؐ کے عہد میں اسی صورت میں جمع ہو چکا تھا جس صورت میں آج ہے (۲)۔ شیخ مفید کا بھی یہی نظریہ ہے کہ قرآن میں ہرگز تحریف نہیں ہوئی ہے۔ ایسے عظیم الشان علماء فرماتے ہیں کہ قرآن میں تحریف نہیں ہوئی ہے جو روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قرآن میں فلاں لفظ تھا حذف ہوگیا ہے تو اسے لفظ کو قرآن کی تاویل وتفسیر قرار دیتے ہیں (۳) یعنی چونکہ تفسیر تھی اس لئے حذف ہو گیا

---

(۱) فصلت: ۴۲

(۲) مجمع البیان ج ۱-۲ ص ۱۵ صافی المقدمة السادسة: ۹۱، مولف نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ عہد رسولؐ میں قرآن اس صورت میں جمع ہو چکا تھا جس میں آج ہے۔

(۳) تفسیر صافی ج ۱ المقدمة السادسة ۹۔ یہ بعید نہیں ہے کہ کہا جائے: یہ محذوفات تفسیر کی حیثیت رکھتے تھے۔

ہے آیت کا جز نہیں تھا مثلاً ایک روایت ہے کہ سورۂ مائدہ (۱) کی ایک آیت اس طرح تھی:

یـا أیُّهـا الـرسـولُ بـلّغ ما اُنزِلَ اِلیکَ مِنْ ربّکَ في عليٍّ، و اِنْ لّمْ تَفْعَل فما بَلّغتَ رِسـالَتَـهُ والـلّـهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النّـاسِ، اِنَّ اللّـهَ لا یهدي القومَ الکافرینَ. (۲)

ظاہر یہ ہیکہ ''فی علی'' اس آیت میں اضافہ ہوا ہے اور موجودہ قرآن سے حذف کر دیا گیا ہے لیکن جو علماء قرآن میں کمی کی تحریف کے قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں: ''فی عليٍ'' تفسیر ہے نہ قرآن کا جز تھا جو حذف ہو گیا ہے۔ (۳)

خدا کی مصلحت کے تحت قرآن میں حضرت علیؑ کا نام بیان نہیں ہوا ہے اگر چہ متعدد آیات میں رمزی طور پر امیر المومنینؑ کی امامت کی طرف اشارہ ہوا ہے لیکن صریح طور پر آپؑ کا نام بیان نہیں ہوا ہے کیونکہ ممکن تھا کہ مخالفین اسی بہانہ سے قرآن میں تحریف کرتے۔ (۴)

قرآن صرف فصاحت و بلاغت ہی کے لحاظ سے معجزہ نہیں ہے بلکہ متعدد جہتوں سے معجزہ ہے مثلاً قرآن غیب کی خبر دیتا ہے، مستقبل کے حالات بیان کرتا ہے، الٰہیات، اخلاقیات، احکام وغیرہ کو بیان کرتا ہے۔

ان تمام باتوں کے باوجود چونکہ قرآن کے نزول کے زمانہ میں فصاحت و بلاغت کو اہمیت حاصل تھی ،اس کی طرف زیادہ توجہ دی جاتی تھی اور عرب کا ہر مرد و عورت اور ہر چھوٹا بڑا فصاحت و بلاغت کے انتہائی

---

(۱) مائدہ: ۶۷، یا ایُّها الرسولُ بَلِّغْ ما اُنْزِلَ اِلیکَ مِنْ رَبِّکَ، واِنْ لَمْ تَفْعَلْ فما بَلَّغْتَ رِسالَتَهُ واللّهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ، اِنَّ اللّهَ لا یَهْدِي القومَ الکافرینَ۔

(۲) مائدہ: ۶۷، بحار الانوار ج ۳۷

(۳) تاویل لآیات الظاہرہ ص ۴۶۳، تفسیر ج اص ۲و۱۰ ج ۲ص ۲۰۱ تفسیر صافی ج ۱۱لمقدمۃ السادسۃ ص ۹۹، شواہد التنزیل ج اص ۲۴۹۔

(۴) رجوع کریں، اللوامع النورانیۃ فی اسماعلی واھل بیتہ القرآنیہ، سید ہاشم بحرانی، ص ۵۴۲ اولیٰ، في سبب الإسقاط لإخفاء أسماء أمیر المومنینؑ و الأئمة في القرآن۔

درجہ پر پہنچا ہوا تھا لیکن اس کے باوجود وہ قرآن کا جواب لانے سے عاجز تھے۔اس بات کا ذکر تاریخ میں بھی ہوا ہے:

حج کے زمانہ میں ہر طرف سے لوگ مکہ آ رہے تھے، مکہ کے بت پرست ولید بن مغیرہ کے پاس جمع تھے اور کہہ رہے تھے۔

اب لوگ اطراف واکناف سے آ رہے ہیں قرآن اور محمدؐ کی باتیں سن رہے ہیں وہ قرآن کی شیرینی و مٹھاس اور کانوں میں رس گھولنے والی محمد کی باتوں کے گرویدہ وشیفتہ ہو رہے ہیں، ان پر ایمان لا رہے ہیں۔اب کچھ ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ جس سے ایسا نہ ہو۔

ولید بن مغیرہ نے کہا: تم اپنی باتوں سے لوگوں کو محمدؐ پر ایمان لانے سے روکو! ان میں سے کچھ لوگوں نے یہ کہا: ہم کہیں گے وہ-- محمدؐ معاذ اللہ-- کاہن ہیں اور قرآن کی آیتیں، کاہنوں کی باتیں ہیں۔

ولید نے کہا: ہم نے کاہنوں کو دیکھا ہے؛ ان کی باتوں کا قرآن سے کوئی ربط نہیں ہے کچھ لوگوں نے کہا: ہم کہیں گے کہ وہ ساحر ہیں۔

ولید نے کہا: ہم نے ساحروں کی باتیں بھی سنی ہیں۔قرآن کو سحر سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی ان میں سے بعض نے کہا: ہم انہیں شاعر کہیں گے۔

ولید نے کہ: ہم نے اشعار کی انواع بھی دیکھی ہیں قرآن کو شعر سے بھی تشبیہ نہیں دی جا سکتی ان لوگوں نے ولید سے کہا: پھر ہم کیا کریں؟!

اس نے کہا: اس سلسلہ میں کچھ غور وفکر کرنا پڑے گا۔بہتر ہے کہ جو لوگ رسولؐ کے پاس آتے ہیں اور ان کی باتیں سنتے ہیں ان سے یہ کہا جائے کہ رسولؐ کی باتیں سحر و جادو ہیں۔

ان لوگوں نے ایسا ہی کیا اور جو لوگ مکہ آئے تھے ان سے یہ کہا: جو باتیں رسولؐ لائے ہیں ان کے ذریعہ وہ سحر و جادو کرتے ہیں ان سے باپ، بیٹے اور میاں، بیوی میں جدائی ڈال دیتے ہیں مختصر یہ کہ اس طرح انہوں نے لوگوں کو رسولؐ کے پاس سے کو متفرق کر دیا۔

اسی لئے یہ آیتیں ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔(۱)

(۱) مجمع البیان ج۱۰، ص۵۸۳و۵۸۴، نزلت الاية في الوليد بن مغيرة المخزومي و ذلك أنّ قريشاً اجتمعت في دار الندوة فقال لهم الوليد: إنكم ذوو احساب و ذوو احلام و ان العرب يأتونكم فينطلقون من عندكم علىٰ أمر مختلف فأجمعوا أمركم علىٰ شيء واحد۔ ما تقولون في هذا الرجل؟ قالوا: نقول إنّه شاعر فعبس عندها، و قال: قد سمعنا الشعر فما يشبه قوله الشعر۔ فقالوا: نقول إنّه كاهن، قال: اذا تاتونه فلا تجدونه يحدّث بما تحدّث به الكهنة۔ قالوا: نقول إنّه لمجنون۔ فقال: اذا تأتونه فلا تجدونه مجنوناً۔ قالوا: نقول انّه ساحر، قال: وما الساحر؟ فقالوا: بشر يحببون بين المتباغضين و يبغضون بين المتحابين ۔ قال: فهو ساحر فخرجوا فكان لا يلقى احد منهم النّبيّ الا قال: يا ساحر! يا ساحر! و اشتد عليه ذلك فأنزل الله تعالىٰ:﴿يا أيها المدثر﴾۔ و يروىٰ أن النبيّ لما انزل عليه ﴿حم تنزيل الكتاب مِنَ اللهِ العزيزِ العليمِ غافر الذنب و قابل التوبِ شديدَ العقاب﴾ قام الىٰ المسجد و الوليد بن المغيرة قريب منه يسمع قرائته فلما فطن النبيّ لاستماعه لقرائته أعاد قرائة الآية فانطلق الوليد حتّٰى اتى مجلس قومه بني مخزوم فقال: و الله لقد سمعت من محمد آنفاً كلاماً ما هو كلام الانس و لا من كلام الجنّ و ان له لحلاوة و ان عليه لطلاوة و ان اعلاه لمثمر و ان اسفله لمغدق و انه ليعلو و ما يعلى، ثم انصرف الىٰ منزله فقالت قريش: صبأ و الله الوليد، و الله لتصبأنّ قريش كلّهم، و كان يقال للوليد ريحانة قريش فقال لهم ابو جهل: انا اكفيكموه فانطلق فقعد الىٰ جانب الوليد حزيناً ۔ فقال: مالي أراك حزيناً يا ابن اخي؟ قال: هذه قريش يعيبونك علىٰ كبر سنك و يزعمون انّك زينت كلام محمد۔ فقام مع ابي جهل حتّٰى اتى مجلس قومه فقال: اتزعمون ان محمداً مجنون فهل رايتموه يخنق قطّ؟ فقالوا: اللّهم لا۔ قال: اتزعمون انّه كاهن فهل رايتم عليه شيئا من ذلك؟ قالوا: اللّهم لا۔ قال: اتزعمون انّه شاعر فهل رايتموه انّه ينطق بشعر قط؟ قالوا: اللّهم لا۔ قال: اتزعمون انّه كذّاب فهل جربتم عليه شيئاً من الكذب؟ فقالوا: اللّهم لا و كان يسمى الصادق الأمين قبل النبوة لصدقه۔ فقالت قريش للوليد: فما هو؟ ﴿فتفكر﴾ في نفسه﴿ ثم نظر و عبس﴾ فقال: ما هو الاّ ساحر؛ ما رايتموه يفرّق بين الرّجل و أهله و ولده و مواليه فهو ساحر و ما يقوله سحر يؤثر۔

ودر تفسیر قمی ۲/۳۹۵ میں بھی یہی آیت نقل ہوئی ہے:عن ابی عبد اللهؑ فی قوله :﴿ذرني ومَنْ خلقتُ وحيداً﴾ قال: الوحيد ولد الزنا و هو زُفر، ﴿ وجعلتُ له مالاً ممدوداً﴾ قال: اجلاً الىٰ مدة، ﴿ و بنينَ شهوداً﴾ قال: اصحابه الّذين شهدوا أن رسول اللهّ لا يورّث ﴿ و مهّدت له تمهيداً﴾ ملكه الّذى ملكه مهده له ثمّ يطمع، ﴿أن أزيد كلاّ إنّه كان لآياتنا عنيداً﴾ قال: لولاية امير المومنينؑ جاحداً عانداً لرسول اللهّ فيها، ﴿سأرهقه صعوداً إنّه فكّر و قدّر﴾ فيما أُمر به من الولاية و قدّر إن مضى رسول اللهّ ان لا يسلّم لأمير المؤمنينؑ البيعة التي بايعه علىٰ (پچھلے صفحہ کا باقی) عهد رسول اللهّ ،﴿ فقُتل كيف قدّر ثمَّ قُتل كيف قدّر﴾ قال: عذاب بعد عذاب يعذبه القائمؑ، ﴿ثمّ نظر﴾ الىٰ النبيّ وأمير المؤمنينؑ۔ فـ﴿فعبس و بسر﴾ مما أُمر به، ﴿ثمّ أدبر و استكبر﴾، فقال: ﴿إنْ هذا الاّ سِحرٌ يؤثر﴾ قال: زُفر إنّ النّبيّ سحر النّاس بعليؑ، ﴿إنْ هذا الاّ قول البشر﴾ اي ليس هو وحياً من الله عزّوجلّ۔ ﴿سأصليه سقر﴾ الىٰ آخر الآيات، وفيه نزلت۔

﴿انّہ فکَّر وقدّرَ، فقُتِلَ کیف قدّرَ، ثُمّ قُتِلَ کیف قَدَّرَ، ثمَّ نَظَرَ، ثمَّ عبسَ وبَسَرَ، ثمَّ أدْبَرَ واستَکْبَرَ، فقال اِنْ ھذا اِلّا سِحرٌ یؤثَرُ اِنْ ھذا اِلا قَولُ البَشَرِ، سَاُصْلِیہِ سَقَرَ﴾ (۱)

اس نے قرآن کے بارے بہت میں غور کیا اور اندازہ لگایا، یہ قتل کیا جائے اس نے کیسے اندازہ لگایا ہے یہ ہلاک ہو جائے اس نے کیسے اندازہ لگایا ہے، پھر غور کیا اور منھ بنایا اور تکبر کیا اور کہا: یہ تو سحر وجادو ہی ہے، وہ عنقریب جہنم میں ڈالا جائیگا۔

مقصد یہ ہے کہ یہ لوگ قرآن کے مقابلہ سے عاجز ہو گئے ہیں باوجودیکہ وہ بھی فصاحت وبلاغت میں مہارت رکھتے تھے اس فن میں عرب کے بزرگ ہی مہارت نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کے بچے بھی بڑے فصیح وبلیغ ہوتے تھے۔

حکایت ہے کہ اصمعی نے کہا: میں نے پانچ چھ سال کا ایک بچہ دیکھا وہ نہایت ہی فصیح وبلیغ زمان میں بات کررہا تھا، میں نے اس سے کہا: تم بڑے فصیح وبلیغ ہو۔

اس نے کہا: تم مجھے فصیح وبلیغ کہہ رہے ہو حالانکہ تمہارے درمیان قرآن موجود ہے اور اس میں ایسی بہت سی آیتیں موجود ہیں کہ جن پر فصاحت وبلاغت کی حد ختم ہے۔

انہیں میں سے ایک آیت درج ذیل ہے:

﴿و أوحینا الیٰ أُمِّ موسیٰ أنْ اَرضعیہ فاِذا خِفْتِ علیہ فألقیہ في الیَمِّ ولا تَخافي ولا تحزني اِنّا رادّوہُ اِلیکِ و جاعلوہُ مِنَ المُرسَلِینَ﴾ (۲)

ہم نے موسیٰ کی والدہ پر وحی نازل کی کہ انہیں دودھ پلاؤ اور جب تمہیں ان کے لئے کوئی خطرہ محسوس ہو تو انہیں دریا میں چھوڑ دینا، ڈرو نہیں! ملال نہ کرو ہم انہیں تمہاری طرف لوٹا دیں گے اور

---

(۱) مدثر ۱۸ سے ۲۶

(۲) قصص ۷

انہیں مرسلین میں قرار دیں گے۔

اس آیت میں دو امر، دو نہی، دو بشارت اور دو خبر ہیں۔

ارضعیہ اور فالقیہ ،امر ہیں لا تخافی و لا تحزنی نہی ہیں اور انا رادالیک میں ایک اور جاعلوہ من المرسلین میں دوسری بشارت ہے اور یہ دونوں جملے خبر بھی ہیں۔ ایک میں فرماتا ہے کہ ہم اسے تمہارے پاس پلٹا دیں گے اور دوسرے میں یہ ہے کہ ہم اسے رسول وپیغمبر بنائیں گے۔

مختصر یہ کہ قرآن کے اعجاز کی حقیقت کو نہیں سمجھا جاسکتا کیونکہ ہم صرف قرآن کے الفاظ کو دیکھتے ہیں اس کی حقیقت و باطن کو نہیں دیکھتے لہذا قرآن کی اعجازی جہتوں کا سراغ نہیں لگا سکتے۔

# دوسری تقریر

اعجازِ قرآن کے پہلو

کیا قرآن کی فصاحت کا اعجاز عربوں سے مخصوص ہے؟
غیب کی خبروں کے لحاظ سے قرآن کا اعجاز
روم کی فتح کی پیشینگوئی
فتحِ مکہ کی پیشینگوئی
ابولہب کے کافر رہنے کی پیشینگوئی
رسولؐ کی دو بیویوں کی خیانت کی خبر
منافقین کی سازشوں کا پردہ فاش ہونا
امیر المومنینؑ کے حالات کے بارے میں پیشینگوئی
بیان کے لحاظ سے قرآن کا اعجاز
پیغمبروں کی داستانوں کی ایک تفصیل
نفوس پر اثر کے لحاظ سے قرآن کا اعجاز

قرآن کا اعجاز فصاحت و بلاغت ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ فصاحت و بلاغت بھی قرآن کے اعجازی پہلو ہیں اور اس لحاظ سے بھی قرآن معجزہ ہے۔

لیکن اعتراض کرنے والوں کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ قرآن عربی زبان میں ہے تو واضح ہے کہ وہ عرب والوں ہی کے لئے حجّت ہے، عربی کو وہی سمجھتے ہیں دوسری قوموں کے لئے قرآن حجّت نہیں ہے کیونکہ ان کی زبان عربی نہیں ہے۔

ان کا جواب یہ ہے:

اوّل: عربی ممالک میں غیر مسلموں کی بھی اچھی خاصی تعداد ہے اور وہ عربی پر تسلط رکھتے ہیں۔

دوسرے: عرب کے علاوہ دوسرے ممالک میں بہت سے اسلام مخالف لوگ ایسے ہیں کہ جن کو عربی میں مہارت حاصل ہے جیسے جرجی زیدان، موصوف نے عربی میں تاریخ اسلام لکھی ہے اسی طرح عربی کی مشہور لغت ''المنجد'' کے مولف، ایسی ہی اور بہت سی کتابیں ہیں جن کے مولف غیر مسلم ہیں۔

تیسرے: جن لوگوں نے اسلام کی رد میں کتابیں لکھی ہیں وہ عربی پر مسلّط تھے اور اس میں ید طولیٰ رکھتے تھے پس قرآن کا اعجاز عرب ہی سے مخصوص نہیں ہے بلکہ غیر عرب بھی اس سے واقف ہیں۔ مثلاً میرزای قمی مرحوم کے زمانہ میں ''پادری'' نامی خارجی نے اسلام کی رد میں ایک کتاب لکھی اور کئی بزرگوں

نے اس کے جواب لکھے اور اس کی باتوں کو رد کیا۔(۱)

مذکورہ کتاب جو اسلام کی رد میں لکھی گئی ہے اس میں مولف نے یہ لکھا ہے:

ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن نہایت ہی فصیح و بلیغ ہے لیکن اس کی فصاحت و بلاغت اس حد اعجاز تک نہیں پہنچی ہے کہ معجزہ قرار پائے۔(معاذ اللہ)

اس کی اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر چہ وہ قرآن کے معجزہ ہونے کا انکار کرتا ہے لیکن اس کی فصاحت و بلاغت کو تسلیم کرتا ہے حالانکہ وہ عرب نہیں ہے۔

یا ماہر طبیعیات ڈاکٹر شبلی شمیل، جو کہ اس دین کو نہیں مانتا تھا وہ مصر کے ایک دانشور ''رشید رضا''(۲) کو ایک خط لکھتا ہے اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے:

تم حضرت محمدؐ کو بہت عظیم سمجھتے ہو کیونکہ ان کی نبوت کا اعتقاد رکھتے ہو لیکن میں انہیں اس سے کہیں زیادہ عظیم سمجھتا ہوں جتنا تم انہیں عظیم سمجھتے ہو حالانکہ انہیں نبی نہیں مانتا۔

اسی خط میں اس نے درج ذیل اشعار بھی لکھے ہیں:

انـــي و اِنْ أکُ قَـــدْ کَـفَـرْتُ بِـدِیـنِــــهِ
هَـــل أکـــفُـــرَنَّ بِـــمُـــحْـکَـــمِ الآیـــاتِ؟

۲. و شـــرایـــعٍ لـــو أنَّهُـــمْ عَـــمِـلـــوا بهـــا
مـــا قَیَّـــدوا الـعُـــمْـــرانَ بـــالـعَـــاداتِ

---

(۱) جن بزرگوں نے اس کے جواب لکھے تھے ان میں مرحوم حاج مولیٰ رضا ہمدانی، نے مفتاح النبوت، اور مرحوم مولیٰ احمد نراقی نے سیف الائمہ، مرحوم مولیٰ علی حکیم نوری نے اس کی رد میں کتاب لکھی تھی موخر الذکر اگر چہ خود بہت بڑا فیلسوف تھے لیکن مرحوم میرزا نے قمی سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔

(۲) یہ صاحب کتاب المنار رشید رضا ہیں چونکہ سنی ہیں لہذا حضرت علیؑ کی ولایت سے متعلق آیتوں کے منکر ہیں لیکن مرحوم علامہ محمد حسین طباطبائیؒ نے المیزان میں اس کی باتوں کو رد کیا ہے۔

۳. رجلُ الحِجیٰ رجلُ السِّیاسَۃِ و الدّھیٰ
بطلٌ حلیفُ النَّصْرِ في الغاراتِ
۴. ببلاغۃِ القرآنِ قد غَلَبَ النُّھیٰ
و بِسیفِہِ أنحیٰ علیٰ الھاماتِ
۵. مِنْ دونِہِ الأبطالُ في کلِّ الوریٰ
مِنْ سَابقٍ او حاضرٍ أو آتِ

۱۔ اگر چہ میں ان کے دین کا منکر ہوں لیکن کیا ان کی آیات محکمہ کا بھی منکر ہو جاؤں؟

۲۔ کیا میں ان کے شرائع واحکام کا انکار کر سکتا ہوں، اگر ساری دنیا کے لوگ ان پر عمل کرتے تو وہ آباد دنیا کو بری عادتوں میں قید نہ کرتے۔

۳۔ عقل مند وسیاستمدار ذہین وزیرک انسان کہ جس نے تمام جنگوں میں فتح پائی ہے۔

۴۔ قرآن کی فصاحت و بلاغت نے تمام انسانوں کی عقلوں پر غلبہ پایا ہے، اور ان کی تلوار نے دشمنوں کے سروں کو پارہ کیا ہے۔

۵۔ دنیا میں ان کی کوئی مثال نہیں ہے، ماضی، حال اور مستقبل کے پہلوان ان سے پست ہیں۔

پس قرآن کے مخالف اس کی فصاحت و بلاغت کا انکار نہیں کر سکتے لیکن چونکہ اسسے دشمنی ہے لہذا اس کے معجزہ ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

قرآن کے دوسرے اعجازی پہلوؤں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ غیب کی باتوں کے سلسلہ میں بھی معجزہ ہے غیب کی جو خبریں قرآن مجید میں بیان ہوئی ہیں ان میں سے ایک روم پر ایران کے غلبہ کی خبر ہے، خسرو پرویز کے زمانہ میں، اس کے اور قیصر روم کے درمیان ایک جنگ ہوئی، ایران کی فوج نے روم کی فوج کو شکست دی۔ جب یہ خبر مکہ پہنچی تو عرب کے بت پرست کہنے لگے: ایرانیوں نے، جو اہل کتاب نہیں ہیں، روم والوں پر فتح پائی ہے جو کہ اہل کتاب ہیں لہذا ہم بھی کہ اہل کتاب نہیں ہیں، رسولؐ اور ان کے اصحاب

پر جو کہ اہل کتاب ہیں اسی طرح فتح پائیں گے۔ اس وقت آپؐ کے اصحاب کو بہت افسوس ہوا۔ اور انہیں شدید خوف لاحق ہوا لیکن خدا نے سورۂ روم کی ابتدائی آیتیں نازل کیں:

﴿بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم، الم، غُلِبَتِ الرُّومُ، في أدنیٰ الأرْضِ وَهُم مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ، في بِضْعِ سِنينَ لِلّهِ الأمْرُ مِن قَبْلُ ومِنْ بَعْدُ ويَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ المؤْمِنُونَ، بِنَصْرِ اللهِ يَنْصُرُ من يَشَاءُ وهُوَ العزيزُ الرَّحيمُ﴾(۱)

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے۔ الم، روم مغلوب ہو گیا ہے لیکن مغلوب ہونے کے کچھ ہی عرصہ بعد، تین سے نو سال کے درمیان، وہ پھر غالب ہو گا اوّل و آخر ہر زمانہ کا اختیار اللہ ہی کو ہے اور اس دن ایمان والے خوشی منائیں گے، خدا کی نصرت کے سہارے اور خدا جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے کہ وہ صاحب عزت بھی ہے اور مہربان بھی۔

ان آیتوں میں دو غیبی خبریں تھیں اور دونوں پوری ہوئیں:

۱۔ ایران و روم کے درمیان دوبارہ جنگ ہوئی لیکن سابق کے برخلاف اس بار روم کے لشکر نے ایران کی فوج کو شکست دی اور ان پر غلبہ پایا۔

۲۔ ایران والوں پر روم والوں کی فتح کی خبر مسلمانوں کو اس وقت ملی جب جنگ بدر میں کفار پر غلبہ پا چکے تھے اور ان کے ستر آدمیوں کو قتل کر چکے تھے۔

قرآن نے مسلمانوں اور روم والوں کی فتح کی خبر دی تھی اور دونوں ہی کو فتح نصیب ہوئی لیکن پھر اعتراض کرنے والے کہتے ہیں: صحیح ہے کہ اس کا ذکر قرآن میں ہوا ہے لیکن یہ غیبی خبر نہیں ہے بلکہ یہ ایک قسم کی پیشینگوئی ہے، ممکن ہے پوری ہو جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پوری نہ ہو۔

قرآن نے یہ بھی خبر دی تھی کہ رسولؐ اور ان کے اصحاب مکہ کو فتح کریں گے۔ اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب آنحضرتؐ کو مکہ سے نکال دیا گیا تھا اور آپؐ مدینہ تشریف لے آئے تھے۔ اس کا آپؐ کو بہت

---

(۱) روم ۱ سے ۵ تک

زیادہ رنج تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی:

﴿اِنَّ الّذي فَرَضَ عَلَيکَ القُرآنَ لَرادُّکَ اِلىٰ مَعادٍ﴾ (۱)

بیشک جس نے تم پر قرآن کو فرض کیا ہے وہ تمہیں مکہ واپس پلٹائے گا۔

اس آیت کا مفہوم پورا ہوا۔ رسولؐ ایک لاکھ کے مجمع کے ساتھ مکہ تشریف لے گئے، اور بغیر کسی جنگ و خونریزی کے مکہ کو فتح کرلیا، قرآن نے فتح مکہ کی خبر پہلے ہی دیدی تھی، ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُولَهُ الرُّؤيا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرامَ اِنْ شاءَ اللّٰهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُؤُوسَکُم ومُقَصِّرِينَ لا تَخافُونَ فَعَلِمَ مَا لَم تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِن دُونِ ذٰلِکَ فَتْحاً قَرِيباً﴾ (۲)

یقیناً خدا نے اپنے رسولؐ کے خواب کو سچا کر دکھایا ضرور تم لوگ حق کے ساتھ محفوظ طریقہ سے مسجد الحرام میں داخل ہوگے، اپنا سر منڈاؤ گے، تقصیر کروگے اور کسی قسم کا خوف نہیں ہوگا۔

پیغمبر اکرمؐ کی بعثت کے ابتدائی زمانہ ہی میں قرآن نے ابولہب کے بارے میں فرمایا تھا:

﴿تَبَّت يَدا أبي لَهَبٍ وتَبَّ، ما أغنىٰ عنه مالُهُ ومَا کَسَبَ﴾ (۳)

جیسا کہ آپ حضرات ملاحظہ کررہے ہیں اس آیت میں اس بات کی تصریح ہوئی ہے کہ ابولہب کافر اور جہنمی ہے۔ فرض کیجئے اگر ابوسفیان کی طرح کہ جس نے رسولؐ سے ستر جنگیں لڑی تھیں رسولؐ اور مسلمانوں کا شدید دشمن تھا اور پھر مسلمان ہوگیا تھا۔ ابولہب زندہ رہتا اور کلمہ پڑھ لیتا اور مسلمان ہوجاتا تو اس وقت ان دو آیتوں کا کیا ہوتا؟

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے، اس نے پورے اعتماد کے ساتھ مسلمانوں کو یہ سمجھا دیا تھا: ابولہب دوسروں کی طرح نہیں ہے وہ کافر ہی مرے گا۔

---

(۱) قصص ۸۵

(۲) فتح ۲۷ (۳) مسد ۱۔۲

یا رسولؐ خدا کی دو بیویوں کی داستان بیان کرتا ہے اوران کے لئے نوحؑ ولوطؑ کی بیوی کی مثال پیش کرتا ہے اور فرماتا ہے:

﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً لِلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَتَ نُوحٍ وامرأَتَ لُوطٍ كَانَتا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبادِنا صالحينِ فَخانَتَاهُما فَلَمْ يُغْنِيا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئاً وقِيلَ ادْخُلا النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِينَ﴾ (۱)

انہوں نے رسولؐ کے حق میں جو خیانت کی تھی خدا نے اس سے پردہ ہٹا دیا ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنی اس خیانت کا اعتراف واقرار کیا ہے۔

قرآن مجید منافقوں کی حالت کی خبر دیتا ہے کہ وہ کیا کہتے تھے اور کیا کرتے تھے اور اتفاق سے ایسا ہی ہوا تھا یا ائمہ معصومینؑ کی روایت کے مطابق قرآن نے بنی عباس کی حکومت کی خبر دی تھی اور فرمایا تھا:

﴿فَهَل عَسَيتُم اِنْ تَوَلَّيتُم أن تُفْسِدُوا في الأرْضِ وتُقَطِّعُوا أرْحَامَكُمْ﴾ (۲)

کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ اگر تمہیں حکومت مل جائیگی تو تم قطع رحم کروگے اور روئے زمین پر فساد برپا کروگے؟

﴿يَا أيُّها الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنْكُم عَنْ دِينِهِ فَسَوف يَأتِي اللّٰهُ بِقَومٍ يُحِبُّهُم ويُحِبُّونَهُ أذِلَّةً علىٰ المُؤْمِنِينَ أعِزَّةً علىٰ الكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ في سَبِيلِ اللّٰهِ ولا يَخافُونَ لَوْمَةَ لائِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ واللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ (۳)

اے ایمان لانے والو! تم میں سے جو بھی اپنے دین سے پھر جائے گا (وہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا) اور خدا عنقریب ایسے گروہ کو لائے گا کہ جس کو وہ دوست رکھتا ہے اور وہ بھی اسے دوست رکھتے ہیں وہ مومنوں کے لئے خاکسار اور کافروں کے مقابلہ میں سخت اور طاقتور ہیں وہ راہِ خدا

(۱) تحریم ۱۰

(۱) محمدؐ ۲۲

(۲) مائدہ ۵۴

میں جہاد کرتے ہیں اور کسی ملامت گر کی ملامت کی پروانہیں کرتے یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے وہ (اپنے فضل میں) صاحب وسعت اور جاننے والا ہے۔

اس آیت کا مصداق حضرت علیؑ اور راہِ خدا میں آپؑ کا جہاد ہے۔ (۱) ائمہؑ سے وارد ہونے والی روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے دا یہ امام زمانہؑ حضرت امیر المومنینؑ اور آپ کے اصحاب کی شان بھی ہے۔

تفسیر المیز ان میں مرقوم ہے:

یہ آیتیں ملاحم میں سے ہیں علاوہ اس کے کہ یہ آیتیں حضرت علیؑ کے کردار کی عکاس ہیں۔

ان کا تعلق حضرت امام زمانہؑ سے بھی ہے۔ (۲)

قرآن مجید میں ایسی آیات بہت زیادہ ہیں جو غیب کی خبر دیتی ہیں۔

قرآن مجید کے اعجازی پہلوؤں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ سابقہ امتوں اور گذشتہ انبیاء کی داستانوں کو تفصیل سے بیان کرتا ہے۔ حالانکہ رسولؐ نے اس دنیا میں نہ کسی سے پڑھنا سیکھا تھا نہ لکھنا۔ کیونکہ آپ علم نبوت سے اس پر قدرت رکھتے تھے۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید فرماتا ہے:

﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذاً لَارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ﴾ (۳)

آپؐ اس سے قبل لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے ورنہ لوگ شک میں پڑ جاتے۔

---

(۱) ملاحظہ ہو: بحار الانوار ج ۱۷ص ۱۷۵ ج ۲۴ص ۶۲ ج ۳۲ ج ۳۹ ص ۱۶، تفسیر فرات کوفی، ص ۱۲۳، قال حدّثني الحسين بن سعيد معنعناً عن ابي جعفر في قوله: ﴿فسوف يأتي اللّهُ بِقومٍ يحبُّهم ويُحبّونه﴾ قال: عليٌّ و شِيعتُه.

(۲) تاویل الآیات الظاہرۃ ۱۵۵، و روى عن امير المومنينؑ انّه قال يوم البصرة: ما قوتل أهل هذه الآية حتّى اليوم يعني أنّهم الّذين ارتدّوا عن الدّين و هو و اصحابه القوم الّذين يُحبُّونَ اللّهَ ويُحبّهم فافهم ذلك۔ و ذكر علي بن إبراهيمؒ: أن المُخاطَبة بقوله عزّو جلّ: ﴿مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُم عَنْ دِينِهِ﴾، هي لأصحاب النّبيؐ الّذين ارتدّوا بعد وفاته و غصبوا آل محمّد حقوقهم۔ و قوله: ﴿فسوف يأتي اللّهُ بقومٍ﴾ الآية، فإنها نزلت في القائمؑ مِنْ آل محمدؐ۔

(۳) عنکبوت ۴۸

قرآن مجید میں داستانیں بڑی تفصیل اور بڑی خوبی سے بیان ہوئی ہیں جبکہ رسولؐ کا تعلق نہ یہود سے تھا نہ نصاریٰ سے خصوصاً مکہ میں ان سے کوئی ربط نہیں تھا کیونکہ وہاں نہ یہودی تھے نہ نصرانی، اس بات کی دلیل یہ ہے۔قرآن علم بشر کے علاوہ دوسرے منبع سے صادر ونازل ہوا ہے۔خصوصاً اگر آپ حضرات قرآن کی داستانوں کا توریت وانجیل کی داستانوں سے موازنہ کریں گے تو معلوم ہوگا کہ ان دونوں میں انبیاء کی طرف کتنے گناہوں کی نسبت دی گئی ہے اور خدا کو۔معاذ اللہ۔عاجز اور مجسم قرار دیا گیا ہے۔

قرآن مجید کے اعجاز کے اور پہلو بھی ہیں، مثلاً بعض علماء کہتے ہیں نفسوں پر قرآن مجید کا اثر بجائے خود ایک معجزہ ہے اس کے علاوہ اور بھی اعجازی صورتیں ہیں جن کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔

❁❁❁❁❁

# تیسری تقریر

فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے قرآن کا چیلنج اور دشمنوں کا اس کا جواب لانے سے عاجز رہنا

قرآن کا اعجاز، امام رضاؑ کے کلام کی روشنی میں

قرآن تمام علوم کا سرچشمہ ہے

اعجازِ قرآن کے بارے میں قرآن اور رسولؐ کا چیلنج

قرآن سے لڑنے والوں کا رسوا ہونا

قرآن کا جواب لانے سے دشمنوں کا قاصر رہنا

الٰہیات سے متعلق بحث کے سلسلہ میں قرآن کا اعجاز

قرآن ایک جامع کتاب ہے

قرآن پڑھنے والوں کی قسمیں

**ابن سکیت (۱) امام رضاؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:**

حضرت موسیٰؑ کا معجزہ لاٹھی کا سانپ بنانا اور ید بیضا تھا اور حضرت عیسیٰؑ کا معجزہ مردوں کو زندہ کرنا اور پیدائشی اندھوں کو شفا دینا تھا اور حضرت محمدؐ کا معجزہ قرآن ہے اس کی وجہ کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں سحر و جادو کا دور، دورہ تھا اور اس عہد میں ساحروں اور جادگروں کی بڑی اہمیت تھی لہذا آپؑ کا معجزہ عصا کو اژدھا بنانا اور ید بیضا وغیرہ تھا اور حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں علم طب اپنے عروج پر تھا اور اس زمانہ میں بڑے بڑے طبیب موجود تھے لہذا آپؑ کا معجزہ مُردوں کو زندہ کرنا اور پدائشی اندھوں کو بینائی عطا کرنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں ساحروں نے یہ دیکھا کہ آپؑ نے عصا کو اژدھا بنادیا تو وہ سمجھ گئے اس کا تعلق جادو یا سحر سے نہیں ہے بلکہ یہ سحر و جادو

---

(۱) ابن سکیت شیعہ ادیب تھے ایک دن متوکل نے ان سے یہ معلوم کیا کہ تم میرے بیٹوں سے زیادہ محبت کرتے ہو یا حسنؑ و حسینؑ سے انھوں نے جواب دیا کہ حضرت علیؑ کے غلام قنبر تمہارے دونوں بیٹوں سے بلند ہیں، حسنینؑ کا مرتبہ تو بہت بلند ہے اس پر وہ غضبناک ہوگیا اور حکم دیا کہ اسے عبرتناک طریقہ سے قتل کیا جائے۔ ملاحظہ فرمائیں: الکنی والالقاب ج ا ص ۳۰۳ قتلہ المتوکّل في خامس رجب سنة ٢٤٤ و سببه ان المتوكل قال له يوما: ايّهما احبّ اليك ابناي هذان أي المعتز و المؤيّد أم الحسن و الحسينؑ؟ فقال ابن السكيت: و الله اِنّ قنبراً خادم علي بن ابيطالبؑ خير منك و من ابنيك۔ فقال المتوكّل للأتراك: سلّوا لسانه من قفاه۔ ففعلوا فمات و قيل: بل اثنى على الحسن و الحسينؑ و لم يذكر ابنيه فأمر المتوكل الأتراك فداسوا بطنه فحُمِل الىٰ داره فمات بعد غد من ذلك۔

سے بلند ہے اس طرح حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں جب اطباء نے مردوں کو زندہ کرتے اور پیدائشی اندھوں کو شفا عطا کرتے ہوئے دیکھا تو سمجھ گئے کہ یہ ہمارے طب سے بلند ہے کیونکہ طبیب بعض امراض کا علاج کرتا ہے لیکن مردوں کو زندہ کر دینا انسان کے قبضہ کی بات نہیں ہے اور چونکہ رسولؐ اکرمؐ کے زمانہ میں عرب کا عظیم ترین ہنر فصاحت و بلاغت تھی اور اس میں عرب کو مہارت حاصل تھی (۱) لہذا قرآن رسولؐ کا عظیم ترین معجزہ تھا چنانچہ جب قرآن نازل ہوا اور لوگوں نے اس کی آیتوں کو سنا تو سب نے اس بات کی تصدیق کی ایسا کلام انسان کی طاقت سے باہر ہے یہاں تک کہ جو لوگ دشمنی کی وجہ سے اس کی تصدیق نہیں کرتے تھے وہ بھی یہ کہتے تھے کہ یہ سحر ہے۔(۲)

مختصر یہ کہ قرآن رسولؐ کا عظیم ترین معجزہ ہے اور تا قیامت خلقِ خدا پر حجّت ہے۔

رسولؐ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

---

(۱) ان کے بچے بھی فصیح و بلیغ تھے خانہ کعبہ میں سبعہ معلقات وغیرہ کا آویزاں کرنا اس کا ثبوت ہے قرآن کے نازل ہونے کے بعد جب عرب والوں نے اس کی فصاحت و بلاغت کو دیکھا تو بہت شرمندہ ہوئے اور خانۂ کعبہ سے ایسے قصائد کو اتارلیا۔ مشہور ہے کہ طائف میں ایک بازار تھا جس کا نام ''عکاظ'' تھا جس کے پاس کوئی مال و متاع ہوتا تھا وہ اسے وہاں لے جاتا تھا اور معرض فروخت میں رکھ دیتا تھا۔ اسی بازار میں شعراء اور خطباء بھی جمع ہوتے اور اپنے اشعار و خطبات کو پڑھتے تھے اور جو خطبہ یا اشعار دیگر خطبات و اشعار پر فوقیت لے جاتے تھے انہی خانہ کعبہ کی دیواروں پر آیزاں کر دیا جاتا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں عرب کا اہم ترین ہنر فصاحت و بلاغت ہی تھی۔

(۲) کافی ج ۱ ص ۲۴، بحار الانوار ج ۱ ص ۷۰ ج ۱۷ ص ۲۱۰، احتجاج طبرسی ج ۲ ص ۴۳۲، علل الشرائع ج ۱ ص ۱۲۱، عیون اخبار الرضاؑ ج ۲ ص ۷۹، عن ابی یعقوب البغدادی، قال ابن السکیت لأبي الحسنؑ: لماذا بعث الله موسیٰ بن عمرانؑ بالعصا و یده البیضاء و آلة السحر و بعث عیسیٰ بآلة الطبّ و بعث محمداًؐ بالکلام و الخطب؟ فقال ابو الحسنؑ: ان الله لمّا بعث موسیٰؑ کان الغالب علیٰ اهل عصره السحر فأتاهم من عند الله بما لم یکن في وسعهم مثله و ما ابطل به سحرهم و اثبت به الحجّة علیهم و ان الله بعث عیسیٰؑ فی وقت قد ظهرت فیه الزمانات و احتاج النّاس الیٰ الطبّ فاتاهم من عند الله بما لم یکن عندهم مثله و بما أحیا لهم الموتیٰ و أبرأ الأکمه و الأبرص باذن الله و اثبت به الحجة علیهم و ان الله بعث محمداًؐ في وقت کان الغالب علیٰ أهل عصره الخطب و الکلام و أظنه۔ قال: الشعر فأتاهم من عند الله من مواعظه و حکمه ما أبطل به قولهم و اثبت به الحجة علیهم۔ قال: فقال ابن السّکیت : تالله ما رأیت مثلك قط؛ فما الحجّة علیٰ الخلق الیوم؟ قال: فقالؑ: العقل یعرف به الصادق علیٰ الله فیصدقه و الکاذب علیٰ الله فیکذبه۔ قال: فقال ابن السکیت: هذا و الله الجواب۔

"اِنْ أرَدْتُمْ عَيْشَ السُّعداءِ، ومَوْتَ الشّهداءِ والنجاةَ يومَ الحَسْرَةِ و الظِّلّ يومَ الحَرُور و الهدىٰ يوم الضلالَةِ فادرسوا القرآن فِانّه كَلامُ الرَّحمٰنِ وحِرزٌ من الشّيطان و رَجَحَانٌ في الميزانِ". (۱)

اگرتم چاہتے ہو کہ کامیاب لوگوں کی زندگی جیو اور شہیدوں کی موت مرو اور حسرت و یاس کے دن نجات پاؤ اور روز محشر کی گرمی سے امان میں رہو اور گمراہی سے ہدایت پاؤ تو قرآن فہمی کی کوشش کرو کیونکہ قرآن خدا کا کلام ہے اور شیطان سے بچنے کے لئے امان ہے اور جس کے پاس علمِ قرآن ہو گا روز قیامت اس کے نیک اعمال کا پلہ بھاری ہو گا۔

قرآن تمام علوم کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے، علمِ خدا کا بحرِ بیکراں ہے، رسولؐ کا زندۂ جاوید معجزہ ہے، لہذا جہاں تک ہو سکے قران کو اہمیت دی جائے اسے حفظ کیا جائے، اس کی تفسیر دریافت کی جائے اس کے حقائق اور باریکیوں سے استفادہ کیا جائے۔

قرآن، رسولؐ اسلام کا باقی رہنے والا معجزہ ہے، اس کے ذریعہ ہر مسلمان اسلام کے مخالفوں کو چیلنج کر سکتا ہے اور انہیں یہ بتا سکتا ہے کہ یہ رسولؐ کی آسمانی کتاب، خدا کا کلام ہے۔ اگر تم اس بات کو نہیں مانتے تو اس جیسا کلام لے آؤ۔ ہرگز نہیں لاسکو گے، اس کا جواب لانے سے سب عاجز رہیں گے۔

واضح رہے کہ قرآن کا اعجاز فصاحت و بلاغت ہی میں منحصر نہیں ہے، ہاں فصاحت و بلاغت اس کے اعجازی پہلو ہیں اور رسولؐ نے قرآن کی فصاحت و بلاغت کے اعجاز کے ذریعہ عرب کے فصیح و بلیغ لوگوں کو متعدد بار چیلنج کیا ہے۔

ا۔ بعثت کے ابتدائی زمانہ میں شہر مکہ میں اس وقت چیلنج کیا تھا جب قرآن کا کچھ حصہ نازل ہوا تھا، مخالفوں سے فرمایا: قرآن کا مثل لے آؤ اس کا جتنا حصہ نازل ہو چکا ہے اتنے ہی حصہ کا جواب لے آؤ۔

---

(۱) بحارالانوار ج۹۲ ص۱۹ بحوالہ جامع الاخبار

﴿أمْ يَقولونَ شاعرٌ نَتربَّصُ بِهِ رَيْبَ المَنونِ، قُلْ تَربَّصُوا فإنّي مَعَكُمْ مِنَ المُتَربِّصِينَ، أم تأمُرُهُمْ أحْلامُهُمْ بِهذا أمْ هُمْ قَومٌ طاغونَ، أم يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ بَلْ لا يُؤْمِنُونَ﴾.(۱)

(یہ کافر کیا کہہ رہے ہیں؟) کیا یہ کہہ رہے ہیں رسولؐ شاعر ہیں؟ اور ہم ان کے مرنے کا انتظار کر رہے ہیں جس طرح دوسرے شعراء مر گئے اور ان کا نام تک باقی نہیں ہے اسی طرح ان کا نام بھی نہیں رہے گا۔ اے رسولؐ! ان سے کہہ دیجئے کہ تم انتظار کرو، میں بھی منتظر ہوں دیکھتا ہوں کیا ہوتا ہے۔ یا انہیں ان کے وہم وخواب نے اس بات پر اکسایا ہے کہ قرآن کا انکار کر دو؟ یا یہ لوگ سرکش و باغی ہیں؟ یا یہ کہتے ہیں اس قرآن کو رسولؐ نے خود بنالیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایمان نہیں رکھتے ہیں۔

پس ان سے کہہ دیجئے:

﴿فليأتوا بحديثٍ مِثْلِهِ اِنْ كانوا صَادِقِينَ﴾ (۲)

اگر وہ سچے ہیں تو قرآن کے مثل کلام لے آئیں۔

۲۔ مکہ ہی میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿أمْ يقولونَ افْتَرَاهُ قُلْ فأتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِثْلِهِ مُفْتَرَياتٍ﴾ (۳)

یہ قرآن کے بارے میں کیا کہتے ہیں کیا یہ کہتے ہیں کہ یہ افتراء ہے، رسولؐ نے بنایا ہے؟ اور اگر تمہاری بات صحیح ہے تو تم اس کے مثل دس سورے بنالاؤ۔

آخر کار وہ قرآن کے مثل سورے نہ لا سکے۔

---

(۱) طور۳۰۔۳۳

(۲) طور۳۴

(۳) ہود:۱۳

۳۔سورہ بقرہ میں فرماتا ہے:

﴿اِنْ کُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمّا نَزَّلْنا علیٰ عَبْدِنا فأتوا بسورةٍ مِنْ مِثْلِهِ و ادْعوا شُهَدَائَکُم اِنْ کُنْتُم صَادِقِينَ﴾ (۱)

اگرتم اس قرآن کے بارے میں شک کر رہے ہو جو ہم نے اپنے رسولؐ پر نازل کیا ہے تو اس جیسا ایک سورہ لے آؤ۔ (تاکہ یہ جھگڑا ہی ختم ہو جائے)

قرآن میں کوثر، عصر، اور توحید جیسے چھوٹے چھوٹے سورے موجود ہیں لیکن تعجب ہے کہ عرب قرآن کے مقابلہ میں ایسی ہی فصاحت و بلاغت کا کلام اتنا بھی پیش نہ کر سکے حالانکہ وہ فصاحت و بلاغت میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ عرب کے عظیم ترین فصحاء میں سے ایک نبوت کا مدعی، مسیلمۂ کذاب جب قرآن کے مثل کلام بنانے کی کوشش کرتا ہے تو ایسا کلام بناتا ہے کہ جس سے خود ہی رسوا ہوتا ہے۔

قران کے مقابلہ میں اس نے جو کلام پیش کیا تھا اس کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں:

”و المبذرات بذراً، و الحاصدات حصداً، و الذاريات قمحاً، و الطاحنات طحناً، و العاجنات عجناً، و الخابزات خبزاً، و الثاردات ثردا، و اللاقمات لقماً، اهالة و سمناً“. (۲)

قسم ہے ان لوگوں کی جو کھیتی کرتے ہیں، قسم ہے ان لوگوں کی جو کھیتی کاٹتے ہیں، قسم ہے ان لوگوں کی جو روٹی پکاتے ہیں اور قسم ہے ان لوگوں کی جو روٹی کھاتے ہیں...

”الفيل ما الفيل، له خرطوم طويل، ذنب و ثيل“.(۳)

ہاتھی، اور ہاتھی کیا ہے، اس کی سونڈ لمبی ہے اور اس کی دم مضبوط ہے۔

(۱) بقرہ:۲۳

(۱) منتہی الآمال ص ۳۳۳، قرآن و آخرین پیغمبر ص ۴۵

(۲) قرآن و آخرین پیغمبر ص ۳۹

اس جیسا ہی بہت سا کلام ہے جو اس کی رسوائی کا باعث ہوا۔

ہر زمانہ میں مخالفین قرآن کا جواب دینے کے لئے تیار ہوئے ہیں لیکن کبھی کامیاب نہیں ہوئے اس کا جواب لانے سے ہمیشہ عاجز رہے ہیں۔

امام صادقؑ کے عہد امامت میں منصور دوانیقی کی غاصبانہ حکومت کے زمانہ میں ملحدوں کا ایک گروہ وجود میں آیا انہوں نے امام صادقؑ سے بحث کی آپؑ نے انہیں شکست دیدی پھر وہ ایک روز سب مسجد الحرام میں جمع ہوئے اور آپس میں کہنے لگے:

ہمیں کچھ غور کرنا چاہئے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں کوئی چیز پیش کرنی چاہئے اور چونکہ قرآن مسلمانوں کی بہت بڑی حجّت و دلیل ہے لہذا ہمیں قرآن کا جواب لکھنا چاہئے تا کہ شر وفساد ختم ہو جائے۔ یہ سبھی فصاحت و بلاغت میں مہارت رکھتے تھے پھر انہوں نے اس کا جواب لکھنے کے لئے اپنے درمیان سے ایسے چار افراد کو منتخب کیا جو فصاحت و بلاغت میں سب سے زیادہ مہارت رکھتے تھے ان چار اشخاص نے یہ طے کیا کہ ایک سال تک وہ تحقیق و جستجو کریں گے اور ہر ایک قرآن کے ۳/۱ حصہ کے مثل کلام ایجاد کرے گا پھر سب مسجد میں جمع ہونگے اور اپنے ایجاد کئے ہوئے کلام کو ایک دوسرے کے سامنے پیش کریں گے اور اس کے بعد مسلمانوں سے بحث کرینگے۔

ایک سال کا عرصہ گذر جانے کے بعد جب یہ چاروں مسجد الحرام میں جمع ہوئے تو ان میں سے ایک نے کہا: حقیقت تو یہ ہے کہ جب میں اس آیت:

﴿لو کانَ فیهما آلِهةٌ اِلاَّ اللّهُ لَفَسَدَتا فسبحانَ اللّهِ رَبِّ العرشِ عَمّا یَصِفُونَ﴾ (۱)

پر پہنچا تو میں سمجھ گیا کہ یہ بشر کا کلام نہیں ہے اس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرے نے کہا جب میں اس آیت:

---

(۱) انبیاء ۲۲

﴿فلمّا استَيْئَسُوا مِنهُ خَلَصُو نَجِيّاً﴾ (۱)

تو متوجہ ہو کر قرآن کا جواب نہیں لایا جاسکتا، یہ بشر کا کلام نہیں ہے۔

تیسرے نے کہا: جب میں اس آیت:

﴿وَقِيلَ يا أرْضُ ابْلَعي مائَكِ ويا سَمَاءُ أقْلِعِي وغِيضَ الماءُ وقُضِيَ الأمرُ واستوتْ علىٰ الجوديِّ وقيلَ بُعْداً للقومِ الظالمينَ﴾ (۲)

پر پہنچا تو میں سمجھ گیا کہ اس کا جواب نہیں لایا جاسکتا۔

چوتھے نے کہا: جب میں نے اس آیت:

﴿إنَّ الّذين تَدْعُونَ مِنْ دونِ اللّهِ لَنْ يَخْلُقوا ذُباباً و لو اجْتَمَعُوا لَهُ وإنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبابُ شَيْئاً لا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنهُ ضُعُفَ الطَّالِبُ و المَطْلُوبُ﴾ (۳)

کو دیکھا تو سمجھ گیا کہ قرآن کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔

اتفاق سے اسی وقت ادھر سے امام جعفر صادقؑ کا گذر ہوا اور آپؑ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

﴿قُلْ لَئِنْ اِجْتَمَعَتِ الاِنْسُ والْجِنُّ علىٰ أنْ يَأتوا بِمِثْلِ هذا القُرآنِ لا يأتُونَ بِمِثْلِهِ ولو كانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيراً﴾ (۴)

کہہ دیجئے کہ اگر تمام انس وجن مل کر اس قرآن کا جواب و مثل لانا چاہیں تو بھی اس کا مثل نہ لاسکیں گے خواہ۔ان میں بعض، بعض کے پشت پناہ ہی بن جائیں۔

---

(۱) یوسف ۸۰

(۲) ھود ۴۴

(۳) حج ۷۳

(۴) اسراء: ۸۸

# اعجاز قرآن کے پہلو

ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت اعجازِ قرآن کا ایک پہلو ہے کیونکہ قرآن مختلف جہات سے معجزہ ہے۔

اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں غیب کی خبریں بیان ہوئی ہیں، مستقبل میں رونما ہونے والی چیزوں کی خبر دی گئی ہے۔

اس کے اعجاز کا پہلو قرآن کے الٰہیات ہیں، خدا کی اس کتاب میں، خدا کی ذات وصفات، اس کے اسماء وافعال، موجودات میں اس کی قدرت نمائی، عالم میں کارفرما عجیب نظم ونسق اور بہت سے اہم مطالب بیان ہوئے ہیں، تقریباً سات سو آیتیں کائنات کے علم سے متعلق ہیں جو آسمان وزمین اور ممکنات میں خدا کی قدرت کے آثار کو بیان کرتی ہیں۔

قرآن کے اعجاز میں سے اس کا حسن اسلوب بھی ہے۔

قرآن مجید میں اس کے علاوہ بھی اعجاز کے پہلو ہیں، جنہیں بیان کرنا چاہئے لیکن اہم چیز یہ ہے کہ ہمیں قرآن اور اس کی تفسیر کو سمجھنے اور اس کے نکات و باریکیوں کو جاننے کے لئے غور وفکر کرنا چاہئے قرآن میں سب کچھ موجود ہے کسی بھی چیز کو چھوڑا نہیں گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

﴿و كُلَّ شَيءٍ أحْصَيْناهُ في إمامٍ مُبينٍ﴾ (۱)

اور ہم نے ہر چیز کو امام مبین، واضح کتاب، میں سمو دیا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿مَا فرَّطْنا في الْكِتابِ مِنْ شَيءٍ﴾ (۲)

---

(۱) یٰس ۱۲

(۲) انعام ۳۸

ہم نے کتاب میں کسی چیز کے بیان میں کوئی کمی نہیں کی ہے۔

بحث کی تکمیل کے لئے درج ذیل روایت ملاحظہ فرمائیں:

قال ابو جعفر: قرّاءُ القُرآنِ ثلاثةٌ: رَجُلٌ قَرأ القُرآنَ فاتّخَذَهُ بِضَاعَةً واسْتَدَرَّ بِهِ المُلُوكَ واسْتَطَالَ بِهِ عَلىٰ النَّاسِ ورَجُلٌ قَرأَ القُرآنَ فَحَفِظَ حُرُوفَهُ وضَيَّعَ حُدُودَهُ وأقامَهُ اِقامَةَ القَدْحِ فَلا كَثَّرَ اللّٰهُ هؤلاءِ مِنْ حَمَلَةِ القُرْآنِ ورَجُلٌ قَرأَ القُرْآنَ فَوَضَعَ دَواءَ القُرآنِ عَلىٰ دَاءِ قَلْبِهِ فأسْهَرَ بِهِ لَيْلَهُ وأظمأ بِهِ نَهارَهُ وقَامَ بِهِ في مَساجِدِهِ و تجافى بِهِ عَنْ فِراشِهِ فَبِأُولٰئِکَ يَدْفَعُ اللّٰه العَزِيزُ الجَبَّارُ البلاءَ و بِأُولٰئِکَ يُديلُ اللّٰه عَزَّوجَلَّ مِنَ الأعداءِ وبِأُولٰئِکَ يُنْزِلُ اللّٰهُ عَزَّوجَلَّ الغَيْثَ مِنَ السَّماءِ فَوَاللّٰه لَهَؤلاءِ في قُرّاءِ القُرآنِ أعزّ مِنَ الكِبريتِ الأحْمَرِ. (۱)

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں:

قرآن پڑھنے والے تین قسم کے ہیں:

۱۔ ایک شخص قرآن پڑھتا ہے لیکن اسے ذریعہ معاش اور کمائی کا وسیلہ بنالیتا ہے، بادشاہوں کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے، لوگوں کے سامنے بڑا بنتا ہے۔

۲۔ دوسرا قرآن پڑھتا ہے اور اس کے حروف کو یاد کرلیتا ہے لیکن اس کے حدود واحکام کو ضائع کردیتا ہے اسے ایسا تیر سمجھ لیتا ہے کہ جس کی اصلاح ہوئی ہے دعا ہے کہ خدا ایسے لوگوں کی کثرت نہ ہونے دے۔

۳۔ جو قرآن پڑھتا ہے اور اس سے اپنا روحانی علاج کرتا ہے اسے اپنے درد کی دوا قرار دیتا ہے، دن بھوکا پیاسا رہتا ہے (یعنی روزہ رکھتا ہے) اور رات میں عبادت کرتا ہے اور اپنی جائے

(۱) اصول کافی ج۲ص ۶۲۷

عبادت پر عبادت کرتا ہے ایسے ہی لوگوں کے وسیلہ سے خدا دشمنوں کے شر سے بچاتا ہے، بارش برساتا ہے خدائے بزرگ و برتر کی قسم قرآن کے ایسے قاریوں کی تعداد بہت کم ہے اور وہ کبریت احمر، سرخ یاقت، سے بھی زیادہ کمیاب ہے۔

❁❁❁❁❁

# معاد

# پہلی تقریر

معادِ جسمانی وروحانی

معاد، اصول دین سے ہے اور اس کا انکار دین کے لازمی جز کا انکار ہے۔

معادِ روحانی و جسمانی

مُردوں کی ہڈیوں کو پہلی ہی صورت میں زندہ کرنا معادِ جسمانی کی دلیل ہے

انسانوں کا قبروں سے اٹھنا بھی معاد جسمانی کی دلیل ہے

ہمارے اہم اعتقادی مسائل میں سے معاد بھی ہے یہ اصول اور ضروریات دین میں سے ہے معاد اہم اصل ہے جس کو خدا نے بیان کیا ہے لہذا جو شخص معاد کا انکار کرتا ہے وہ حقیقت میں اصول اور ضروریات دین میں سے ایک اصل کا انکار کرتا ہے پس مسئلہ معاد بالکل توحید ہی کی مانند اہم اصل ہے۔

کیا قیامت میں معاد روحانی ہوگی یعنی جیسا کہ بعض فلاسفہ کہتے ہیں کہ وہاں لذت جسمانی کھانا، پینا بالکل نہیں ہے۔ یا قیامت میں معاد جسمانی ہے؟

صحیح بات یہ ہے کہ معاد روحانی بھی ہے اور جسمانی بھی ہے، جنت میں روح تمام لذتوں سے مالا مال ہوگی اور بدن بھی جہنم میں عذاب کا مزہ چکھیں گے اور روح کو بھی عذاب ہوگا۔

قرآن کی آیت سے جسم و روح کی بازگشت سمجھ میں آتی ہے۔

قرآن کی جو آیتیں معادِ جسمانی کو ثابت کرتی ہیں ان میں سے ایک آیت یہ ہے۔

﴿أوَلَم يَرَى الانِسانُ أنّا خَلَقْناهُ مِنْ نُطْفَةٍ فإذا هُوَ خَصِيمٌ مُبينٌ، و ضَرَبَ لنا مثلاً و نَسِيَ خَلْقَهُ قالَ مَنْ يُحيي العِظَامَ وهِيَ رَمِيمٌ، قُلْ يُحْييها الّذي أنْشأها أوّلَ مرَّةٍ و هُوَ بِكُلِّ خلْقٍ عَلِيمٌ﴾(۱)

---

(۱) یٰس ۷۷۔۷۹

کیا انسان نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا ہے اور اب وہ ہمارا کھلا دشمن ہو گیا ہے۔اور ہمارے لئے مثال بیان کرنے لگا اور اپنی پیدائش کو بھول گیا (کہ کتنے مرحلے طے کئے ہیں) کہتا ہے: ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ کہد یجئے کہ وہی زندہ کرے گا کہ جس نے انہیں پہلی مرتبہ زندگی دی تھی اور وہ ہر خلقت وآفرینش کا عالم ہے۔

پھر فرماتا ہے:

﴿أوَلَيسَ الّذي خَلَقَ السَّمٰواتِ والأرضِ بِقادِرٍ علىٰ أنْ يَخْلُقَ مِثْلَهيم بلىٰ وَ هُوَ الخلّاقُ العَلِيمُ، اِنّما اَمْرُهُ اِذا أرادَ شيئاً أن يِقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ، فَسُبْحانَ الّذي بيَدِهِ مَلَكوتُ كُلِّ شَيءٍ و اِلَيه تُرْجَعُونَ﴾ (۱)

جس نے زمین وآسمان کو پیدا کیا ہے کیا وہ ان کے مثل پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے؟ یقیناً وہ خلق کرنے والا اور اور جاننے والا ہے۔خدا کا امر تو بس یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا چنانچہ وہ ہو جاتی ہے۔پس پاک وپاکیزہ ہے وہ ذات کہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز ہے۔اور تم سب کی بازگشت اسی کی طرف ہوگی۔

واضح ہے کہ اس آیت میں خداوند عالم یہ فرماتا ہے کہ جو لوگ معاد کے بارے میں شک کرتے ہیں اگر وہ اپنے وجود کے بارے میں غور کریں گے تو انہیں معلوم ہو جائیگا کہ جس خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے وہی انسان کو لوٹائے گا۔

یہی آیت معادِ جسمانی ومعاد روحانی پر بھی دلالت کرتی ہے کیونکہ ارشاد ہے:

ہم انہیں ہڈیوں کو زندہ کریں گے بالکل ایسے ہی جیسے ہم نے انہیں پیدا کرتے وقت زندگی دی تھی۔ (۲)

---

(۱) یس ۸۱۔۸۳

(۲) یس ۷۹ ﴿قُلْ يُحيِيها الّذي أنشاها أوّلَ مَرَّةٍ و هُوَ بِكُلِّ خلْقٍ عَلِيمٌ﴾۔

دوسری آیت میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿یا أیُّها النّاسُ اِنْ کُنتم في رَیبٍ مِنَ البَعثِ فإنّا خَلَقْناکُمْ مِنْ تُرابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُضْغَةٍ مُخَلَّقَةٍ وغَیْرِ مُخَلَّقَةٍ لِنُبَیِّنَ لَکُمْ ونُقِرُّ في الأرحامِ ما نَشاءُ اِلیٰ أجَلٍ مُسَمّیٰ ثُمَّ نُخرِجُکُم طِفْلاً ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أشُدَّکُم ومِنْکُم مَنْ یُتَوفّیٰ و مِنْکُم مَنْ یُرَدُّ اِلیٰ أرذَلِ العُمُرِ لِکَیلا یَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَیئاً و تَریٰ الأرضَ هامِدَةً فإذا أنزَلنا عَلَیها المَاءَ اهْتَزَّت وَ رَبَت و أنْبَتَت مِنْ کُلِّ زَوجٍ بَهیجٍ﴾ (۱)

اے لوگو! اگر تمہیں معاد کے بارے میں شک ہے تو تم اپنی پیدائش وخلقت کے بارے میں غور کرو کہ ہم نے تمہیں خاک سے پھر نطفہ سے (خاک سے غذا دی غذا سے نطفہ بنا) اور نطفہ کے بعد خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا، پھر اس جمے ہوئے خون کو گوشت کی صورت میں لائے ہوسکتا ہے پیدائش میں کامل ہو یا ناقص تا کہ تم یہ جان لو کہ خدا ہر قسم کی خلقت کو جانتا ہے اسی طرح ہم جس کو چاہتے ہیں ایک معین مدت تک عورتوں کے رحم میں رکھتے ہیں اور پھر تمہیں بچہ کی صورت میں تمہاری ماؤں کے شکم سے دنیا میں لاتے ہیں یہاں تک بالغ ہو جاتے ہو اور رشد ونمو پاتے ہو لیکن تم میں سے بعض پہلے ہی مر جاتے ہیں اور بعض طویل عمر گزارتے ہیں اور تمہاری طاقت ختم ہو جاتی ہے یہاں تک تم ان چیزوں کو بھی بھول جاتے ہو جن کو تم جانتے تھے۔

پس جس خدا نے انسان کو اس مرحلہ تک پہنچایا ہے وہ اسے دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔

اسی آیت میں ایک اور دلیل قائم کرتا ہے فرماتا ہے:

تم دیکھتے ہو کہ یہ زمین خشک، مردہ اور بنجر وسپاٹ تھی۔ لیکن جب ہم نے بارش برسائی تو اس میں حرکت آ گئی اور ہر نباتات کے جوڑے پرورش پانے لگے جو ہرے بھرے اور پر کیف منظر پیش کرتے ہیں۔

(۱) حج ۵/

﴿ذلک بِأنَّ اللّهَ هُوَ الحَقُّ و أنَّهُ يُحيي المَوتىٰ و أنّه علىٰ كُلِّ شَيءٍ قَدِيرٌ، و اَنَّ السَّاعَةَ آتيةٌ لا رَيبَ فِيها و اَنَّ اللّهَ يَبْعَثُ مَنْ في القُبُورِ﴾(۱)

یہی انسان کی خلقت، اس کے تکاملی مراحل، اور زمین کی خلقت اور مردہ زمین سے پیڑ پودوں کا پیدا ہونا بھی اس کی حقانیت وقدرت کی دلیل ہے اور مردوں کو اپنے دست قدرت سے زندہ کرنا اور قیامت میں مردوں کا اپنی قبروں سے اٹھنا یہ سب اس کی قدرت کی دلیلیں ہیں۔

پس معاد پر دو طریقوں سے استدلال کیا گیا ہے:

۱۔ انسان کی خلقت اور اس کے مراحل سے۔

۲۔ بارش برسنے اور اس کے نتیجہ میں زمین سے پیڑ پودوں کے اگنے سے اور آیت یا یہ جملہ "ان اللّٰـه یبعث من فی القبور" بھی جسمانی وروحانی معاد پر دلالت کرتا ہے، معاد صرف روحانی نہیں ہے بلکہ روح و بدن کے ساتھ ہے اگر روحانی ہی ہوتی تو پھر قبروں سے مردوں کو اٹھانے کی ضرورت نہ ہوتی۔

قرآن مجید کی تمام آیتوں کی دلالت اس بات پر ہے کہ قیامت کے دن خداوند عالم روح و بدن دونوں کو زندہ کرے گا، فرماتا ہے:

﴿فإنّا خَلَقْناکُم﴾ (۱) اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم تمہارے بدن اور تمہاری روح کو زندہ کریں گے پس معاد کے معنی ہیں روح وبدن کی بازگشت۔

یہ تھا معاد کی بحث کا خلاصہ لیکن اس کی کیفیت اور وہ مثالیں جو خدا نے قرآن میں بیان کی ہیں، جیسے جناب عزیز وابراہیم اور اصحاب کہف (جو کہ ۳۰۹ سال تک غار میں تھے اور ان کے بدن میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی تھی جب وہ بیدار ہوئے تو کہنے لگے: ہم بہت سوئے ہیں) کا قصہ دوسری آیتوں کی طرح یہ آیتیں بھی جسمانی وروحانی معاد پر صریح طور پر دلالت کر رہی ہیں۔

❁❁❁❁❁

---

(۱) حج ۶۔۷ (۲) حج ۵

# دوسری تقریر

| | |
|---|---|
| معادِ جسمانی وروحانی | جومنظر جناب عزیز نے دیکھاوہ معادِ جسمانی کی دلیل ہے<br>پرندوں کا زندہ ہونا معاد جسمانی کی دلیل ہے |

قال اللّٰہ تبارک و تعالیٰ:

﴿أو كالّذي مَرّ عَلىٰ قَريةٍ و هي خَاويةٌ علىٰ عُرُوشِها قال أنىّٰ يُحيي هذهِ اللّهُ بَعدَ مَوتِها فأماتَهُ اللّهُ مِاْئَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قالَ كَم لَبِثتَ قَالَ لَبِثْتُ يوماً أو بَعْضَ يَومٍ قَالَ بَل لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُر اِلىٰ طَعَامِکَ و شَرابِکَ لَم يَتَسَنَّهُ و انْظُر اِلىٰ حِمَارِکَ و لِنَجْعَلَکَ آيةً لِلْنّاسِ و انْظُر اِلىٰ العِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُها ثُمَّ نَكْسُوها لَحْماً فَلَمّا تَبَيّنَ لَهُ قالَ أعلَمُ أنّ اللّهَ عَلىٰ كُلِّ شَيءٍ قَدِيرٌ﴾ (١)

یا اس بندے کی مثال جس کا گذر اس قریہ سے جو کھنڈر بن گیا تھا اور اس کے رہنے والے مر چکے تھے اس بندہ نے کہا: خدا ان کو ان کی موت کے بعد کیسے زندہ کرے گا تو خدا نے اس بندے کو سو سال کے لئے موت دیدی پھر اسے زندہ کیا اور پوچھا کتنی دیر پڑے رہے انہوں نے ایک دن یا اس سے کچھ کم۔ فرمایا نہیں، بلکہ سو سال اب تم اپنے کھانے، پینے کو دیکھو خراب تک نہیں ہوا، اور اپنے گدھے کو دیکھو (وہ سڑ گل گیا) اس طرح ہم تمہیں لوگوں کے لئے نشانی بنانا چاہتے ہیں، اب ان ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم انہیں جوڑ کر کس طرح ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ جب ان پر یہ بات آشکار ہوگئی تو بول اٹھے، مجھے معلوم ہے کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

---

(١) بقرہ ٢٥٩

یہ تو ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ خداوند عالم نے قرآن مجید کی جن آیتوں میں معاد کا ذکر کیا ہے ان سے معادِ جسمانی بھی ثابت ہوتی ہے اور معادِ روحانی بھی یعنی انسان اسی بدن اور اسی روح کے ساتھ محشور ہوگا۔

مذکورہ ایت انہیں آیتوں میں سے ایک ہے جو معادِ جسمانی و روحانی کو صریح طور پر ثابت کرتی ہیں، یہ آیت جناب عزیر کے واقعہ کو بیان کرتی ہے اور سابقہ آیت پر عطف ہے وہ آیت خدا کی وحدانیتکے بارے میں ہے جو نمرود پر حضرت ابراہیم کی حجّت کو بیان کرتی ہے۔

یہ آیت کس سے متعلق ہے اس سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں لیکن صحیح قول یہ ہے کہ اس کا تعلق یا جناب عزیر سے ہے یا جناب ارمیا یا جناب خضر یا دیگر انبیاء سے ہے۔ بعض لوگ کا قول یہ ہے کہ اس کا تعلق ایک کافر سے ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ جس سے اس آیت کا تعلق ہے وہ پیغمبر تھے اور اس سے بھی زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ جناب عزیر ہیں۔

بنا برایں خداوند عالم حضرت ابراہیمؑ کے قصہ کو بیان کرنے کے بعد فرماتا ہے:

یا اس بندے کی مثال جس کا گذر ایک ویران قریہ کی طرف سے ہوا تھا جس کے رہنے مر چکے تھے۔

ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ وہ قریہ بیت المقدس تھا کہ جس کو بخت نصر نے خراب ویران کر دیا تھا بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ قریہ تھا جس کا ذکر اس سے پہلے کی چند آیتوں میں ہوا ہے فرماتا ہے:

وہ گروہ کہ جس میں ہزاروں آدمی تھے انہوں نے موت کے ڈر سے شہر چھوڑ دیا تھا تاکہ موت سے نجات پاسکیں لیکن خدا نے ان سے کہا: مر جاؤ اور پھر انہیں زندہ کیا۔ خدا صاحب فضل ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

جناب عزیر کا وہاں سے گذر ہوا دیکھا کہ شہر ویران ہوگیا ہے اور اس کے باشندے مر چکے ہیں۔

انہیں تعجب ہوا، خدا انہیں جو کہ مر چکے ہیں مدتِ دراز کے بعد کیسے زندہ کرے گا؟

اس کے بعد خدا نے انہیں سو سال کیلئے موت دیدی پھر انہیں زندہ کیا اور مخاطب قرار دیا (اس خطاب سے معلوم ہوتا ہے کہ مخاطب پیغمبرؑ ہے نہ کہ کافر) کہ کتنی دیر پڑے رہے؟

کیونکہ پہلے انہوں نے یہ سوچا کہ نیند آ گئی تھی لیکن بعد میں انہیں بتایا گیا کہ اصل میں تم مر گئے تھے۔ کتنی دیر پڑے رہے؟ عرض کی: ایک دن یا اس سے کم، ارشاد ہوا، سو سال سے مردہ پڑے تھے۔ اپنے

کھانے، پینے کو دیکھو کہ خراب تک نہیں ہوا۔

آیت میں وارد لفظ شراب سے مراد پینے کی چیز ہے، شراب نہیں جیسا کہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وہ انگور کی شراب تھی اور خراب نہیں ہوئی تھی اسے خدا نے اپنی قدرت سے تازہ بنا رکھا تھا۔

اب اپنے گدھے کو دیکھو اور اس کی ہڈیوں کو دیکھو، ہم تمہیں اپنی قدرت کی نشانی قرار دینا چاہتے ہیں، اپنے گدھے کی ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم انہیں کس طرح حرکت میں لاتے ہیں اور ان پر کس طرح گوشت چڑھاتے ہیں۔

جب ان پر یہ بات آشکار ہوگئی تو سمجھ گئے کہ خدا کس طرح مردوں کو زندہ کرے گا لہذا آواز دی:

مجھے معلوم ہے کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

اس ''مجھے معلوم ہے'' سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ معاد پر ان کا ایمان تھا اور جیسا کہ جناب ابراہیمؑ نے عرض کیا تھا۔

﴿لِيَطْمَئِنَّ قَلبي﴾ (۱)

اسی طرح ان کے اطمینان ویقین کے لئے یہ صورت پیش آئی ہے۔

پس یہ آیت بھی معادِ جسمانی وروحانی پر دلالت کرتی ہے۔

اسی طرح خداوند عالم دوسری آیت میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَاِذ قَالَ اِبراهِيمُ رَبِّ اَرِني كَيفَ تُحيي المَوْتَىٰ قَالَ أولَم تُؤْمِن قَالَ بَلىٰ ولكن لِيَطْمَئِنَّ قَلبي قَالَ فَخُذْ أرْبَعَةً مِنَ الطَّيرِ فَصِرْهُنَّ اِلَيکَ ثُمَّ اجْعَل عَلىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِنْهُنَّ جُزْئاً ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأتِينکَ سَعْياً و اعْلَمْ اَنَّ اللّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾(۲)

دے کہ مردوں کو کیسے زندہ کرے گا۔ فرمایا: کیا اس پر ایمان نہیں رکھتے؟ عرض کی: ایمان رکھتا ہوں لیکن چاہتا ہوں کہ میرا دل مطمئن ہوجائے۔ ندا آئی، چار پرندے پکڑ لو۔

(۱) بقرہ: ۲۶۰ (۲) بقرہ ۲۶۰

ایک صحیح روایت میں وارد ہوا ہے کہ وہ پرندے، کبوتر، کوّا، مور اور مرغ تھے۔(۱)

ارشاد ہوا: پھر انہیں پیار سے بلاؤ، اور ذبح کر کے ان کے گوشت کو مخلوط کر دو اور اسے پہاڑ پر رکھ دو اس کے بعد انہیں پکارو!، وہ تمہاری طرف دوڑتے ہوئے آئیں گے۔(۲)

تفسیر میں بیان ہوا ہے کہ سعی کا تعلق پرندوں سے نہیں بلکہ حضرت ابراہیمؑ سے ہے۔(۳)

چنانچہ جناب ابراہیمؑ نے اس کام کی انجام دہی کے بعد پرندوں کو آواز دی وہ آئے اور پہلے جیسے مکمل پرندے ہو گئے، پھر ابراہیمؑ کو خطاب ہوا:

﴿واعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ﴾ جان لو کہ خدا کے کام حکیمانہ ہیں اور وہ ہر چیز پر غالب ہے۔

بنابرایں حضرت ابراہیمؑ علم الیقین کے مرحلہ سے عین الیقین اور حق الیقین کے مرحلہ پر پہنچ گئے۔

معادِ جسمانی وروحانی پر یہ آیت دوسری دلیل ہے کیونکہ پرندے پہلے ہی بدن کے ساتھ زندہ ہوئے تھے۔(۴)

❁❁❁❁❁

---

(۱) تفسی
قمی ج ا ص ۹۱، بحار النوار ج ۷ ص ۴۱، بحوالہ علل الشرائع

(۲) کتاب العین ج ۷ ص ۱۴۹، صور: الصور: الميل، يقال: فلان يصور عنقه الىٰ كذا اى مال بعنقه و وجهه نحوه، و النعت اصور، قال الشاعر:

فقلت لها غضّي فاني الىٰ التي　　　تريدين أن أصبو لها، غير أصور

و قوله تعالىٰ: ﴿فَصُرهُنَّ اِلَيكَ﴾ اي فَشَقِّقْهُنَّ اِلَيكَ، قال: فقال له الرحمن: صرها فإنها تأتيك طوعاً عند دعوتك الشفع۔
و يقال: صرهن اي ضمّهن، و يقال : قطّعهن، قال امية:

فشَــــتّى فصُرْهُنَّ ثُمَّ ادعُهنَّ　　　يــــــأتينَ زُهْراً بدارَ القَطا

(۳) مجمع البیان ج ۲۔ا ص ۳۷۳، و ذكر عن النضر بن شميل قال: سالت الخليل بن احمد عن قوله تعالىٰ: ﴿يأتينك سعياً﴾ هل يقال للطائر اذا طار سعى؟ فقال: لا ،قلت: فما معناه؟ قال: معناه ياتينك و انت تسعى سعيا۔

(۴) مختصر یہ کہ ان آیتوں کی صریح دلالت معادِ جسمانی وروحانی پر ہے اس مطلب پر یہ نص ہے اس میں توجیہ وتامل کی گنجائش نہیں ہے اور چونکہ معاد کا تعلق اعتقاد سے ہے وہ بھی اصول دین سے، اس لئے اسی چیز کا اعتقاد رکھنا چاہئے جس کی قرآن نے تصریح کی ہے اور جس کو خطا قرار نہ دیا ہو۔ خداوند عالم ہمیں، محمدؐ اور ان کی آل اطہارؑ کے تصدیق مین لغزشوں سے محفوظ رکھے۔

# عدالت

# پہلی تقریر

حقیقی واعظ خدا اور رسولؐ اور اہل بیتؑ اطہار ہیں

موعظہ کے اثرات

حقیقی واعظ خدا ہے

رسولؐ اور ائمہ اطہارؑ خدا کی طرف سے واعظ ہیں۔

موعظہ دلوں کو زندگی بخشتا ہے اور زہد ہوس کو نابود کرتا ہے۔

زہد کے اسباب

شبہات کو چھوڑنے والا سب سے زیادہ باورع ہے۔

حضرت علیؑ(۱) نے امام حسنؑ کو جو وصیتیں کی تھیں ان میں سے یہ بھی ہے:

**احیي قَلْبَکَ بالموعِظَةِ و أمِتْهُ بالزهادَةِ. (۲)**

اپنے قلب و روح کو موعظہ کے ذریعہ زندہ کرو اور زہد و پرہیز گاری کے وسیلہ سے اسے مار ڈالو۔

اولاً: یہ جان لینا چاہئے کہ حقیقی واعظ خدائے متعال ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے:

**﴿یا أیُّها النّاسُ قَد جَائَتْکُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّکُمْ وشِفَاءٌ لِمَا في الصُّدُورِ وهُدَیً وَ رَحْمَةٌ للمؤْمِنِینَ﴾(۳)**

اے لوگو! یقیناً تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس ایک موعظہ آیا ہے (یعنی قرآن جو کہ معجزہ ہے) وہ تمہاری تمام روحانی بیماریوں کے لئے شفا اور مومنین کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔

روایات کی رو سے قران جسمانی امراض کے لئے بھی شفا ہے، لیکن اصولی طور پر قرآن تمام اندرونی بیماریوں کے لئے شفا ہے اور یقین رکھنے والوں کے لئے رحمت ہے۔

اصلی و حقیقی واعظ خدا ہے، جس نے قرآن کے ذریعہ پوری دنیا کو موعظہ کیا ہے، خدا کے بعد رسولؐ

(۱) اگر چہ آپ کے مخاطب امام حسنؑ ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کا کلام سارے مسلمانوں کے لئے ایک دستور ہے۔

(۲) نہج البلاغہ مکتوب: ۳۱

(۳) یونس: ۵۷

واعظ ہیں درج ذیل آیت میں ارشاد ہے:

﴿قُلْ اِنَّمَا أَعِظُكُم بِوَاحِدَةٍ أَنْ تَقُومُوا لِلّٰهِ مَثْنَىٰ وفُرَادَىٰ﴾ (۱)

اے رسولؐ! کہہ دیجئے کہ میں تمہیں ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں اور وہ یہ کہ ایک ایک دو، دو کر کے خدا کے لئے، قیام کرو۔

پس رسولؐ اکرم خدا کی طرف سے موعظہ کرنے کا منصب بھی رکھتے ہیں اور آپؐ کے بعد امیر المومنینؑ اور ائمہ اطہار اس منصب کے مالک ہیں اور ان حضرات کے بعد علماء ان مواعظ کو لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں جو آیات وروایات میں نقل ہوئے ہیں۔اسی لئے حضرت علیؑ نے امام حسنؑ سے فرمایا تھا:

احيي قَلْبَكَ بالموعِظَةِ و أمِتْهُ بالزهادة.

اپنے قلب وروح کو موعظہ کے ذریعہ زندہ کرو اور زہد کے وسیلہ سے مار ڈالو۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اپنے دل کو زندہ کرو یعنی چہ؟ اور اپنے دل کو مار ڈالو! یعنی چہ؟

جواب: دل کو زندہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ موعظہ کے ذریعہ اپنے عقلی پہلو کو مضبوط کرو، اور دل کو مار ڈالوں کے معنی یہ ہیں کو اپنے خود پسندی اور نفسانی جذبہ کو کچل ڈالو۔

امام حسنؑ عسکری سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

أرْوَعُ النَّاسِ مَنْ وَقَفَ عِنْدَ الشُّبْهَةِ، أعْبَدُ النَّاسِ مَنْ أقامَ عَلىٰ الفرائِضِ، أزْهَدُ النَّاسِ مَنْ تَرَكَ الحرامَ عِنْدَ الشُّبْهَةِ، أشَدُّ النَّاسِ اجتهاداً مَنْ تَرَكَ الذُّنوبَ. (۲)

پرہیز گارترین انسان وہ ہے کہ جو شبہہ (پیدا ہونے) کے موقعہ پر ٹھہر جائے اور سب سے بڑا عبادت گذار وہ ہے جو اپنے فرائض وواجبات پر عمل کرتا ہے، اور زاہد ترین انسان وہ ہے جو شبہہ

---

(۱) سبا:۴۶

(۲) بحار الانوار ج ۷۸ ص ۳۷۳

کے وقت حرام کا ارتکاب نہیں کرتا ہے (بہت سے ایسے بھی ہیں جو مستحب کاموں کی انجام دہی میں کوشاں رہتے ہیں لیکن واجبات کی فکر نہیں کرتے) اور سب سے زیادہ محنتی وہ ہے جو معصیت سے دور رہتا ہے۔

پرہیز گارترین انسان وہ ہے جو صرف حرام ہی سے اجتناب نہیں کرتا شبہہ والی چیزوں سے بھی دور، رہتا ہے تقوے کے معنی بھی یہی ہیں کہ انسان خود کو تمام معصیتوں سے محفوظ رکھے۔ جو شخص پر خار وادی سے گذرتا ہے وہ نہایت ہی احتیاط سے گذرتا ہے کہ کہیں کانٹا نہ لگ جائے، پرہیز گار و متقی انسان بھی خود کو اسی طرح معاصی سے بچاتا ہے۔

ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا:

حَلالٌ بَيِّنٌ و حَرامٌ بِيِّنٌ وشُبُهاتٌ تَتَرَدَّدُ بَينِ ذَلِكَ فَمَنْ تَرَكَ الشَّبُهَاتِ نَجىٰ مِنَ الْمُحَرَّمَاتِ ومَنْ أخذَ بِالشَّبُهاتِ اِرْتَكَبَ الْمُحَرَّمَاتِ وَ هَلَكَ مِنْ حَيْثُ لا يَعْلَمُ.(۱)

حلال بھی آشکار ہے اور حرام بھی آشکار ہے شبہات ان دونوں کے درمیان ہے پس جو انسان حرام چیزوں کے علاوہ شبہہ والی چیزوں سے بھی پرہیز کرتا ہے وہ حرام کے ارتکاب سے محفوظ رہتا ہے۔ جو شبہات سے محفوظ نہیں رہتا ہے وہ لاشعوری طور پر حرام کا مرتکب ہو جاتا ہے (کیونکہ شبہات کے ارتکاب کے نتیجہ میں وہ اس حساس طبیعت کو گنوا دیتا ہے جو حرام کے وارتکاب سے روکتی ہے)

اسی لئے فرمایا ہے:

پرہیز گارترین انسان وہ شخص ہے جو خود کو شبہات سے محفوظ رکھتا ہے۔

❁❁❁❁❁

(۱) بحار الانوار ج ۲ ص ۲۲۱، ج ۱۰۴ ص ۲۶۲

# دوسری تقریر

مکارمِ اخلاق اور لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی اہمیت

- لوگوں کی حاجت روائی کرنا خدا کی عظیم نعمت ہے
- جب نعمتیں لوگوں کی حاجت روائی کے لئے صرف ہوتی ہیں تو باقی رہتی ہیں
- لوگوں کی حاجت روائی کرنا انہیں علم خدا کی تعلیم دینا ہے۔
- مکارم اخلاق امام حسینؑ کی حدیث کی روشنی میں۔
- رسولؐ کے مکارم اخلاق کے چند نمونے
- امیر المومنینؑ کے مکارم اخلاق کے چند نمونے
- امام حسینؑ کے مکارم اخلاق کے چند نمونے

امام حسینؑ کے نورانی کلمات میں یہ خطبہ بھی ہے:

﴿ایُّها النّاسُ نافِسُوا في المكارِمِ، و سارِعُوا اِلیٰ المَغانِمِ﴾ (١)

اے لوگو! مکارمِ اخلاق کی طرف رغبت کرو اور جو چیزیں (اخلاقی فضائل) کی غنیمت ہیں ان طرف بڑھو۔

واعْلَموا أنَّ حَوائِجَ النّاسِ اِلَيكُمْ مِنْ نِعَمِ اللّهِ عَلَيكُم فَلا تَمِلُّوا النِّعَمَ فَتَحُورَ نِقَماً.

جان لو کہ لوگوں کی تم سے جو حاجتیں ہیں وہ تمہارے لئے خدا کی عظیم ترین نعمتوں میں سے ہیں۔

پس لوگوں کی حاجت روائی کرنے سے نہ تھکنا اور اگر ایسا کرو گے تو نعمت نقمت میں بدل جائے گی۔

امام حسینؑ کے یہ کلمات امیر المومنینؑ کے کلمات جیسے ہیں فرماتے ہیں:

اِنَّ للّهِ عِبَاداً يَخْتَصُّهُم اللّهُ بِالنِّعَمِ لِمَنافِعِ العبادِ، فَيُقِرُّها في أيْديهِم ما

---

(١) بحار الانوار ج ۷۸ ص ۱۲۱ ... ايها النّاس نافسوا في المكارم، و سارعوا الیٰ المغانم ـ ولا تحتسبوا بمعروف لم تعجلوا، و اكسبوا الحمد بالنجح، ولا تكسبوا بالمطل ذماً فمهما يكن لأحد عند أحد صنيعة له رأیٰ أنّه لا يقوم بشكرها فاللّه له بمكافاته فإنّه أجزل عطاءً وأعظم أجراً، واعلموا أن حوائج النّاس اِلَيكم مِن نعم الله عليكم فلا تَمِلّوا النِّعم فتَحُورنِقماً و اعلموا أنّ المعروف مُكسبٌ حمداً و معقِبٌ أجراً فلو رأيتم المعروف رجلاً رأيتموه حسناً جميلاً يسر الناظرين ولو رأيتم اللؤم رأيتموه سمجاً مشوّهاً تنفر منه القلوب، و تغضّ دونه الأبصار ـ أيّها النّاس من جاد سادَ ومَن بَخِل ذَلَّ و اِنَّ أجودَ النّاسِ مَن أعْطیٰ مَنْ لا يرجوه و اَنَّ اعفى النّاس من عفى عن قُدرة واِن أوصل النّاس مَنْ وَصَلَ مَنْ قَطَعَهُ...

بَذَلُوها، فِاذا مَنعُوهَا نَزَعَها مِنْهُم ، ثُمَّ حَوَّلَها اِلیٰ غَیْرِهِم. (۱)

بندوں کی حاجت روائی کے لئے خدا کچھ بندوں کو اپنی نعمتوں سے مخصوص کر لیتا ہے پس یہ اہل نعمت جب تک لوگوں کی حاجتوں کو پورا کرتے رہتے اس وقت تک خدا ان نعمتوں کو ان کے ہاتھوں میں برقرار رکھتا ہے لیکن جب حاجت روائی سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں تو خدا ان نعمتوں کو دوسروں کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔

لوگوں کی حاجتیں مختلف ہوتی ہیں، کبھی وہ مالی مدد سے پوری ہو جاتی ہیں، کبھی قدم اٹھانے سے، کبھی جنبش قلم سے، کبھی زبان اور رہنمائی سے اور کبھی منصب کے استعمال سے پوری ہوتی ہیں۔

کبھی انسان اپنے علم و حکمت سے لوگوں کی مدد کرتا ہے اور ان کی راہنمائی کرتا ہے یہ مدد کی اعلیٰ ترین قسم ہے کیونکہ اس میں لوگوں کا بہت زیادہ فائدہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ صاحبان علم اور دانشوروں کے دوش پر سنگین ذمہ داری ہے انہیں چاہئے کہ جہاں تک ہو سکے لوگوں کی ہدایت میں غفلت نہ کریں۔ جن چیزوں میں لوگوں کی مدد کی جا سکتی ہے ان میں سے مشورہ بھی ہے۔

پھر ہم امام حسینؑ کے کلام کی طرف پلٹتے ہیں:

اَیُّها النّاسُ مَنْ جَادَ سَادَ وَمَنْ بَخِلَ ذَلَّ.

اے لوگو! جان لو کہ جو شخص سخاوت کرتا ہے وہ (قوم کا) سردار بن جاتا ہے اور جو بخل کرتا ہے وہ ذلیل ہو جاتا ہے۔

وَاِنَّ أجوَدَ النّاسِ مَنْ أعطیٰ مَنْ لا یَرْجُوهُ، اِنَّ أعفیٰ النّاسِ مَنْ عَفَیٰ عَن قُدرَة وَ اِنَّ أوصَلَ النَّاسِ مَنْ وَصَلَ مَنْ قَطَعَهُ.

اور دیکھو سب سے بڑا سخی وہ ہے کہ جو امید نہ رکھنے والے کو بھی عطا کرتا ہے اور سب سے زیادہ در گزر کرنے والا وہ ہے کہ جو طاقت و قدرت رکھنے کے باوجود معاف کر دے اور صلہ رحمی میں سب

(۱) نہج البلاغہ حکمت ۴۲۵

سے زیادہ کامیاب وہ شخص ہے جو اس شخص ساتھ بھی صلہ رحمی کرتا ہے۔ جس نے اس سے قطع رحم کیا تھا۔

یقیناً ان صفات کا تعلق مکارم اخلاق سے ہےجیسا کہ ایک روایت میں ان صفات کو مکارم اخلاق ہی سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی اخلاق حسنہ میں یہ صفات درجۂ اوّل پر ہیں کیونکہ یہ انسان کی مردانگی پر دلالت کرتے ہیں اور انہیں صفات سے انسان کی مروت و جوانمردی ظاہر ہوتی ہے۔

واضح رہے کہ یہ صفات رسولؐ اور ائمہ اطہارؑ کے نمایاں صفات ہیں جیسا کہ حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں بیان ہوا ہے۔

لکھا ہے کہ جب رسولؐ نے مکہ کو فتح کیا-- حالانکہ اہل مکہ نے رسولؐ سے جنگ کی تھی آپؐ کے اصحاب کو شہید کیا تھا اور آپؐ سے بہت زیادہ دشمنی رکھتے تھے -- اور سب یہی سوچ رہے تھے کہ دیکھئے رسولؐ ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ اسی وقت رسولؐ کی آواز گونجی۔

مکہ والو! تمہارے خیال میں، میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرونگا؟

انہوں نے کہا:

أَخٌ كريمٌ وابْنُ أَخٍ كريمٍ (۱)

آپؐ ہمارے بڑے، عظیم و کریم بھائی ہیں اور ہمارے کریم و سید و سردار بھائی کے بیٹے ہیں۔

یہ کہنا چاہتے تھے کہ آج بھی ہمیں آپؐ سے نیک سلوک کی توقع ہے۔ رسولؐ نے فرمایا:

اذهبوا فأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ (۲)

میں نے تم سب کو معاف کیا جاؤ تم آزاد ہو۔

ان میں ابوسفیان بھی تھا۔ جو ان کا سرغنہ تھا ساری جنگیں اسی نے بھڑکائی تھیں لیکن رسولؐ نے سخت دشمن کو بھی معاف کر دیا جی ہاں رسولؐ ایسے ہی تھے آپؐ کے بارے میں خداوند عالم فرماتا ہے:

---

(۱) بحار الانوار ج۲۱ ص۱۳۵

(۲) بحار الانوار ج۲۱ ص۱۰۶

اِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیمٌ (۱)

اسی طرح جنگ جمل میں جب حضرت علیؑ نے بصرہ فتح کیا تھا تو آپؑ نے ان لوگوں کو معاف کر دیا تھا جنہوں نے آپؑ سے جنگ کی تھی اور عائشہ کو بھی نہایت احترام کے ساتھ مدینہ روانہ کر دیا تھا۔(۲)

یا جنگ صفین میں، باوجودیکہ پہلے معاویہ کا لشکر صفین پہنچا تھا اور فرات کے گھاٹ پر قبضہ کر کے حضرت علیؑ کی فوج پر پانی بند کر دیا تھا لیکن جب حضرت علیؑ کی فوج صفین پہنچی اور دیکھا کہ معاویہ کا لشکر پانی تک نہیں پہنچنے دیتا، اگر چہ حضرت علیؑ جنگ میں پہل نہیں کرتے تھے مگر چونکہ فوج پیاسی تھی اور فوجیوں کی جان پر بنی ہوئی تھی اس لئے حکم دیا کہ حملہ کرو فوج نے حملہ کر دیا یہاں تک کہ مالک اشترؒ اور دیگر افراد نے گھاٹ پر قبضہ کر لیا (ایک روایت میں یہ ہے کہ آپؑ نے خود گھاٹ چھینا تھا) اور معاویہ کے لشکر کا راستہ بند کر دیا، اس وقت معاویہ کی طرف سے کچھ لوگ آئے اور انہوں نے یہ التماس کی کہ ہمیں بھی پانی سے استفادہ کی اجازت دی جائے۔ آپؑ کے بعض اصحاب نے عرض کی: اے امیر المومنینؑ ان پر پانی کو اسی طرح بند رکھا جائے جس طرح انہوں نے ہم پر بند کیا تھا۔

آپؑ نے فرمایا: میں کسی مخلوق پر پانی بند نہیں کرونگا۔ نیز فرمایا کہ راستہ چھوڑ دو تا کہ معاویہ کا لشکر بھی پانی سے استفادہ کرے۔(۳)

---

(۱) قلم:۴

(۲) الجمل ''شیخ مفید'' ۴۱۵، لمّا عزم أمیر المؤمنینؑ علیٰ المسیر الیٰ الکوفة أنفذ الیٰ عائشة یأمرها بالرحیل اِلیٰ المدینة فتهیّأت لذلك و أنفذ معها أربعین امراة ألبَسَهُنَّ العَمَائِمَ و القَلانِسَ وقَلَّدَهُن السیوف و اَمرهنّ أن یحفظنها و یَکُنَّ عن یمینها و شمالها و مِنْ ورائها فجعلت عائشة تقول فی الطریق: اللّهم افعل بعلي بن ابي طالب بما فعل بي بعث معي الرجال ولم یحفظ بي حرمة رسول اللهؐ فلما قدمن المدینة معها ألقین العمائم والسیوف ودخلن معها فلما رأتهن ندمت على ما فرطت بذم أمیر المؤمنینؑ و سبّه و قالت جزى الله ابن ابي طالب خیراً فلقد حفظ فيّ حُرْمَةَ رسول اللهؐ۔

(۳) ملاحظہ ہو، انساب الاشراف ج۲ص ۲۹۸، الفتوح ص۳و۴ص۱۳، بحار الانوار ج ۳۲ ص ۵۷۲، مناقب ج۲ص ۱۶۷۔ قال

اسی طرح جب امام حسینؑ کوفہ تشریف لے جا رہے تھے اس وقت آپؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ زیادہ سے زیادہ پانی بھرلو اور جب حر کا لشکر پہنچا جو شدید پیاسا تھا تو آپؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: انہیں سیراب کرو۔(۱) لیکن:

از آب هم مضایقه کرندند کوفیان
خوش داشتند حرمت مهمان کربلا
زان تشنه گان هنوز عیوق می رسد
فریاد العطش ز بیابان کربلا
بودند دیو و در همه سیراب و می مکید
خاتم ز قحط آب سلیمان کربلا (۲)

❁❁❁❁❁

(صفحہ قبل کا باقی) أمير المؤمنينؑ: قاتلت الناكثين و هولاء القاسطين و ساقاتل المارقين ـ ثمّ ركب فرس النّبيؐ وقصده في تسعين الفاً۔ قال سعيد بن جبير: منها تسعمأة رجل من الأنصار و ثمانمائة من المهاجرين۔ و قال عبد الرحمن بن ابي ليلى: سبعون رجلاً من أهل بدر۔ و يقال: مائة و ثلاثون رجلاً۔ و خرج معاوية في مائة و عشرين ألفاً يتقدّمهم مروان و قد تقلّد بسيف عثمان فنزل صفين في المحرّم علىٰ شريعة الفرات و قال:

أتاكُمُ الكـاشِرُ عن أنيابهِ　　　لیثُ العَرینِ جاءَ في أصحابهِ

و منعوا علياً و أصحابه الماء فأنفذ عليٌّ شبث بن ربعي الرياحي و صعصعة بن صوحان۔ فقالا: في ذلك لطفاً و (پچھلے صفحہ کا باقی)عنفاً۔ فقالوا: أنتم قتلتم عثمان عطشاً۔ فقالؑ: ارووا السيوف من الدماء ترووا من الماء و الموت في حياتكم مقهورين والحياة في موتكم قاهرين۔

(۱) تاریخ طبری ج ۷ص ۲۹۷، بحار الانوار ج ۴۴ص ۳۷۶، ارشاد ج ۲ص ۷۸، (وجاء القوم زهاء الف فارس مع الحُرّ بن يزيد التميمي حتّى وقف هو و خيله مقابل الحسينؑ في حرّ الظهيرة، والحسينؑ وأصحابه معتمّون متقلّدون أسيافهم فقال الحسينؑ لفتيانه:: اسقوا القوم و ارووهم من الماء و رشفوا الخيل ترشيفاً ففعلوا و أقبلوا يملئون القصاع و الطساس من الماء ثم يدنونها من الفرس فاذا عبّ فيها ثلاثاً أو أربعا أو خمساً عُزلت عنه و سقوا آخر حتّى سقوها كلّها۔ فقال علي بن الطعان المحاربي: كنت مع الحرّ يومئذ فجئت في آخر من جاء من أصحابه فلما راى الحسينؑ ما بي و بفرسي من العطش قال: أنخ الراوية، و الراوية عندي السِّقاء۔ ثم قال: يا ابن اخي أنخ الجمل فانخته۔ فقال: اشرب فجعلتُ كلّما شربت سال الماء من السِّقاء۔ فقال الحسينؑ: اخنث السقاء اي اعطفه فلم ادر كيف افعل فقام فخنثه فشربت و سقيت فرسي)۔

(۲) دیوان محتشم کاشانی۔ اس کا مطلع یہ ہے: کشتی شکست خوردہ ی طوفان کربلا

# تیسری تقریر

**مسجد کے فوائد**

- دینی دوست تلاش کرنا
- اسلام دین اخوت
- جدید علم حاصل کرنا
- رحمت ایزدی کا شامل حال ہونا
- ایسی بات سننا جو ہدایت کرے
- گناہوں کو چھوڑنے میں کامیابی
- خدا کا مسجد کو اپنی طرف منسوب کرنا
- مسجد میں خدا کی زیارت ہوتی ہے یعنی چہ؟
- مسجد میں نمازی کا احترام
- مساجد کی عظمت ورفعت
- مشاہد مشرفہ اور ائمہؑ کے گھر خدا کی رحمت کے مرکز

اختلاف کے معانی آمدورفت بھی ہیں

مسجد جانے کے فوائد

قرآن کا علم حاصل کرنا

مسجد کی عظمت وفضیلت کے بارے میں امام حسنؑ سے ایک حدیث نقل ہوئی ہے فرماتے ہیں:

”مَنْ اَدامَ الِاخْتِلاف الیٰ المسجد اَصابَ اِحدیٰ ثَمان: آیةً مُحْکَمَةً، و اخاً مستفاداً، و عِلْماً مُسْتَطرفاً، و رحمةً منتظرةً، و کلمةً تَدِلُّهُ علیٰ الهُدیٰ او تَرُدُّهُ عَنْ رَدیً، و ترکَ الذنوبَ حَیاءً او خَشْیَةً. (۱)

جوشخص مسلسل مسجد میں آمدورفت رکھتا ہے اسے آٹھ فائدے حاصل ہوتے ہیں:

یہاں لفظ اختلاف کے معنی ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے ہیں اس کی نظیر قرآن کی درج ذیل آیت ہے:

﴿اِنّ فی خَلْقِ السَّمٰواتِ و الأرْضِ واختلافِ اللَّیلِ و النهارِ لآیاتٍ لِأُولی الألْبابِ﴾. (۲)

بیشک زمین وآسمان کی خلقت میں اور رات دن کے آنے جانے میں صاحبان عقل کے لئے خدا کی قدرت وحکمت کی نشانیاں ہیں۔

پس لفظ اختلاف کے معنی آمد و رفت کے ہیں: (۳) اختلاف کے انہیں معنی کی مثال درج ذیل حدیث میں موجود ہے:

---

(۱) تحف العقول، حکم ومواعظ امام حسن مجتبیٰ/ ۲۳۵

(۲) آل عمران ۱۹۰

(۳) البتہ اس آیت میں اختلاف کے دوسرے معنی نور وظلمات کا اختلاف بھی مراد ہیں۔

اختلافُ اُمّتي رحمةٌ(۱)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ امّت کا اتفاق رحمت ہے نہ کہ اس کا اختلاف، امّت کا اختلاف اس کے لئے کیسے رحمت ہوسکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں اختلاف کے معنی آمد و رفت کے ہیں یعنی امّت کے افراد کا ایک دوسرے کی ملاقات کے لئے آنا جانا رحمت ہے۔

## مسجد جانے کے فوائد

۱. آیةً مُحْکمةً

اولین فائدہ: مسجد میں جن اعمال کے بجالانے کی تاکید کی گئی ہے ان میں سے ایک قرآن کی تلاوت کرنا اور اس کی آیتوں کی تفسیر اور اس کے علوم و معارف کو یاد کرنا ہے کہ اس کی مشق سے انسان توحید و نبوت اور دینی و قرآنی معارف کی دلیل سے آشنا ہوتا ہے ان میں سب سے زیادہ محکم دلیل خدا کی معرفت کی علامتیں ہیں:

۲. و أخاً مُستفاداً

مسجد جانے کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ انسان کو وہاں ایسے دینی بھائی مل سکتے ہیں جو اسے فائدہ پہنچا سکتے ہیں کیونکہ مسجد اخوت و برادری کی جگہ ہے اور مسجد جانے سے لوگوں کے درمیان محبت و اخوت کا رشتہ مضبوط ہوتا ہے صدر اسلام میں رسولؐ نے مسلمانوں کو مسجد ہی میں ایک دوسرے کا بھائی بنایا تھا۔ یہیں امیر المومنینؑ کو اپنا بھائی قرار دیا تھا اور فرمایا تھا:

أنتَ أخي في الدّنيا و الآخرة (۲)

---

(۱) بحار الانوار ج ۱ ص ۱۹

(۲) بحار الانوار ج ۳۸ ص ۳۳۲

اے علیؑ تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو۔

اس اور دوسری نصوص سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ رسولؐ کے بھائی، وصی اور جانشین ہیں۔

دین اسلام، برادری، اخوت، محبت، دوستی، وحدت و یگانگی، صلاح وصداقت کا دین ہے مختصر یہ کہ خدا پرستی کا دین ہے۔قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿انّما المؤمنونَ اِخْوَةٌ﴾(۱)

مومنین بس بھائی ہیں۔

احکام ودستورات پر عمل کرنے کے اہم ترین فوائد میں سے، اخوت و برادری، محبت و وحدت اور یگانگی پیدا کرنا ہے اسلام کے احکام میں اس پر خاص توجہ دی گئی ہے، ہم یہاں دو نمونے پیش کرتے ہیں:

## الف۔شریعت کے بعض احکام اور فروع دین میں اخوت

مسجد میں جانے سے اخوت و دوستی میں استحکام پیدا ہوتا ہے، نماز جمعہ، نماز عیدین اور عبادت وطواف کے لئے مسلمانوں کے مکہ معظّمہ میں جمع ہونے سے، دوستی و یگانگی اور وحدت کا رشتہ مضبوط ہوتا ہے اور اس کے پیش نظر اسلام دشمن طاقتیں کسی بھی طرح مسلمانوں پر تسلط پانے کی کوشش نہیں کریں گی۔

## ب۔اخوت کا پاس ولحاظ، اخلاقی حکم ہے

اخلاقیات میں بھی اسی طرح بیان ہوا ہے اور ہم اس اجتماعی امر یعنی وحدت واخوت کی رعایت کو شریعت اسلام کی رو سے بھی اسی طرح پاتے ہیں مثلاً سچ بولنا بھی پسندیدہ اخلاق میں سے ہے اس سے محبت ودوستی پیدا ہوتی ہے اور سچ بولنے کے نتیجہ میں مسلمان ایک دوسرے پر بھروسہ کرتے ہیں اور اس بھروسہ و اطمینان کے نتیجہ میں ان کے درمیان محبت و دوستی اور الفت واتحاد پیدا ہوتا ہے۔

---

(۱) حجرات ۱۰

ایک روایت میں بیان ہوا ہے:

الْمُسْلِمُ أخُو الْمُسلِمِ لایظلِمُهُ و لا یَسْلِمُهُ (أو لا یَشْتِمُهُ). (۱)(۲)

مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے وہ اس پر ظلم نہیں کرتا ہے اور نہ اسے چھوڑتا ہے اور اسے برا نہیں کہتا ہے۔(۳)

تمام اخلاقیات میں ایسا ہی ہے اخلاقی مسائل کا پاس ولحاظ اخوت و برادری کے استحکام کا باعث ہوتا ہے اس کے برخلاف اخلاقیات کی رعایت نہ کرنے سے ناکامی و بدبختی وجود میں آتی ہے مثلاً سخن چینی سے لوگوں کے درمیان جدائی ہوتی ہے۔

ایک دوسری روایت میں وارد ہوا ہے:

الْمُسْلِمُونَ یَدٌ علیٰ مَنْ سِواهُمْ.(۴)

غیر کے مقابلہ میں مسلمان متحد ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اخلاقیات اور اسلامی احکام میں، جو کہ اسلام کے عملی دستورات ہیں، اخوت، محبت، اور اتحاد و یگانگی کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے ان اخلاقی و عملی احکام پر عمل کرنے سے مسلمانوں کے درمیان اخوت و

---

(۱) عوالی اللئالی۔ قال رسولؐ: المسلم أخو المسلم لا یظلمه و لا یسلمه و من کان في حاجة أخیه کان الله في حاجته و من فرّج عن مسلمٍ کُربةً فرّج الله عنه کربةً مِنْ کُرَبِ یَومِ القیامة و مَنْ سَرَّ "سَتَر" مسلماً سَرَّهُ "سَتَرَه" اللهُ یومَ القیامة۔

(۲) یہ روایت دوسرے مفہوم ومضامین کے ساتھ بھی وارد ہوئی ہے، ملاحظہ ہو: کافی ج ۲ص ۱۶۶ و ۱۶۷ و ۱۷۴ ج ۴ص ۵۰ وسائل الشیعۃ ج ۱۲ص ۲۰۳ص ۲۰۴ وص ۲۷۹ ج ۱۶ص ۳۸۵۔

(۳) بعض نسخوں میں لایشتمہ بھی لکھا ہے، ملاحظہ ہو مستدرک الوسائل ج ۱۲ص ۴۱۴ عن ابراهیم عن سالم عن أبیه أنّ رسول الله قال: المسلم أخو المسلم لا یظلمه و لا یشتمه، من کان فی حاجة اخیه کان الله فی حاجته و من فرّج عن مسلم کربة فرّج الله عنه بها کربةً من کُرَبِ القیامة و مَنْ سَرَّ مسلماً سرّه الله یوم القیامة۔

(۴) امالی صدوق ج ۱ص ۲۶۹، بحار الانوار ج ۱۰۰ص ۳۲ اس روایت کا متن یہ ہے: عن النبيؐ انه قال: ایّما حِلفٌ کان في الجاهلیة فإنّ الاسلام لم یردّه ولا حِلفٌ في الاسلام، المسلمون یدٌ علیٰ مَن سواهم یجیر علیهم ادناهم، ویردّ علیهم أقصاهم، تر دسر ایاهم علیٰ قعدهم، لایقتل مؤمن بکافر، ودیة الکافر نصف دیة المؤمن، ولا جلب ولا جنب ولا تؤخذ صدقاتهم إلّا في دورهم، قال رسول اللهؐ هذا الحدیث في یوم الجمعة قال: یا ایّها الناس...

برادری کا رشتہ محکم ہوتا ہے، مسجد میں آنا جانا بھی اسلام کے عملی دستورات میں سے ہے اس سے ان کی اخوت و برادری کا رشتہ مضبوط ہوتا ہے۔

۳. و علماً مُستَطرفاً

مسجد علم و دانش کا منبع اور علوم و معارف کی نشر و اشاعت کا مرکز ہے، مسجد میں انسان کو نئی نئی معلوم ہوتی ہیں۔ رسولؐ اور امیر المومنینؑ نے مسجد ہی میں خطبات دیئے ہیں۔

۴. ورحمةً منتَظَرةً

مسجد کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جو مسجد میں داخل ہوتا ہے۔ اس پر خدا رحم کرتا ہے۔

۵. کلمةً تدلُّهُ علیٰ الهُدی أو تَرُدُّه عن رَدَیٰ

مسجد وعظ و نصیحت کی جگہ ہے مسجد میں انسان جو بات سنتا ہے ان کے سننے سے اکثر اس کی ہدایت میں اضافہ ہوتا ہے یا وہ معصیت سے دور ہوتا ہے۔

۶. و ترک الذنوب خشیة او حیاءً

مسجد کا ایک فائدہ یہ ہے کہ انسان ترکِ معصیت میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اور ترکِ معصیت ممکن ہے خواہ خوفِ خدا سے ہو یا لوگوں کی شرم و حیا سے ہو، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر معصیت کرے گا تو لوگ اسے ملامت کریں گے اور کہیں گے کہ اگر تم مسجد میں جاتے ہو تو معصیت کیوں کرتے ہو۔

مسجد کی بہت سی فضیلتیں ہیں، مسجد خدا کا گھر ہے اور چونکہ وہ عبادت گاہ ہے لہذا اسے خدا نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ فرماتا ہے: مسجد میرا گھر ہے۔ ورنہ خدا جسم نہیں رکھتا ہے کہ مکان کی ضرورت ہو، اسی طرح اہم ترین عبادت گاہ خانۂ کعبہ کو بھی اپنی طرف منسوب کیا ہے اور فرمایا ہے:

﴿وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَاتُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ﴾(۱)

---

(۱) حج: ۲۶

اے رسولؐ! اس وقت کو یاد کیجئے کہ جب ہم نے کعبہ کی جگہ کو ابراہیمؑ کے لئے معین کیا اور انہیں یہ حکم دیا کہ اس گھر کو بناؤ سنوارو اور میرے ساتھ کسی کو شریک قرار نہ دو اور میرے گھر کا طواف کرنے والوں، نماز گذاروں اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لئے، پاک کردو۔

اسی طرح حضرت سید الشہداء امام حسینؑ کے خون کی نسبت اپنی طرف دیتا ہے۔ امام حسینؑ کی زیارت میں پڑھتے ہیں:

السّلامُ عَلَیْکَ یا ثَارَاللّه و ابنَ ثَارِهِ. (۱)

یا انسان کی روح کی نسبت اپنی طرف دیتا ہے اور فرماتا ہے:

﴿و نُفِخْتُ فیهِ مِنْ رُوحِي﴾. (۲)

اور اس میں اپنی روح پھونک دوں۔

یا حضرت صالحؑ کی اونٹنی جو بجائے خود ایک عظیم معجزہ ہے (کہ پہاڑ کے اندر سے ایسی مخلوق نکل آئے) یہ معمولی بات نہیں ہے، اسے بھی خدا نے اپنی طرف نسبت دی ہے۔ فرماتا ہے:

﴿ناقَةَ اللّهِ و سُقْیَاها﴾ (۳)

اللہ کی اونٹنی کے بارے میں ڈرو! اور اسے پانی پلاؤ۔

پس خدا مسجد کو اس فضیلت کی بنا پر اپنی طرف منسوب کرتا ہے جو کہ اس کو عبادت کے سبب حاصل ہوتی ہے اور اسی بنا پر اسے اپنا گھر قرار دیتا ہے۔

روایت میں وارد ہوا ہے:

---

(۱) کافی ج۴ص ۵۷۵، اقبال ص ۳۳۳،ص ۱۲، کامل الزیارات ص ۱۷۴، ۱۹۷ و ۲۳۳، مصباح کفعمی ص ۴۸۲ و ۴۹۱ و ۵۰۱، مصباح المتہجد ص ۷۱۹ و ۷۷۴

(۲) ص: ۷۲

(۳) شمس: ۲۳

اِنّ بیتي في الأرضِ المَساجِدَ و اِنَّ زُوّاري فيها عُمّارُها (۱)

مساجد روئے زمین پر میرے گھر ہیں اور میری زیارت کرنے والے وہ لوگ ہیں جو اپنی عبادتوں سے مسجدوں کو آباد کرتے ہیں۔ (مسجد کو آباد کرنے کا ایک طریقہ ان میں عبادت کرنا ہے)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا خدا دکھائی دینے والی چیز ہے کہ جس کی زیارت کے لئے لوگ مسجد میں جاتے ہیں؟

جواب: نہیں! خدا دکھائی دینے والی چیز نہیں ہے لیکن جو لوگ مسجد جاتے ہیں اور مسجدوں سے انس رکھتے ہیں وہ خدا کو دیکھتے ہیں! ظاہری آنکھوں سے نہیں بلکہ دل کی آنکھوں سے اس کی ذات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

چشم دل باز کن کہ جان بینی
آن چہ نا دیدنی است ان بینی
گر بہ اقلیم عشق رو آری
ہمہ آفاق گلستان بینی (۲)

دل کی آنکھیں کھولو تا کہ حقیقت کا مشاہدہ کر سکو جو چیز دکھائی دینے والی نہیں ہے اسے دیکھ سکو اگر تم اقلیم عشق کی طرف رخ کرو گے تو سارے آفاق کو گلستان پاؤ گے۔

فطوبیٰ لِعَبْدٍ تَطَهَّر في بَيْتِه ثم زارني في بيتي. (۳)

خوش نصیب ہے وہ بندہ جو اپنے گھر کو ہر جہت سے پاک و صاف رکھتا ہے اور پھر میری ملاقات و زیارت کے لئے مسجد آتا ہے۔

---

(۱) تفسیر منہج الصادقین ج ۴ ص ۲۳۰، عوالی اللئالی ج ۲ ص ۱۶۸، بحار الانوار ج ۸۴ ص ۶ امام جعفر صادقؑ کے قول سے کچھ فرق کے ساتھ بحار الانوار ج ۸۴ ص ۱۴، عوالی اللئالی ج ۳ ص ۳۱ قول رسولؐ سے کچھ تفاوت کے ساتھ۔

(۲) دیوان ہاتف اصفہانی ہفت بند راجع بہ بند توحید۔

(۳) تفسیر منہج الصادقین ج ۴ ص ۲۳۰، عوالی اللئالی ج ۲ ص ۱۶۸، بحار الانوار ج ۸۴ ص ۶، بحار الانوار ج ۸۴ ص ۱۴، عوالی اللئالی ج ۷ ص ۳۱

و حَقَّ عَلیٰ المَزُورِ أنْ یُکْرِمَ زَائِرَہُ (۱)

اورزیارت شدہ (خدا) پر یہ حق ہے کہ وہ اپنی زیارت (مسجد میں عبادت) کرنے والے کا احترام کرے۔

دوسری حدیث میں مروی ہے۔

الْمَساجِدُ بُیوتُ اللّٰہِ في الأرْضِ وهي تُضيءُ لأهلِ السّماءِ كما تُضِيءُ النجومُ لأهلِ الأرض. (۱)

روئے زمین پر مسجدیں خدا کے گھر ہیں وہ آسمان والوں کو ایسے ہی درخشاں نظر آتی ہیں جیسے زمین والوں ک ستارے درخشاں نظر آتے ہیں۔

پس جو مقامات بڑی عظمت کے حامل ہیں ان میں سے مسجدیں بھی ہیں قرآن مجید میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

﴿فِی بُیُوتٍ أَذِنَ اللہُ أَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیهَا اسْمُهُ یُسَبِّحُ لَهُ فِیهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ، رِجَالٌ لاتُلْهِیهِمْ تِجَارَةٌ وَلابَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللہِ وَإِقَامِ الصَّلاَةِ وَإِیتَاءِ الزَّکَاةِ یَخَافُونَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ﴾(۲)

جن گھروں کے بارے میں خدا نے یہ حکم دیا ہے کہ ان کی عظمت ورفعت کا اعتراف کیا جائے تفسیر کی رو سے ان میں سے ایک مسجد بھی ہے مساجد کے بارے میں فرماتا ہے: ان مسجدوں میں ایسے لوگ ہیں جو صبح وشام خدا کی تسبیح وتقدیس کرتے ہیں۔ انہیں بلند مرتبہ گھروں میں سے رسولؐ اور ائمہ اطہارؑ کے گھر بھی ہیں، رسولؐ، علیؑ اور فاطمہ زہراؑ کے مقدس گھروں سے علم وحکمت کے سوتے پھوٹتے ہیں۔

---

(۱) سابقہ حوالہ

(۱) بحار الانوار ج ۲۳ ص ۳۲۷ و ج ۸۴ ص ۱۴ معمولی فرق کے ساتھ۔

(۲) نور: ۳۶ و ۳۷

انہیں باعظمت گھروں میں سے رسولؐ اور ائمہ معصومینؑ کے مزار ہیں۔ ان مقامات کی عظمت و رفعت کے پیش نظر خدا نے یہ حکم دیا ہے کہ ہمیشہ ان کی تعظیم کی جائے۔(۱)

❁❁❁❁❁

---

(۱) مومنین کے دلوں کو خوش کرنے کے لئے ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے ایک شخص مذکورہ آیت کو اس طرح فی بیوت کو فی بیوت پڑھتا تھا اس سے لوگوں نے کہا: فی بیوتٍ کو کسر کے ساتھ پڑھا کرو، اس نے کہا: خدا نے خود حکم دیا ہے کہ رفع کے ساتھ پڑھا کر چنانچہ فرماتا ہے ان تُرفَعَ ظاہر ہے کہ اس نے رفعت کو رفع سمجھ لیا تھا جو کہ غلط تھا۔

# چوتھی تقریر

طہارت و وضو خدا کے تقرّب کا، عذاب سے امان کا، اور انسان کی انانیت کو نابود کرنے کا باعث ہے۔

بارگاہ ایزدی میں تقرّب کے اسباب
پاکیزگی کے درجات
لباس اور بدن کی طہارت
گناہوں سے پاک ہونا
پست اخلاق سے پاک ہونا
غیر خدا سے دل کو پاک رکھنا
وضو کی دعائیں
امیر المومنینؑ ہی صراط مستقیم ہیں
سلام کرنے کی اہمیت
کچھ گناہوں کا کفارہ ہے کچھ کا نہیں

قال رسو ل اللهؐ:

ثلاثٌ درجاتٌ وثلاثٌ کفّاراتٌ وثَلاثٌ مُهْلِکاتٌ وثَلاثٌ مُنْجِیاتٌ، وأمّا الدَّرَجاتُ: فاِسْباغُ الوضوءِ في السَّبَراتِ، وانتظارُ الصَّلاةِ بَعْدَ الصَّلاةِ، و المشيُ باللیلِ و النهارِ اِلیٰ الجماعاتِ و أمّا الکفّاراتِ: فاِفشاءُ السَّلامِ، و اِطعامُ الطَّعامِ، و التهَجُّدُ باللیلِ، و النّاسُ نیامٌ و أمّا المُهْلِکاتُ: فشُحٌّ مطاعٌ، وهویً مُتَّبَعٌ، و اِعجابُ المَرءِ بنفسِهِ و أمّا المُنْجِیاتُ: فَخَوفُ اللّٰهِ في السرِّ و العَلانیة، و القصدُ في الغِنیٰ و الْفَقْرِ، و کلمةُ العدلِ في الرضا و السُّخط. (۱)

تین چیزیں انسان کے مرتبہ کو بلند کرتی ہیں اور خدا کے تقرّب کا باعث ہوتی ہیں۔

۱۔مکمل طریقہ سے وضو کرنا (خصوصاً سردی کے زمانہ میں)۔

مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنے لباس، بدن، گھر اور فرش وغیرہ کو پاک صاف رکھے بلکہ اپنی ہر چیز کو پاک رکھے۔ارشاد ہے:

بُنِیَ الاِسْلامُ عَلیٰ النَّظافةِ.(۲)

---

(۱) خصال صدوقؒ باب منش ھای سہ گانہ متن: ص۲۲۶، بحار الانوار ج۷۰ ص۶

(۲) کنز العمال ص۲۷۷، تنظّفوا لکلّ ما استطتعتم فاِنّ الله تعالیٰ بنیٰ الاسلام علیٰ النظافة و لن یدخل الجنّة الّا کلُّ نظیف۔

اسلام کی بنیاد طہارت و پاکیزگی پر رکھی گئی ہے۔

نیز فرماتا ہے:

**النظافةُ مِنَ الایمانِ. (۱)**

پاکیزگی ایمان کا جز ہے (یا طہارت و پاکیزگی کا تعلق ایمان سے ہے۔

طہارت و پاکیزگی کے بھی درجات ہیں:

طہارت و پاکیزگی کا درجۂ اول یہ ہے کہ انسان کا بدن، اس کا لباس اور اس سے مربوط چیزیں پاک ہوں طہارت و پاکیزگی کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ انسان تمام معصیتوں سے پاک ہو۔

طہارت و پاکیزگی کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ انسان اپنی روح اور اپنے دل کو برے اخلاق اور پست صفات سے پاک کرے اور ہمہ تن و ہمہ وقت خدا کی طرف متوجہ رہے بس اسی سے لو لگائے البتہ رسولؐ، ائمہؑ اور مومنین محبت کی اصل خدا ہی کی محبت ہے یہ غیرِ خدا کی محبت سے دل کو پاک کرنے کے منافی نہیں ہے۔

طہارت و پاکیزگی کا چوتھا درجہ یہ ہے کہ انسان اپنے صفحۂ وجود کو غیرِ خدا کی محبت و تعلق سے پاک کرے اور اس کے دل میں خدا کی محبت کے علاوہ کسی اور کی محبت نہ ہو۔

یہ ہیں طہارت کے درجات۔

جو انسان خدا سے یہ دعا کرتا ہے کہ مجھے ہر لحاظ سے ہر جہت سے پاک کر دے اسے اس کے لئے آمادگی بھی کرنا چاہئے خود کو تمام آلائشوں سے پاک کرے اور اپنے لئے پاکیزگی کے تمام درجات کو فراہم کرے، اسی لئے مستحب ہے کہ وضو سے پہلے تین مرتبہ کلی کرے اور کلی کرتے وقت یہ دعا پڑھے:

**اَللّٰهُمَّ لَقِّنِي حُجَّتي يومَ اَلقاکَ وأطْلِقْ لِساني بِذِكْرِكَ (۲)**

(۱) بحار الانوار ج ۶۲ ص ۲۹۱، قال رسول اللهؐ: تخلّلوا فانه من النظافة و النظآفة من الایمان و الایمان مع صاحبه فی الجنة۔

(۲) تہذیب الاحکام ج ۱ ص ۵۳ عن ابی عبد الله (ع) قال: بینا امیر المومنینؑ ذات یوم جالس مع ابن الحنفیّة اذ قال له: یا محمد! اتینی بإناء من ماء اتوضأ للصلاة۔ فأتاه مُحمّد بالماء فأكفاء بیده الیسری علیٰ یده الیمنیٰ۔ ثم قال: بسم الله و الحمد لله الّذي جعل الماء طهوراً و لم يجعله نجساً۔ قال: ثم استنجی فقال: اللهم حصّن فرجي و أعفه و استر عورتي و حرّمني علی

اے اللہ! جس روز میں تجھ سے ملاقات کروں اس دن مجھے اپنی حجت کی تلقین کرنا اور میری زبان کو اپنے ذکر میں گویا کرنا تا کہ میں ہمہ وقت تیرے ذکر میں مشغول رہوں۔

اور چونکہ اصل ذکر، قلبی ذکر ہے لہٰذا جب انسان ہر وقت خدا کی طرف متوجہ رہے گا اور اپنے دل میں اسے یاد رکھے گا تو کبھی بھی اس کی نافرمانی نہیں کرے گا۔

اور ناک میں پانی ڈالے تو یہ پڑھے:

**اللهم لا تحرّم عليّ ريح الجنّة و اجعلني ممن يشمّ ريحها و روحها و طيبها".**

اے اللہ! مجھے جنت کی بو سے محروم نہ کرنا، مجھے ان لوگوں میں قرار دینا جو جنت کی خوشبو سونگھتے ہیں۔(۱)

اور چہرہ دھوتے وقت بارگاہ پروردگار میں اس طرح عرض کرے:

**اللهم بيّضْ وجهي يومَ تِسودُّ فيه الوجوه ولا تسوّد وجهي يومَ تبيضُّ فيه الوجوه.**

(پچھلے صفحہ کا باقی) النار۔ قال: ثم تمضمض فقال: اللهم لقّني حجّتي يومَ ألقاك وأطلق لساني بذكرك۔ ثم استنشق فقال: اللهم لا تحرّم عليَّ ريحَ الجنّة و اجعلني ممّن يشمُّ ريحها و روحها و طيبها۔ قال: ثم غسل وجهه فقال: اللهمّ بيّض وجهي يوم تسودّ فيه الوجوه ولا تسوّد وجهي يوم تبيضّ فيه الوجوه ۔ ثمّ غسل يده اليمنى فقال: اللهمّ أعطني كتابي بيميني و الخلد في الجنان بيساري و حاسبني حساباً يسيراً۔ ثم غسل يده اليسرىٰ فقال: اللهم لا تعطني كتابي بشمالي ولا تجعلها مغلولة الىٰ عنقي واعوذ بك من مقطعات النيران۔ ثمّ مسح رأسه فقال: اللهمّ غشّني برحمتك و بركاتك۔ ثمّ مسحَ رجليه فقال: اللهمّ ثبتني علىٰ الصّراط يوم تزلّ فيه الأقدام و اجعل سعيي فيما يرضيك عني ثم رفع رأسه فنظر الىٰ محمّد فقال: يا محمّد! من توضأ مثل وضوئي و قال مثل قولي فخلق الله له مِنْ كُلّ قطرةٍ مَلَكاً يقدّسه و يسبّحه و يكبّره فيكتب اللهُ له ثواب ذلك الىٰ يوم القيامة۔

(۱) کتاب مثنوی میں تحریر ہے کہ ایک شخص نے دور سے سنا کہ کوئی شخص استنجا کے وقت یہ دعا پڑھ رہا ہے، اللهم لا تحرِّم عليَّ ريحَ الجنّة و اجعلني ممّن يشمّ ريحها و روحها و طيبها:

| | |
|---|---|
| آن یکی در وقت استنجا بگفت | که مرا با بوی جنت دار جفت |
| گفت شخصی خوب ورد آورده ای | لیك سوراخ دعا گم کرده ای |

سننے والے نے دعا پڑھنے والے سے کہا: یہ دعا بہت اچھی ہے لیکن اس موقعہ پر نہیں پڑھنی چاہئے بلکہ ناک میں پانی ڈالتے وقت پڑھنی چاہئے۔ مثنوی معنوی دفتر چہارم۔

اے اللہ میرے چہرہ کو اس روز نورانی قرار دینا جس دن چہرے سیاہ ہو جائیں گے اور مجھے اس روز روسیاہ نہ کرنا جس دن چہرے نورانی ہونگے۔

یہ صحیح ہے کہ انسان اس مادی بدن کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوگا، لیکن خدا سے روح کا ارتباط ہوگا اس لئے انسان کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ اس کی روح ہر وقت خدا کی طرف متوجہ رہے اور اللہ کے علاوہ کسی سے ربط نہ رکھے، تاکہ خدا سے اس کا ارتباط ہو سکے۔ غیر خدا سے روح کا پاک وصافت ہونا طہارت و پاکیزگی بلندترین درجہ ہے۔

دایاں ہاتھ دھوتے وقت یہ دعا پڑھے:

اللهُمَّ أعطني كتابي بيميني و الخُلْدَ في الجِنانِ بيساري و حاسِبْني حساباً يسيراً.

اے اللہ! میرا نامہ اعمال میرے دائیں ہاتھ میں دینا اور بہشت میں دائمی اقامت کا حکم نامہ میرے بائیں ہاتھ میں دینا اور مجھ سے آسان حساب لینا۔

بایاں ہاتھ دھوتے وقت یہ دعا پڑھے:

اللهُمَّ لا تُعْطِني كتابي بشمالي و لا تَجْعَلْها مَغْلُولَةً الىٰ عنقي وأعوذُ بِکَ مِنْ مُقَطِّعاتِ النيرانِ.

اے اللہ! میرا نامہ عمل میرے بائیں ہاتھ میں نہ دینا اور اسے میری گردن میں نہ لٹکانا میں جہنم کی آگ کے ایک شعلہ سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں۔

ایک حدیث میں رسول اکرمؐ سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

يَحْشُرُ اللّٰهُ اُمّتي يَومَ القيامةِ بينَ الأُمَم غُرّاً مُحجَّلِينَ مِنْ آثارِ الوضو. (۱)

میری امت کو خدا اس حال میں محشور کرے گا کہ وضو کی وجہ سے ان کے چہرے ہاتھ پاؤں چمک رہے ہوں گے۔

---

(۱) مستدرک الوسائل ج ۱ ص ۳۲۳، بحار الانوار ج ۸۰ ص ۲۳۷، دعائم الاسلام ج ۱ ص ۱۰۰۔

سر کا مسح کرتے وقت یہ دعا پڑھے:

اللهُمَّ غَشِّني برحمتكَ و بركاتكَ.

اے اللہ! مجھے اپنی رحمت اور بخشوں میں چھپالے۔

اور دائیں بائیں پیر کا مسح کرے وقت یہ دعا پڑھے:

اللهُمَّ ثَبِّتْني عَلىٰ الصراطِ يومَ تَزِلُّ فيهِ الأقدام واجعل سعيي فيما يُرْضيكَ عنّي.

اے اللہ! مجھے اس دصصن صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھنا جس دن اس سے بہت سے قدم پھسل جائیں گے۔اور میری کوشش اس چیز میں قرار دے جو تجھے پسند ہے۔

انسان کو چاہئے کہ اس دنیا میں صراط مستقیم پر چلے تا کہ قیامت میں آرام کے ساتھ پل صراط سے گذر سکے حقیقت تو یہ ہے کہ اس کی یہی کیفیت قیامت کے دن مجسم ہو جائیگی۔

اے کہ در دنیا نرفتی بر صراط مستقیم
در قیامت بر صراطت تشو بشست و بیم
قلب روی اندوده نستناند در بازار حشر
خالصی باید که بیرون آید از آتش سلیم
نفس پروردن خلاف رای دانایان بود
طفل، خرما دوست دارد صبر فرماید حکیم۔(۱)

اے شخص تو دنیا میں صراط مستقیم پر چلا نہیں، ظاہر ہے قیامت تیرا راستہ تشویش وخوف سے خالی نہیں ہے۔

بازار حشر میں دو غلے دل کا کوئی خریدار نہیں ہے جہنم سے وہی بچ سکتا ہے جو مخلص ہے۔

(۱) کلیات سعدی مواعظ ۱۰۱۹

نفس کی پرورش کرنا علماء کی رائے کے خلاف ہے، بچہ خرمہ کو پسند کرتا ہے لیکن صاحب علم صبر کرتا ہے۔

جن لوگوں نے سیدھا راستہ اختیار کیا ہے اور دین کے حکم کے مطابق عمل کیا ہے اور افراط وتفریط سے پرہیز کیا ہے اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی شخص کی دونوں مٹھیوں میں آگ ہو۔ کہا جاتا ہے:

صراط بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے جسے تاریکی میں قرار دیا گیا ہے۔(۱)

یعنی وہاں لوگوں کی مختلف قسمیں ہونگی اگر دنیا میں وہ صحیح طریقہ سے گذرے ہونگے تو وہ صراط مستقیم کو ایک سوار کی مانند طے کرینگے (یا وہ صراط مستقیم پر ایک سوار کی مانند رہیں گے)۔(۲)

البتہ اس صراط کی حقیقت امیر المومنینؑ ہیں۔(۳)

کیونکہ صراط مستقیم آپؑ کا ہی راستہ ہے اسی لئے حضرت علیؑ کے نقش قدم پر چلنا چاہئے۔

۲۔ بعد والی نماز کا انتظار کرنا۔

یعنی جب انسان ایک نماز ختم کر چکے تو اسے دوسری نماز کا انتظار کرنا چاہئے بالکل اس میزبان کی طرح کہ جس نے اپنے کسی عزیز کی دعوت کی ہو اور اس کے آنے کا انتظار کرتا ہے۔

۳۔ رات دن کی نمازوں کو جماعت سے پڑھنا چاہئے۔

درج ذیل تین چیزیں گناہوں کا کفارہ ہوتی ہیں:

---

(۱) بحار الانوار ج ۸ ص ۶۴، تفسیر قمی ج ۱ ص ۲۹، روضۃ الواعظین ج ۲ ص ۴۹۹ عن ابی بصیر عن ابی عبد الله الصادقؑ قال... و الصراط أدقُّ مِنَ الشَّعْرِ و مِنْ حَدِّ السیف...

(۲) حوالہ سابق

(۳) کافی ج ۱ ص ۴۱۶، بحار الانوار ج ۸ ص ۶۶ ج ۹ ص ۱۹۷، ج ۲۳ ص ۲۱۱ امالی صدوق ص ۳۰۶، امالی طوسی ص ۴۳، وص ۴۵۶، بصائر الدرجات ص ۷۱، ۹۷، تفسیر امام حسن عسکری ص ۴۳، تفسیر عیاشی ج ۱ ص ۲۴، وص ۲۸۵ و ج ۲ ص ۹ تفسیر قمی ج ۱ ص ۲۸ و ج ۲ ص ۶۶، ص ۲۸۰ و ۲۸۶، (مراجعت شود بہ ص ۴۱۴ اصل کتاب)

## الف: سلام کی ترویج کرنا

انسان کو ایسا طریقہ اور ایسا کردار اپنانا چاہئے جس سے لوگوں کے درمیان سلام کرنے کی رسم پیدا ہو جائے شریعتِ اسلامیہ میں سلام ملت اسلامیہ کا تحفہ ہے اس سے محبت و یگانگی ایسے مثبت آثار پیدا ہوتے ہیں۔

بعض لوگوں نے کہا ہے: سلام خدا سے اس شخص کی سلامتی کی دعا ہے جس کو سلام کیا جاتا ہے۔ لیکن سلام کے بہترین معنی یہ ہیں مدمقابل کو اس بات کا اطمینان دلانا کہ آپ میری طرف سے امان میں ہیں۔ اور سلام سے یہی مراد ہوتی ہے۔

السَّلامُ تَحيّةٌ لِمِلَّتِنا و أمانٌ لِذِمَّتِنا (۱)

سلام ہماری ملت کا تحفہ ہے اور ہماری پناہ میں آنے والے کے لئے امان ہے۔

المُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَ يَدِهِ. (۲)

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔

المؤمِنُ مَنْ أمِنَهُ النَّاسُ عَلىٰ أنْفُسِهِمْ و أمْوالِهِمْ. (۳)

مومن وہ ہے جو لوگوں کو ان کی جان اور مال کو محفوظ سمجھے۔

## ب۔ ولیمہ اور کھانا کھلانا

## ج۔ نمازِ شب پڑھنا

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس شخص نے بڑا گناہ کیا ہے یا جس شخص کی گردن پر لوگوں کا حق ہے کیا خدا

(۱) بحار الانوار ج ۷۶ ص ۱۲

(۲) کافی ج ۲ ص ۲۳۴، بحار الانوار ج ۶۷ ص ۳۵۴ قال أبو جعفر يا سليمان أتدري مَنِ المُسْلِمُ؟ قلت: جُعِلتُ فداك أنت أعلَمُ۔ قالَ المُسْلِمُ من سَلِمَ المسلمونَ مِنْ لسانهِ و يَدِهِ۔ ثم قالَ: و تدري مَنْ المُؤمِن؟ قال: قلت: أنت أعْلَمُ۔ قالَ: "إن" المؤمِنَ مَنْ ائتمَنَهُ المُسْلِمُونَ علىٰ أموالهم و أنفسهم، والمُسْلِم حَرَامٌ علىٰ المُسلم أنْ يَظْلِمَهُ او يَخْذُلَهُ او يدفعه دفعة تعنته۔

(۳) حوالہ سابق۔

اور لوگوں کے حق کے ضائع کرنے سے نمازِ شب پڑھنا، سلام کرنا اور لوگوں کو کھانا کھلانا، بیکار ہو جائیگا؟

جواب: محققین کا قول یہ ہے: ان روایتوں میں جو گناہوں کا ذکر ہے ان سے مراد وہ چھوٹے گناہ ہیں جن کو مستقل انجام نہ دیتا ہو گویا اس آیت کا مصداق ہو۔

﴿إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ﴾(۱)

اگر تم بڑے گناہوں سے اجتناب کرو گے تو ہم چھوٹے گناہوں سے چشم پوشی کریں گے۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾(۲)

اور دن کے دونوں طرف- صبح و شام- میں نماز پڑھو بیشک نیکیاں برائیوں کو نابود کر دیتی ہیں۔

علماء کہتے ہیں کہ (طرفی النہار) دن کے دو طرف سے مراد صبح سے ظہر کے کچھ بعد تک کا وقت ہے اور زلفاً من اللیل سے نماز مغرب اور عشاء تک مراد ہے۔ان نمازوں کو پڑھنے سے برائیاں اور سیئات ختم ہو جاتے ہیں (۳) مفسرین کہتے ہیں: سیئات کے معنی چھوٹے گناہ ہیں ان نمازوں کے پڑھنے سے چھوٹے گناہ محو ہو جاتے ہیں۔

حدیث کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

تین چیزیں انسان کو خدا کے عذاب سے بچاتی ہیں:

۱۔ظاہر و باطن میں خدا سے ڈرنا اس سے انسان گناہ سے باز رہتا ہے۔

---

(۱) نساء: ۳۱

(۲) ہود: ۱۱۴

(۳) کافی ج ۳ ص ۲۷۱، تہذیب الاسلام ج ۲ ص ۲۴۱، وسائل الشیعۃ ج ۴ ص ۱۰، مستدرک الوسائل ج ۳ ص ۱۲۱، تفسیر قمی ج ۱ ص ۳۳۷، تفسیر عیاشی ج ۲ ص ۱۶۱۔ (مراجعہ شود بہ ص ۴۱۷-۴۱۶ اصل فارسی)

البتہ خوفِ خدا کے ساتھ رجاء ہونا چاہئے۔لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو جو وصیتیں کی ہیں ان میں سے، خوف ورجاء بھی ہے۔فرماتے ہیں:

اگر کسی مومن کا دل چیر کر دیکھا جائے تو اس میں دو نور نظر آئیں گے ایک خوفِ خدا اور دوسرے رجاء یہ ایک دوسرے پر غلبہ نہیں کرتے دونوں برابر رہتے ہیں۔(۱)

ایک روایت میں رسولؐ سے منقول ہے:

رأسُ الحِكْمَةِ مَخافَةُ اللّهِ.(۲)

حکمتوں اور علوم کی معراج خوف وخشیت خدا ہے۔

کیونکہ انسان اسی خوفِ خدا کے باعث گناہوں سے پرہیز کرتا ہے۔دوسری روایت میں ارشاد ہے:

رَأسُ الْعِلْمِ مَعْرِفَةُ اللّهِ (۳)

تمام حکمتوں کا لب لباب خدا کی معرفت ہے۔

---

(۱) مستدرک الوسائل ج۱۱ص ۲۲۵، بحار الانوار ج۱۳ص۴۱۱، تفسیر قمی ج۲ص۱۶۴، یا بُنَیَّ لو استُخرِجَ قَلْبُ المؤمن فشق لوُجِدَ فیہ نوران نورٌ للخوف ونورٌ للرجاء لو وزنا ما رَجَحَ اَحدُهما علی الآخر بمثقال ذرّة...

(۲) خصال صدوق باب منش هائی سه گانه متن ص۲۸۸، عن علی بن الحسین قال : كان آخر ما أوصى به الخضر موسى بن عمرانّ ان قال له: لا تُعيِّرَنَّ احداً بذنب و اِنَّ أحبَّ الُامور الیٰ الله عزّوجلّ ثلاثة: القصد في الجدة و العفو في المقدرة والرفق بعباد الله و ما رفق أحد بأحد في الدّنيا الّا رَفَقَ الله عزوجل به يوم القيامة و رأس الحكمة مَخافَة الله تبارك و تعالىٰ ـ من لا یحضرہ الفقیہ ج۴ص۳۷۶، وسائل الشیعۃ ج۱۵ص۲۲۱، مستدرک الوسائل ج۱۱ص۲۲۹، اس طرح سے پیغمبر اسلامؐ کے خطبہ تبوکیہ میں یہ مطلب آیا ہے۔(رجوع کریں بحار الانوار ج۲۱ص۲۱۰)۔

(۳) توحید صدوق ۲۸۴، بحار الانوار ج۳ص۲۶۹ عن ابن عباس قال: جاء اعرابی الیٰ النّبيّؐ فقال: يا رسول الله! عَلِّمني مِنْ غرائب العِلْمِ، قالؐ : ما صنعت في رأس العِلْمِ حتّى تسأل عن غرائبه؟ قال الرجل: ما رأسُ العِلْمِ يا رسول اللهؐ قالؐ: معرفةُ اللهِ حقَّ معرفته۔ قال الأعرابي: وما معرفة الله حَقّ معرفته ؟ قالؐ: تعرفه بلا مِثْل و لا شبه ولا نِدّ و انّه واحد أحد ظاهرٌ باطنٌ اوّل آخر لا کُفوَ له ولا نظير فذلك حقّ معرفته۔

جب تک انسان خدا کی معرفت حاصل نہیں کرے گا اور عظمتِ خدا سے متعارف نہیں ہوگا اس وقت تک اس کے دل میں خوفِ خدا پیدا نہیں ہوگا یہی وجہ ہے کہ معرفتِ خدا تمام حکمتوں کا راز ہے۔

۲۔ مفلسی اور ثروتمندی میں میانہ روی۔

انسان کو چاہئے کہ اوسط درجہ کی زندگی بسر کرے۔

۳۔ رضا و ناراضی کی حالت میں عدل سے کام لے۔

یعنی انسان کو چاہئے کہ عیش ونشاط اور مسرت و آرام کی زندگی میں بھی عدل سے کام لے اور رنج و غضب کی زندگی میں بھی۔

امام صادقؑ سے ایک روایت میں منقول ہے آپؑ نے فرمایا:

الغَضَبُ مِفتاحُ کُلِّ شَرٍّ. (۱)

غصہ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

جو کشتی گرداب مین پھنس گئی ہو اور ڈوبنے کے قریب ہوا جسے ہو کبھی اس طرف لے جاتی ہے اور کبھی اس طرح اس میں اس شخص کے بچنے کا زیادہ امکان ہے جو غصہ نہیں کرتا ہے۔ (۲)

لہذا غصہ کے موقعہ پر صبر کرنا حلم و بردباری کی صفت ہے اور اس کے بڑے فوائد ہیں اور اسی صفت کے ساتھ خدا اپنے پیغمبروں کی توصیف کرتا ہے، فرماتا ہے:

﴿اِنَّ اِبراھیمَ لَحَلِیمٌ أوّاہٌ مُنیبٌ﴾. (۳)

بیشک ابراہیمؑ بڑے بردبار اور بہت صبر کرنے والے اور خدا سے لو لگانے والے تھے۔

دوسری آیت میں ارشاد ہے:

---

(۱) خصال صدوقؒ باب منش ھای یگانہ متن ۷اص بحار الانوار ج ۷۳ص ۲۶۳

(۲) معراج السعادۃ ص۱۶۶

(۳) ہود: ۷۵

﴿فَبَشَّرْناهُ بغُلامٍ حَليمٍ﴾ (۱)

ہم نے ابراہیم کونہایت ہی بردبار بیٹے کی بشارت دی۔

امام صادقؑ فرماتے ہیں:

ما شِيْبَ شَيءٍ بشَيءٍ أحسنُ مِنْ حِلْمٍ بعِلْمٍ. (۲)

جس طرح علم کے ساتھ حلم مخلوط ہوا ہے اس سے بہتر طریقہ سے کوئی چیز دوسری چیز سے مخلوط نہیں ہوئی ہے۔

درج ذیل تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں:

۱۔صفتِ بخل جس کی انسان پیروی کرے۔

۲۔خواہش نفس جس کی انسان اطاعت کرے۔

۳۔خود بینی وخود پسندی۔

اس کا علاج یہ ہے کہ انسان کوخدا کی زیادہ سے زیادہ معرفت حاصل ہو جائے اس صورت میں وہ خود بینی کی بیماری سے نجات پا جائیگا۔

حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

اگر تمہارے نفس میں خدا کی عظمت پیدا ہو جائے اور تمہیں اپنے اندر اس کی بزرگی کا احساس ہو جائے تو تمہاری نظر میں سارے موجودات حقیر ہو جائیں چہ جائیکہ تم خود کو خدا کی عظمت کے مقابلہ میں قرار دو۔(۳)

حضرت علیؑ خطبہ ہمام میں متقین کے بارے میں فرماتے ہیں:

---

(۱) صافات:۱۰۱

(۲) تحف العقول ص ۹۲۹، بحار الانوار ج ۷۸ ص ۱۷۲

(۳) نہج البلاغہ کلمہ حکمت ۱۲۹

اہل تقویٰ اور پرہیز گار تو وہی ہیں کہ جنہوں نے عظمتِ خدا کی معرفت حاصل کر لی تو ان کی نظر میں دنیا کی ہر چیز حقیر ہوگئی۔(۱)

خود بینی وخود پسندی کی ضد کسرِ نفسی اور تواضع وخاکساری ہے۔جب انسان اس صفت سے متصف ہو جاتا ہے تو وہ خدا اور اس کی مخلوق کا محبوب ہو جاتا ہے۔

یکی قطره باران زابری چکید
خجل شد چو پهنای دریا بدید
که جایی که دریاست من کیستم
گر او هست حقا که من نیستم
چو خود را به چشم حقارت بدید
صدف در کنارش به جان پرورید
سپهرش به جایی رسانید کار
که شد نامور لولو شاهوار
بلندی از آن یافت کو پست شد
در نیستی کوفت تا هست شد
بزرگان نکردند در خود نگاه
خدا بینی از خویشتن بین مخواه

بادل سے بارش کا ایک قطرہ ٹپکا جب اس نے دریا کی وسعت کو دیکھا تو پشیمان ہوا۔کہ جہاں دریا ہو وہاں میری کیا بساط ہے اگر وہ ہے تو خدا کی قسم میں نہیں ہوں، جب اس نے خود کو حقیر نظر سے دیکھا تو اس کی آغوش میں صدف کی پرورش ہوئی اس کی قسمت نے اس کو اتنا بلند کر دیا کہ نامور

(۱) نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۳ (ھما)

موتی بن گیا اور اتنی بلدنی پائی کہ پہاڑ اس کے سامنے چھوٹا ہو گیا۔ اپنے کو فنا کر ڈالو تا کہ ہستی سے متصف ہو جاؤ۔(۱)

بزرگوں نے خود کو کبھی کچھ نہیں سمجھا، بس سب کچھ خدا کو سمجھو خود کو بھول جاؤ۔(۲)

❁❁❁❁❁

---

(۱) کلیات سعدی: بوستان ص ۳۱۳

(۲) کلیات سعدی: بوستان ص ۳۱۴

# پانچویں تقریر

خواہشِ نفس، لمبی امیدیں، اور وقت و عمر کو غنیمت سمجھنا

۱۔ خواہش نفس
شہوت و غضب کی طغیانی یا خواہشِ نفس
۲۔ طویل امیدیں
عمر اور فرصت کو غنیمت سمجھنا

قال رسول اللهؐ:

إنَّ أخوفَ ما أخافُ علیٰ أُمّتي: الهوی و طولُ الأمل، أمّا الهویٰ: فإنّه یَصُدُّ عَنِ الحَقِّ وأمّا طولُ الأملِ: فیُنْسي الآخرةَ و هذه الدّنیا قد ارتحلتْ مُدبِرةً و هذه الآخرةُ قد ارتحلتْ مقبلةً، و لکلٍّ واحدٍ منهما بَنونَ فإن استطعتم أنْ تکونوا من أبناءِ الآخرةِ ولا تکونوا من أبناء الدنیا؛ فافعلوا فإنّکُم الیومَ في دارِ عَمَلٍ ولا حسابٍ وأنتم غداً في دارِ حسابٍ ولا عملٍ. (۱)

مجھے اپنی امّت کے بارے میں دو چیزوں کا زیادہ خوف ہے:

خواہش نفس کی پیروی اور طولانی امیدیں۔

خواہش نفس کے معنی یہ ہیں کہ انسان کے وجود میں شہوت وغضب کا ہیجان پیدا ہو جائے۔

خداوند عالم نے انسان کو شہوت وغضب کی نعمت اس لئے عطا کی ہے تا کہ اعتدال کی حد میں رہ کر استفادہ کرے، شہوت سے فوائد حاصل کرے اور غضب کے ذریعہ نقصانات سے بچے نہ کہ ان دونوں کے طغیان سے متاثر ہو کر خدا ہی کو بھول جائے اور جو کام چاہے کرے خواہ وہ حلال ہو یا حرام نافرمانی ہو یا

(۱) خصال صدوق باب منش ھای دوگانہ متن ۱۶۲، بحار الانوار ج ۷۷ ص ۱۱۷، کافی ج ۸ ص ۵۸ پر یہی روایت امیر المومنین سے نقل ہوئی ہے۔

اطاعت اور چونکہ یہ دونوں قوتیں سرکشی پر آجاتی ہیں لہذا خدا نے ان کو اعتدال پر رکھنے کے لئے انسان کے وجود میں عقل رکھی ہے، عقل انہیں نابود نہیں کرتی ہے بلکہ ان کی سرکشی کو روکتی ہے۔

جو عقل شریعت کے تابع ہوتی ہے وہ خوب کو بد سے اور اچھے کو برے سے جدا کر لیتی ہے اور شہوت و غضب میں اعتدال پیدا کرتی ہے اور اگر وہ سرکشی پر آمادہ ہوتی ہیں تو عقل ان سے جنگ کرتی ہے۔

بنا بر ایں شہوت و غضب کا طغیان خواہش نفس ہے اور خواہش نفس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی پروا نہ کی جائے، اسے بالکل بھلا دیا جائے اور دل کی خواہش کے مطابق عمل کیا جائے خواہ وہ حلال ہو یا حرام خدا کی نافرمانی ہو یا اطاعت۔

حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ فرماتے ہیں:

الحِلْمُ غِطاءٌ ساتِرٌ، و العَقْلُ حُسَامٌ قَاطِعٌ ، فاستُرْ خَلَلَ خُلُقِکَ بِحِلْمِکَ ، و قاتِلْ هَواکَ بِعَقْلِکَ. (۱)

حلم چھپانے والا پردہ ہے اور عقل کاٹنے والی تلوار ہے پس اپنے اخلاق کی کمی کو اپنے حلم کے ذریعہ چھپاؤ اور اپنی عقل کے وسیلہ سے خواہش نفس اور شہوت و غضب کا قصہ ختم کرو۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿أَمَّا مَنْ طَغَى (۳۷) وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَى وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى﴾ (۲)

پھر جس نے سرکشی کی اور دنیوی زندگی کو آخرت پر مقدم کیا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور جو خدا سے ڈرا اور اپنے نفس کو ہوا و ہوس سے روکا تو اس کا مقام جنت ہے۔

---

(۱) نہج البلاغہ حکمت ۴۲۴

(۲) نازعات ۳۷۔۴۱

اگـــر لـــذت تـــركِ لـــذت بـدانـــی
دگـــر شهـوت نـفـــس لـذت نـخـوانـــی

سـفـــرهـــای عـلـوی کـنـد مـرغ جـانـت
گـــر از چـنـبـــر آز بـــازش رهـــانـــی

ولیـــکـــن تـــو را صبـــر عـــنـــقـــا نبـــاشـــد
کـــه در دام شهـــوت بـــه گـنـجشك مـــانـــی

چـنـــان مـــی روی غـــافـل و خـــاب در ســر
کـــه مـــی تـــرسم از کـــاروان بـــاز مـــانـــی

نـصیـحـــت هـمیـــن اسـت جـان بـــرادر
کـــه اوقـــات ضـــایـــع مـكـن تـا تـوانـــی(۱)

اگر تم ترکِ لذت کی لذت سے آشنا ہو جاؤ گے تو پھر کبھی شہوت نفس کی لذت کے پاس نہ جاؤ گے، تمہارا طائر روح بلندیوں کا سفر کرے گا، بشرطیکہ تم اسے لالچ کی قید سے آزاد کردو، اور صبر کرتے رہو، اس سے بیگانہ نہ رہو۔ ورنہ شہوت کے جال میں پھنسے رہو گے۔ تم غافل اور خمار آلود کی طرح چلے جا رہے ہو میں ڈرتا ہوں کہ تم کارواں سے نہ چھوٹ جاؤ، پیارے بھائی میری تمہیں یہی نصیحت ہے جہاں تک ہو سکے وقت ضائع نہ کرو۔

## ۲۔ طولانی امیدیں

مجھے اپنی امّت کے بارے میں یہ خوف ہے کہ کہیں وہ طولانی امیدیں قائم نہ کرے کہ اس صورت میں دنیوی جنجال اور دنیاداری میں مبتلا ہو جائیگی اور آخرت کو بھلا دے گی۔

شیخ سعدی نے گلستان میں ایک حکایت نقل کی ہے کہ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ طولانی امیدیں رکھنا مذموم ہے:

(۱) کلیات سعدی مواعظ ص ۱۰۳۱

ایک رات ایک تاجر نے مجھے اپنے گھر دعوت دی اور فضول باتیں کرنے لگا مثلا کہنے لگا فلاں چیز فلاں گودام میں ہے اور یہ فلاں زمین کی دستاویز ہے، اور اس چیز کا فلاں شخص ضامن ہے، پھر کہنے لگا:

مجھے ایک سفر درپیش ہے، میں فلاں جنس خریدنا چاہتا ہوں اور اسے چین لے جانا چاہتا ہوں (اس زمانہ میں حمل ونقل کے اسباب ووسائل بہت کم تھے) اور چین سے فلاں چیز خریدونگا اور اسے ترکستان لے جاؤنگا اور پھر ترکستان سے فلاں چیز خریدونگا اور اسے ہندوستان لے جاؤنگا اور ہندوستان سے وہاں جاؤنگا اور وہاں سے فلاں جگہ جاؤنگا پھر اس تھکان کو رفع کرنے کے لئے ایک طولانی مدت تک آرام کرونگا اور پھر کوئی سفر نہیں کرونگا۔

سعدی کہتے ہیں: میں خاموش تھا۔ تاجر نے کہا: آپ بھی کچھ فرمائیے۔ سعدی کہتے ہیں: میں نے کہا:

آن شنیدستی که در صحرای غور
بار سالاری بیفتاد از ستور

گفت چشم تنگ دنیا دار را
یا قناعت پر کند یا خاك گور (۱)

رسول خداؐ فرماتے ہیں:

خواہش نفس کی پیروی انسان کو حق سے دور کرتی ہے اور طولانی امید آخرت سے بے خبر کردیتی ہے دنیا تو گذر رہی ہے اور آخرت نزدیک آرہی ہے اور ان میں سے ہر ایک کی کچھ اولاد ہے (بعض لوگ دنیا اور وقت کے بیٹے ہیں اور بعض آخرت کے فرزند ہیں) اگر تم میں طاقت ہے تو آخرت کے فرزند بنو نہ کہ دنیا کے کیونکہ آج تم ایسی جگہ ہو جہاں عمل کرسکتے ہو، یہاں حساب وکتاب نہیں ہے لیکن قیامت میں حساب ہوگا وہاں عمل نہیں کرسکو گے۔

---

(۱) کلیات سعدی ص ۱۰۱ و ۱۰۲

پس انسان کا جتنا وقت گذرتا ہے اتنا ہی وہ دنیا سے دور اور آخرت سے قریب ہوتا ہے اور اس کی عمر، جو کہ عظیم ترین خدائی سرمایہ ہے، گھٹتی ہے۔

اور چونکہ گذری ہوئی عمر واپس نہیں آتی ہے لہذا عمر کے لمحہ کو بھی بے فائدہ کام میں نہ گذارو! بلکہ جہاں تک ہو سکے اس میں علم وکمال حاصل کرو۔

رسولؐ فرماتے ہیں:

اِغْتَنِمْ خَمْساً قَبْلَ خَمْسٍ: شَبَابَکَ قَبْلَ هَرَمِکَ، وصِحَّتِکَ قَبْلَ سَقَمِکَ، وغِنَاکَ قَبْلَ فَقْرِکَ، وفَرَاغَکَ قَبْلَ شُغْلِکَ، وحَیاتَکَ قَبْلَ مَوْتِکَ. (۱)

پانچ چیزوں سے پہلے پانچ چیزوں کو غنیمت سمجھو:

۱۔ بڑھاپے سے پہلے جوانی کو

۲۔ بیماری سے پہلے تندرستی وصحت کو (تندرستی خدا کی عظیم نعمت ہے بیماری سے پہلے اس کی قدر کرنا چاہئے)۔

۳۔ فقر وناداری سے پہلے ثروت ودولت کو

۴۔ مشغولیات سے پہلے فراغت کو

۵۔ موت سے پہلے زندگی کو

امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

والفرصةُ تَمُرُّ مَرَّ السَّحابِ، فانتهزوا فُرَصَ الخَیْرِ. (۲)

وقت بادل کی طرح گذر جاتا ہے پس نیک لمحات کو غنیمت سمجھو۔

سعدی کہتے ہیں:

---

(۱) بحار الانوار ج۸۱ ص۱۷۳، معانی الاخبار ۱۸۹

(۲) نہج البلاغہ حکمت ۲۱

سعدیا! دی رفت و فردا هم چنان موجود نیست

در میان این و آن فرصت شمار امروز را(۱)

دریغ آیدت هر دو عالم خریدن

اگر قدر نقدی که داری بدانی( ۲)

ترجمہ اشعار:

جو وقت گذر گیا وہ ختم ہو گیا اور جو آئیگا وہ موجود نہیں پس ان دو عدموں کے درمیان کے وقت کو غنیمت سمجھو۔

اے سعدی! کل کا دن گذر گیا اور آنے والا کل ابھی آیا نہیں پس اِس اور اُس کے درمیان آج کے دن کو غنیمت سمجھو۔

جو نقدی تمہارے پاس ہے اگر تمہیں اس کی قدر و قیمت معلوم ہو جائے تو اس کے عوض دونوں جہان کو بھی نہیں خریدو گے۔

❁❁❁❁❁

---

(۱) کلیات سعدی مواعظ ۴۴۹

(۲) کلیات سعدی مواعظ ۱۰۳۱

# چھٹی تقریر

ممدوح دنیا اور مذموم دنیا

دنیا کے معنی

راہ عبودیت میں ہر چیز سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

دنیا جائے عبرت اور امتحان گاہ ہے۔

دنیا ممدوح ہے یا مذموم؟

دنیا میں ہماری دنیا ہی ہمارا حصہ ہے

دنیا برائے آخرت ممدوح ہے

دنیا برائے معصیت مذموم ہے

رسولؐ سے ایک روایت منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

حُبُّ الدُّنیا رأسُ کُلِّ خَطیئةٍ. (۱)

سارے گناہوں کی جڑ دنیا کی محبت ہے۔

بعض حدیثوں میں دنیا کی مذمت کی گئی ہے اور بعض حدیثوں میں دنیا کی مذمت کرنے سے روکا گیا ہے۔ بعبارت دیگر دنیا کی مدح بھی ہوئی ہے اور مذمت بھی، حقیقت یہ ہے کہ ایک دنیا ممدوح ہے اور دوسری مذموم۔

پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ دنیا کیا ہے اور پھر یہ غور کرنا چاہئے کہ دنیا کس لحاظ سے ممدوح ہے اور کس اعتبار سے مذموم ہے؟

دنیا کے دو معنی ہیں، ایک خود دنیا کے مخصوص معنی ہیں دوسرے معنی ہماری نسبت سے ہیں۔

دنیا کے اپنے معنی تو یہ ہیں: زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے اسے دنیا کہتے ہیں، مثلاً درخت اور ان کا پھل، بارش آفتاب و ماہتاب اور ستارے وغیرہ۔

اگر یہی دنیا ہے تو یہ چیزیں بری نہیں ہیں، ان کو برا نہیں کہنا چاہئے کیونکہ یہ سب تو خدا کی نشانیاں

(۱) بحار الانوار ج۱۵ ص ۲۵۸

ہیں، یہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے، آفتاب و ماہتاب، ستارے، ہوا، پانی سب خدا کی وحدانیت کی نشانیاں اور اس کی نعمتیں ہیں۔

در هـــر چـــه دیـده ام تـو پـدیـدار بـوده ای

ای نـا نـمـوده رخ، تـو چـه بسیـار بوده ای (۱)

میں جس چیز کو بھی دیکھتا ہوں اس میں تیرا ہی جلوہ نظر آتا ہے۔

اے چہرہ نہ دکھانے والے تو بہت عظیم اور ہر جگہ ہے۔

دنیا ان معنی میں نہ صرف یہ کہ مذموم نہیں ہے بلکہ ممدوح ہے اور اسی وجہ سے روایات میں وارد ہوا ہے: ایک شخص نے حضرت علیؑ کے سامنے دنیا کو برا کہا تو آپؑ نے فرمایا:

اتغتر بالدنیا ثم تذمها؟(۲)

تم دنیا کے گرویدہ بھی ہو اور اس کی مذمت بھی کرتے ہو؟

تمہیں دنیا نے کب اپنا گرویدہ بنایا ہے؟ اس نے کب تمہیں فریب دیا ہے؟ پوری دنیا جائے عبرت ہے وہ تمہیں کیسے دھوکا دے سکتی ہے؟ کیا اس لئے کہ تمہارے ماں باپ دنیا سے چلے گئے ہیں اور اپنے عزیزوں کو تم نے اپنی آنکھوں سے مرتے ہوئے دیکھا ہے اس لئے تم دنیا کو برا کہہ رہے ہو؟ حالانکہ اس سے تمہیں بیدار ہونا چاہئے تھا!

اِنَّ الدُّنیا دارُ صِدْقٍ لِمَنْ صَدَّقَها

بیشک دنیا اس شخص کے لئے صدق وسچائی کا گھر ہے جو اس کی تصدیق کرتا ہے اور اس کے ساتھ صداقت و درستی کا سلوک کرتا ہے۔

ساری دنیا صداقت وعدالت پر اور مخصوص نظم ونسق پر استوار ہے، سورج مخصوص و معین وقت پر طلوع

(۱) کلمات مکنونہ ۴۷

(۲) نہج البلاغہ حکمت ۱۳۱

ہوتا ہے اور مخصوص و معین وقت پر غروب ہو جاتا ہے، اس کے طلوع و غروب میں کوئی خلل نہیں ہوتا ہے، ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ دن کے بجائے رات اور رات کے بجائے دن ہو گیا ہو یہ نظام ایسے ہی چلا آ رہا ہے۔ یہی حال فصلوں کا ہے۔

یہ دنیا ایک نظم کے تحت پیدا ہوئی ہے اور سیدھے سچے اور نپے تلے طریقہ پر چل رہی ہے۔

و دارُ عافيةٍ لمَنْ فَهِمَ عَنها و دارُ غِنىً لِمَنْ تَزَوَّدَ مِنها

اور یہ دنیا سمجھنے والے کے لئے عافیت کا گھر ہے اور جو شخص اس سے آخرت کے لئے توشہ لینا چاہتا ہے اس کے لئے مالا مال ہے۔

خدا نے انسان کے لئے بندگی و عبودیت کے تمام وسائل فراہم کر دئے ہیں تاکہ وہ ہر حال میں خدا کی عبادت کرے۔ انسان تمام چیزوں کو آخرت کا وسیلہ بنا سکتا ہے اور تمام کاموں کو خدا کے لئے انجام دے سکتا ہے یہاں تک کہ اپنے سونے جاگنے کو بھی خدا کے واسطے قرار دے سکتا ہے، مثلاً اس نیت سے سوئے کہ عبادت میں نشاط پیدا ہوگا۔ راستہ اس نیت سے طے کرے کہ عبادت کے لئے قوت پیدا ہوگی اور کھانا اس نیت سے کھائے کہ عبادت کرنے میں کامیاب ہوگا۔

مختصر یہ کہ انسان ہر چیز کو خدا لئے قرار دے سکتا ہے جو اس کے تصرف میں ہے اور اپنی آخرت کے لئے توشہ فراہم کرے۔

و دارُ مَوْعِظَةٍ لِمَنْ اتّعَظَ بها

نصیحت و عبرت لینے والے کے لئے دنیا جائے عبرت ہے۔

مَسْجِدُ اَحِبَّاءِ اللّهِ و مُصَلّىٰ مَلائِكَةِ اللّهِ و مِهْبَطُ وَحْيِ اللّهِ، و مَتْجَرُ أولياءِ اللّهِ.

دنیا جائے خدا کے دوستوں کے لئے عبادت گاہ اور جائے سجدہ ہے۔ خدا کے فرشتوں کے لئے بھی جائے عبادت ہے، تمام انبیاء اور حضرت ختمی مرتبتؐ پر اسی دنیا میں وحی نازل ہوئی ہے اور خدا کے محبوب بندوں نے اسی دنیا میں تجارت کی ہے۔

اولیائے خدا نے اسی دنیا میں خدا سے تجارت کی ہے اور اپنی ساری چیزیں راہ خدا میں فروخت کی ہیں اوران کے عوض جنت خرید لی ہے۔

اکتسبوا فیها الرحمةَ، وَ رَبحُوا فیها الجَنَّةَ فَمَنْ ذا یَذُمُّها فَقَدْ آذَنَتْ ببینِها، و نادَتْ بِفِراقِها.

اس دنیا میں اولیاء اللہ نے خدا کی رحمت اوراس کی جنت کو اپنے لئے فراہم کیا ہے پھر ایسی دنیا کی مذمت کون کر سکتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ دنیا نے اپنی جدائی کا اعلان کر دیا ہے (اور صاف کہہ دیا ہے کہ میں فراق وفنا کا گھر ہوں)۔

پس دنیا سراسر عبرت ہے اور خدا کی ایک نشانی ہے خدا نے اسے لوگوں کے امتحان کے لئے سنوارا ہے۔

اِنّا جَعَلْنا ما عَلیٰ الارضِ زینةً لَها لنَبْلُوَهُمْ أَیُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً. (۱)

ہم نے اس دنیا کو لوگوں کے واسطہ اس لئے زینت دی ہے تا کہ انہیں آزمائیں اور یہ دیکھیں کہ ان میں سے کون اس کا گرویدہ نہیں ہوتا ہے اور دنیا میں کون بہترین عمل انجام دیتا ہے۔

بعبارت دیگر:

تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ خدا کو بھلا کر کس نے دنیا کو اختیار کر لیا ہے اور کس نے اس سے دل نہیں لگایا ہے ان معنی میں دنیا کی مذمت نہیں کرنی چاہئے کیونکہ جو دنیا لوگوں کی آزمائش کا وسیلہ ہے وہ بری نہیں ہو سکتی بلکہ وہ خیر ہی خیر ہے۔

نکوهش مکن چرخ نیلوفری را

برون کن ز سر باد خیره سری را

بری دان ز افعال چرخ برین را

---

(۱) کہف: ۷

نشاید نکوهش ز دانش بری را

چو تو خود کنی اختر خویش را بد

مدار از فلک چشم نیك اختری را

بسوزند چوب درختان بی بر

سزا خود همین است مر بی بری را

درخت تو گر بار دانش بگیرد

به زیر آوری چرخ نیلو فری را(۱)

نیلے آسمان کو برا نہ کہو، اپنے سر سے خناس اور سرکشی کا غبار نکالدو، آسمان کو افعال سے بری سمجھو، صاحب علم کو ملامت نہیں کرنی چاہئے، اپنے ستارے کو جب تم خود ہی منحوس بناتے ہو، تو پھر آسمان سے نیک ستارے کی توقع نہ رکھو۔

جس درخت پر پھل نہیں لگتا اسے لوگ جلا دیتے ہیں، جو شخص نیک کردار نہیں ہے اس کی سزا بھی یہی ہے۔

اگر تمہارے وجود کے درخت پر علم کا پھل لگ جائے تو اس نیلے آسمان کو بھی نیچے لایا جا سکتا ہے۔

ہماری دنیا اتنی ہی ہے جتنا ہم اس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اور دنیوی زندگی میں، پانی، ہوا، زمین ،لباس، گھر، بیوی، بچے وغیرہ، جو بھی ہمیں ملتا ہے وہی ہماری دنیا ہے۔

دنیا سے ہمیں جو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔اس کی دو قسمیں ہیں:

ایک وقت میں ہم اس دنیا سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اور اسے آخرت کا وسیلہ بناتے ہیں اور اپنے تمام کاموں کو خدا کے لئے انجام دیتے ہیں اور ان کو آخرت کا توشہ قرار دیتے ہیں مختصر یہ کہ تمام مراحل میں خدا کی عبادت کرتے ہیں ہماری یہ دنیا ممدوح اور پسندیدہ ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ کوئی شخص اسی دنیا کو معصیت کا وسیلہ بنائے یعنی العیاذ باللہ، اس دنیا کو خدا کی ان

---

(۱) دیوان ناصر خسرو ص ۱۳

نعمتوں، آنکھ، کان، اعضاء وجوارح، چاند، سورج، بیوی بچے اور مال ومنصب کو معصیت کا وسیلہ بنالیتا ہے تو یہ دنیا مذموم ہو جاتی ہے۔

بنابرایں دنیا کے ممدوح و مذموم ہونے کو اس کے وسائل وامکانات کے استعمال سے معین کیا جائیگا لہذا ہمیں یہ کوشش کرنی چاہئے کہ اس عمر و تندرستی سے اور خدا کی عطا کی ہوئی ہر چیز سے کمال وکامیابی کی راہ میں بنحو احسن فائدہ اٹھائیں اور تمام چیزوں کو آخرت کا وسیلہ قرار دیں اور تمام امور کو خدا کے حکم کے مطابق انجام دیں، جس کام کو بھی انجام دینا چاہیں پہلے اس کے بارے میں غور کرلیں کہ اس کے لئے خدا کا کیا حکم ہے؟

رسولؐ سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

فَلْيَتَزَوَّدْ الْعَبْدُ مِنْ نَفْسِهِ لِنَفْسِهِ ومِنْ دُنْياهُ لآخِرَتِهِ ومِنْ شَبَابِهِ لِهَرَمِهِ فإنّ الدّنْيا خُلِقَتْ لَكُمْ و أنْتُمْ خُلِقْتُمْ للآخِرَةِ. (١)

انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے نفس سے اپنے نفس اور اپنی دنیا سے اپنی آخرت کے لئے اور جوانی سے بڑھاپے کے لئے کچھ ذخیرہ کرلے، کیونکہ یہ دنیا تمہارے لئے اور تم آخرت کے لئے پیدا ہوئے ہو۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى وَاتَّقُونِي يَاأُوْلِي الْأَلْبَابِ. (٢)

(١) مجموعہ ورام ص۱۳۱، بحارالانوار ج ۶۷ ص ۳۶۲، و قالؐ في بعض خطبه: المؤمن بَيْنَ مَخَافَتَيْنِ بين أجل قَدْ مَضَىٰ لا يدري ما اللهُ صانعٌ فيه و بين أجل قد بقي لا يدري ما اللهُ قاضٍ فيه فليتزوّد العبدُ مِنْ دُنياه لآخرته و مِنْ حياته لموته و من شبابه لِهَرَمِهِ فانّ الدّنيا خُلِقت لكم و أنتم خُلِقْتُم للآخرة و الّذي نفس محمد بيده ما بعد الموت من مستعتب و ما بعد الدّنيا دارٌ اِلّا الجنّة و النار۔ و در کافی ج۲ ص ۷۰ سمعت ابا عبد اللهؑ يقول: اِنّ ممّا حُفِظ مِنْ خُطَبِ النّبيؐ انّه قال: يا ايّها الناسُ! اِنّ لكم مَعَالِمَ فانتهوا فيه فليأخذ العبد المؤمن من نفسه لنفسه و من دنياه لآخرته و فى الشبيبة قبل الكبر و في الحياة قبل الممات فوالذي نفس محمّد بيده ما بعد الدّنيا من مستعتب و ما بعدها من دارٍ الا الجنّة و النار۔

(٢) بقرہ:١٩٧

اور زاد راہ و توشہ فراہم کرو (آخرت کے لئے) بہترین توشہ تقویٰ ہے، اے عقل والو! تقویٰ اختیار کرو۔

وَ مِنْ شَبَابِهِ لِهَرَمِهِ

اور اپنی جوانی میں اپنے بڑھاپے کے لئے ذخیرہ کرو۔

جوانی کے زمانہ میں انسان کو علم حاصل کرنا چاہئے خدا کی عبادت کرنی چاہئے تا کہ بڑھاپے میں محروم نہ رہے۔

فإنّ الدُّنيا خُلِقَتْ لَكُمْ و أنْتُمْ خُلِقْتُمْ للآخِرَةِ

بیشک دنیا تمہارے لئے پیدا کی گئی ہے اور تم آخرت کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔

قرآن مجید میں خدا فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الأَرْضِ جَمِيعًا . (۱)

خدا وہ ہے جس نے روئے زمین کی تمام چیزوں کو تمہارے لئے پیدا کیا ہے۔

لیکن تم اس دنیا کے لئے پیدا نہیں کئے گئے ہو بلکہ تم آخرت کے لئے خلق کئے گئے ہو یہ دنیا تو آخرت کا مقدمہ ہے حدیث قدسی میں ارشاد ہے:

خَلَقْتُ الأشْياءَ لأجْلِكَ و خَلَقْتُكَ لأجْلِي . (۲)

ساری چیزوں کو میں نے تمہارے لئے پیدا کیا ہے اور تمہیں اپنے لئے پیدا کیا ہے۔

البتہ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ انسان کی عبادت سے خدا کا کوئی فائدہ ہے بلکہ خدا کے قول کے یہ معنی ہیں: میں نے تم کو اس لئے پیدا کیا ہے تا کہ تمہیں خود سے نزدیک کروں اور تم میرے تقرب سے فائدہ اٹھا کر کمال پر پہنچ جاؤ۔

---

(۱) بقرہ: ۲۹

(۲) علم الیقین فی اصول الدین، فیض کاشانی، ج ا ص ۳۸۱، مشارق انوار الیقین ص ۶۷۔

من نکردم خلق تا سودی کنم

بلکہ تا بر بندگان جودی کنم (۱)

میں نے بندوں کو اس لئے پیدا نہیں کیا ہے کہ میں ان سے فائدہ اٹھاؤں بلکہ بندوں پر کرم کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔

یعنی خدا کی عبادت کرو اور اس کے نتیجہ میں خدا کا تقرّب حاصل کرو۔

❁❁❁❁❁

---

(۱) مثنوی معنوی، عتاب کردن حق موسیٰ را از بہر آن شبان

# ساتویں تقریر

دعا، شکر، صبر اور استغفار

دعا اور اس کے فوائد

شفاعت کمال دعا کی شرط ہے خود دعا کی شرط نہیں ہے

دعا کے وقت خدا اور خلق کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہوتا

بعض دعاؤں کے مقبول نہ ہونے کا سبب

استغفار

گناہ روحی بیماری ہے اور استغفار اس کا علاج ہے

شکر سے نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے

نعمتوں سے صحیح استعمال کے لئے شریعت کا علم درکار ہے

صبر و استقامت

توکّل امور کی انجام دہی میں کامیابی کا سبب ہے

قال الصادقؑ:

مَنْ أُعْطِي أربَعاً لَمْ يُحْرَم أربَعاً، مَنْ أُعْطِيَ الدُّعاءَ لَمْ يُحْرَمِ الاِجَابَةَ، ومَنْ أُعْطِي الاِسْتغفارَ لَمْ يُحرَمِ التَوْبَةَ، ومَنْ أُعطِي الشُّكْرَ لَمْ يُحْرَمِ الزِّيادَةَ ومَنْ أُعْطِي الصَّبْرَ لَمْ يُحْرَمِ الأجْرَ. (۱)

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:

جس کو چار چیزیں عطا کی گئیں وہ چار چیزوں سے محروم نہیں رہے گا:

جس شخص کو خدا کی طرف سے دعا کی توفیق عطا کی گئی ہے وہ دعا کی قبولیت سے محروم نہیں رہیگا (یعنی خدا یقیناً اس کی دعا کو قبول کرے گا)۔

---

(۱) خصال باب الاربعۃ حدیث ۱۶، نہج البلاغہ کلمہ حکمت ۱۳۵ حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ فرماتے ہیں: مَنْ أُعْطي أربعاً لَمْ يُحْرَمْ اربعاً: مَنْ أُعطي الدُّعاءَ لم يُحرم الاِجابة ومَنْ أُعطي التوبةَ لَمْ يُحرَم القبول ومَنْ أُعطي الاِسْتِغْفارَ لَمْ يُحْرَمِ المَغْفِرَة ومَنْ أُعطي الشُّكرَ لَمْ يُحرَمِ الزِّيادة ۔اور اس کی تصدیق کتاب خدا سے اس طرح سے ہوتی ہے: قال اللہ فی الدعاء ﴿ادعوني اَستجب لَكُم﴾ مؤمن/۶۰، وقال فی الاستغفار: ﴿وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرْ اللهَ يَجِدْ اللهَ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ نساء/۱۱۰، وقال فی الشکر: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لأَزِيدَنَّكُم﴾ ابراہیم/۷، وقال فی التوبۃ: ﴿إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُوْلَئِكَ يَتُوبُ اللهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللهُ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ نساء/۱۷، کچھ نسخوں میں اس فقرہ کو سید رضی سے منسوب کیا گیا ہے۔

قرآن وحدیث میں دعا کے بارے میں بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے مثلاً فرماتا ہے:

﴿ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِين﴾ (۱)

تم مجھ سے دعا کرو میں قبول کرونگا جولوگ میری عبادت سے روگردانی کریں گے وہ ذلت کے ساتھ جہنم میں جائیں گے۔

اس آیت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ دعا، عبادت ہے اور ہر مشکل وقت میں انسان کو خدا کی بارگاہ میں دعا کرنا چاہئے۔

حضرت امیر المومنینؑ نے امام حسنؑ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

واعْلَمْ اَنَّ الَّذي بيدِه خَزائِنُ السَّماواتِ والأرضِ قَدْ أذِنَ لَکَ في الدُّعاء، وتَكَفَّلَ لَکَ بالاِجابة. (۲)

بیٹے! جان لو کہ جس خدا کے قبضۂ قدرت میں آسمانوں اور زمین کے خزانے ہیں اسی خدا نے تمہیں یہ اجازت دی ہے کہ تم اسی سے دعا مانگو اور اس نے قبول کرنے کا اطمینان دلایا ہے، فرماتا ہے کہ میں قبول کرنے کی ضمانت لیتا ہوں یہ اس آیت کی طرف اشارہ ہے:

﴿وَإِذَا سَأَلَکَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِي إِذَا دَعَان﴾ (۳)

اور میرے بندے جب بھی مجھ سے سوال کرتے ہیں تو میں ان سے قریب ہوتا ہوں اور ان کی دعاؤں کو قبول کرتا ہوں۔

پھر امیر المومنینؑ اپنی وصیت میں فرماتے ہیں:

---

(۱) غافر ۶۰

(۲) نہج البلاغۃ نامہ ی ۳۱ واضح رہے کہ یہ وصیت نامہ دنیا کے سارے انسانوں سے مربوط ہے۔

(۳) بقرہ ۱۸۶

**وَاَمَرَکَ أنْ تَسْألَهُ لِيُعْطِيکَ**

اوراسی نے تمہیں حکم دیا ہے کہ اس سے مانگو تا کہ وہ تمہیں عطا کرے۔

**و تَسْتَرْحِمَهُ لِيَرحَمَکَ**

تمہیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم اس سے طلبِ رحمت کرو وہ تم پر رحم کرے گا۔

**و لَمْ يَجْعَلْ بَيْنَکَ وبَيْنَهُ مَنْ يَحْجُبُکَ عَنْهُ**

اس نے تمہارے اوراپنے درمیان کسی کو حاجب قرار نہیں دیا ہے ( کہ جس کے ذریعہ تم اپنی بات اس تک پہنچاؤ)۔

بلکہ انسان براہ راست ہر لمحہ ہر وقت خلوت وجلوت میں خداوند عالم سے لو گا سکتا ہے اوراس سے اپنی دعا طلب کرسکتا ہے کیوں کہ خداوند عالم اس سے ہر چیز سے زیادہ نزدیک ہے چنانچہ فرماتا ہے:

﴿ونَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيهِ مِنْ حَبْلِ الوَرِيدِ﴾

ہم اس سے اس کی رگِ گردن سے بھی زیادہ نزدیک ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ امیر المومنینؑ فرماتے ہیں: وہ تم سے اتنا نزدیک ہے کہ تم اس سے براہ راست اپنی دعاؤں اور خواہشوں کو طلب کر سکتے ہو اور جب تم اس کی طرف متوجہ ہونے کا ارادہ کرو گے تو کوئی چیز اس کے اور تمہارے درمیان مانع نہیں ہوگی۔

یہ چیز مسئلہ شفاعت سے، جو کہ ہمارے ضروریات دین و مذہب سے ہے، منافات نہیں رکھتی، کیوں کہ شفاعت کمالِ دعا کی شرط ہے اصل دعا کی شرط نہیں ہے۔ رسول خداؐ اور ائمہ اطہارؑ کی شفاعت کے معنی یہ ہیں کہ انسان ان انوار مقدسہ کو بارگاہ خدا میں اپنا شفیع قرار دے اور خود بھی خداوند عالم سے دعا کرے اور خدا کو ان کے حق کا واسطہ دے تا کہ اس کی دعا میں کوئی نقص نہ رہ جائے اور جلد مستجاب ہو جائے۔ کیوں کہ خدا نے انہیں شفاعت کی اجازت دی ہے۔

چنانچہ فرماتا ہے:

﴿مَنْ ذا الّذي يَشْفَعُ عِنْدَهُ اِلاّ باِذْنِهِ﴾ (۱)

کون ہے جو خدا کی بارگاہ میں اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کا حق رکھتا ہو۔

زیارت جامعہ میں منقول ہے:

الّلهُمَّ اِنّي لو وَجَدْتُ شُفَعَاءَ أقْرَبُ اِلَيْکَ مِنْ مُحَمَّدٍ و أهْلِ بَيْتِهِ الأطهارِ الأئمّةِ الأبْرارِ لَجَعَلْتُهُمْ شُفَعَائي. (۲)

اے اللہ اگر مجھے ایسے شفاعت کرنے والے ملتے جو محمد و آل محمدؐ کی بہ نسبت تجھ سے زیادہ قریب ہوتے تو میں انہی کو اپنا شفیع قرار دیتا لیکن مجھے ان سے بہتر کوئی نہیں ملا ہے۔

بس جس خدا نے اپنے اور بندہ کے درمیان کوئی حاجب نہیں رکھا ہے اسی خدا نے اپنے بندہ کو اس کی منزل مقصود تک جلد پہنچانے کے لئے محمدؐ و آل محمدؐ کو شفاعت کا حق عطا کیا ہے۔

دعا اور اس کے شرائط کے متعلق بہت کچھ وارد ہوا ہے ہم یہاں ایک جملہ نقل کرتے ہیں جو حدیث قدسی میں آیا ہے:

فَمِنکَ الدُّعاءُ وَعَلَيَّ الاِجابَةَ. (۳)

دعا تمہاری طرف سے اور قبولیت میری طرف سے۔

حضرت امیر المومنینؑ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: جس نے بندہ کو دعا کی توفیق دی ہے وہ اسے محروم نہیں کرے گا۔

الدُّعاءُ مُخُّ العِبَادَةِ ولا يَهْلَکُ مَعَ الدُّعاءِ أحَدٌ. (۴)

---

(۱) بقرہ: ۲۵۵

(۲) مفاتیح الجنان زیارت جامعہ۔

(۳) بحار الانوار ج ۹۰ ص ۳۷۲، وفی حدیث القدسی فمنك الدعاء وعَلَيَّ الإجابَةَ فَلا تُحْجَبُ عَنّي دعوةٌ اِلّا دعوةُ آكلِ الحرام۔

(۴) بحار الانوار ج ۹۳ ص ۳۰۰ اسی جلد کے ص ۳۰۲ پر رسولؐ سے منقول ہے کہ: افزعوا الى الله في حوائجكم و الجئوا اليه في ملمّاتِكُم و تضرّعوا اِلَيهِ و ادعوه فاِنّ الدّعاء مخّ العبادة و ما مِن مؤمنٍ يدعوا الله الّا استجابَ فاِما اَنْ يُعجّله له في الدّنيا او يؤجل له في الآخرة و أما ان يكفّر عنه مِنْ ذنوبه بقدر ما دعا ما لم يدع بمأثم۔

دعا عبادت کی حقیقت اوراس کا لب لباب ہے دعا کرنے سے کوئی ہلاک نہیں ہوتا ہے۔

قال الرضاؑ: سِلاحُ الأنبياءِ الدُّعَاءُ. (۱)

امام رضاؑ فرماتے ہیں: دعا انبیاء کا اسلحہ ہے۔

قال النّبيؐ: الدعاء سِلاحُ المُؤمِن. (۲)

دعا مومن کا اسلحہ ہے۔

ہوسکتا ہے کوئی یہ سوال کرے کہ ہم دعا کیوں کریں؟ کیونکہ ان میں سے اکثر قبول نہیں ہوتی ہیں۔(۳)

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بعض دعاؤں کے قبول نہ ہونے کی کوئی وجہ ہوتی ہے۔ پھر خدائے حکیم قبول کرنے میں مصلحت نہیں سمجھتا، لیکن جو بندہ خدا سے دعا کرتا ہے اور یہ نہیں سمجھتا کہ اس دعا کے قبول ہونے میں اس کا نقصان ہے۔ اسی لئے خدا اس کی دعا قبول نہیں کرتا ہے، اس کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی بچہ اپنے ماں، باپ سے سوئی یا قینچی وغیرہ مانگے اور اس کے والدین اسے یہ چیز نہ دیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ ان چیزوں سے خود کو زخمی کرلے گا لہذا وہ اسے اس سے بہتر کوئی چیز دیدیتے ہیں۔

ایک روایت میں وارد ہوا ہے:

اگر خدا اپنے بندہ کو کوئی چیز عطا کرنے میں مصلحت نہیں دیکھتا تو اس کے عوض وہ اسے دنیا و آخرت میں اس کی مطلوب چیزوں سے بہتر اشیاء عطا کرے گا۔(۴)

---

(۱) کافی ج ۲ ص ۴۶۸: قال الرضاؑ: علیکم بسلاح الانبیاء فقیل لہ: و ما سلاح الانبیاء؟ فقال الدعاء۔

(۲) کافی ج ۲ ص ۴۶۸ مرحوم کلینی نے کافی میں ایک باب قائم کیا ہے جس کا عنوان باب ان الدعاء سلاح المومن؛ بحار الانوار ج ۹۳ ص ۲۸۸ بحار میں یہ روایت عیون الاخبار الرضاؑ سے تین سندوں سے منقول ہے قال رسول اللہؐ: الدعاء سلاح المؤمن و عماد الدّين و نور السّمٰوات و الارض۔

(۳) مرحوم کلینیؒ نے کافی میں ایک باب قائم کیا ہے جس کا عنوان، باب ۲۴۔ علۃ الابطاء الاجابۃ۔ ملاحظہ کیجئے: بحار الانوار ج ۹۳ ص ۳۶۹۔

(۴) کافی ج ۲ ص ۶۲ عن ابي عبد اللہ(ع): اِنّ فيما أوحىٰ اللهُ عزَّوجَلَّ الىٰ موسى بن عمرانؑ يا موسىٰ بن عمران ما خَلَقْتُ خلقاً احبَّ اِليَّ مِنْ عبدي المؤمن فاِني اِنّما أبتليهِ لِمَا هُوَ خَيْرٌ له و اُعافيه لما هو خَيْرٌ لَهُ و أزوي عنه ما هو شرٌّ له لِمَا هو خير له و انا اَعلمُ بما يَصْلُحُ عليه عَبدي فليصبرْ على بلائي وليشكرْ نعمائي و

۲۔استغفار کی توفیق

مَنْ اُعْطيَ الاِسْتِغْفارَ لَمْ يُحرمِ التوبةَ

جس شخص کو توبہ کرنے کی توفیق عطا کی گئی وہ توبہ کے قبول ہونے سے محروم نہیں رہے گا۔

خداوند عالم کا ارشاد ہے:

وَإِنِّی لَغَفَّارٌ لِمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَى (۱)

اور میں یقیناً اس شخص کو بہت زیادہ بخشنے والا ہوں جو توبہ کرے، ایمان لائے اور صالح عمل کرے اور پھر ہدایت پر ثابت قدم رہے۔

جب انسان صحیح طریقہ سے غور کرتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے جو گناہ صادر ہوتے ہیں وہ اس معنوی بیماری کی وجہ سے ہوتے ہیں جس میں وہ مبتلا ہے کیونکہ جس طرح انسان ظاہری تندرستی اور بیماری سے گذرتا ہے اسی طرح وہ روحی ومعنوی صحت اور بیماری سے بھی گذرتا ہے اور گناہ روح کی بیماری ہے۔

روح کی صحت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا اخلاق صحیح رہے اور روحی بیماری کے معنی یہ ہیں کہ انسان کا اخلاق ناپسند اور اس کا کردار ناشائستہ ہو۔

رسولؐ اسلام حضرت محمد بن عبداللہ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

اَلا اُخبِرُكم بِدائكم و دوائكم ؟ قلنا: بلىٰ يا رسول اللهؐ ، قال دَائُكُمُ الذنوبُ و دَوائُكُمُ الاِستغفارُ. (۲)

(صفحہ قبل کا باقی) لُيَرْضَ بقضائي اكتبُه في الصدّيقين عندي إذا عَمِلَ برضائي و اَطاع أمري. و در عدة الداعي ١٥. عن النّبيؐ : افزعوا الىٰ الله في حوائجكم و الجئوا اليه في مُلمّاتكم و تضرّعوا اليه و ادعوه فاِنّ الدُّعاء مُخُّ العبادَةِ وما مِنْ مُؤمن يدعو الله الاّ استجاب فأما اَن يعجّله له في الدُّنيا او يؤجل له في الآخرة و اَمّا ان يُكَفِّر عنه مِنْ ذنوبه بقدر ما دعا ما لم يدعُ بمأثم۔

(۱) طہ:۸۲

(۲) بحار الانوار ج ۹۳ ص ۲۸۲

کیا میں تمہیں، تمہاری بیماری اور اس کے علاج سے آ گاہ نہ کروں؟ ہم سب نے عرض کی: اے اللہ کے رسولؐ ضرور آ گاہ کیجئے۔ فرمایا: تمہارے گناہ تمہاری بیماری ہے اور ان کی دوا بھی تمہارے اندر موجود ہے اور وہ ہے گناہوں سے توبہ کرنا اور خدا سے استغفار کرنا۔

یہ حدیث امام جعفر صادقؑ کی حدیث کی مانند ہے آپؑ نے ایک شخص سے فرمایا:

تمہارا علاج خود تمہارے پاس ہے، تمہاری بیماری اور اس کا علاج تمہارے وجود میں موجود ہے، اپنی صحت وتندرستی کے راز کو تم جانتے ہو اور بیماری کی دوا کی طرف تمہاری راہنمائی کر دگئی ہے اب یہ تمہیں دیکھنا ہے کہ تم اپنے نفس کے ساتھ کس طرح پیش آتے ہو۔(۱)

یعنی انسان کو اپنا طبیب خود ہی ہونا چاہئے اور عقل وشرع کی مدد سے خود کو روحی مرض سے محفوظ رکھنا چاہئے اور ان بیماریوں کا علاج کرنا چاہئے جن میں وہ مبتلا ہے۔

خداوند عالم نے انسان کو راستہ دکھا دیا ہے:

﴿اِنَّا هَدَيناهُ السَّبِيلَ اِمَّا شاكِراً و اِمَّا كَفُوراً﴾ (۲)

ہم نے انسان کو راستہ کی ہدایت دیدی ہے اب وہ چاہے شکر گزار بن جائے یا کفران نعمت کرنے والا بن جائے۔

ناشائستہ اور برے کاموں کو بیان کر دیا ہے تاکہ ان سے پرہیز کرے اور نیک باتیں بھی بتا دیں ہیں تاکہ ان پر عمل کرے، انسان چاہے خدا کی معصیت کرے یا اس کی عبادت واطاعت۔

انسان کی بصیرت خود اس کے اندر موجود ہے اور جس طرح وہ اپنی بیماریوں کو پہچانتا ہے اسی طرح وہ عقل و شریعت کے ذریعہ اپنی روحی ومعنوی بیماریوں کا بھی علاج کر سکتا ہے، اگر ایسا نہیں کرے گا تو جواب دہ ہے۔

---

(۱) کافی ج ۲ ص ۴۵۴، وسائل الشیعۃ ج ۱۵ ص ۱۶۱، مستدرک الوسائل ج ۱۱ ص ۱۴۲، بحار الانوار ج ۵۷ ص ۲۸۳، تحف العقول ص ۳۰۵، قال ابو عبداللہؑ لرجل: انک قد جُعِلتَ طبیبَ نَفْسِکَ وبُیِّنَ لک الداء وعُرِّفتَ آیۃَ الصِّحۃِ وَ دُلِلْتَ علیٰ الدواء فانظر کیف قیامُکَ علیٰ نفسک۔

(۲) انسان: ۳

چـاهسـت و راه و دیـده ی بیـنـا و آفتـاب

تـا آدمـی نـگـاه کـنـد پیش پـائـی خویـش

سـعـی طبیـب مـوجـب درمـان درد نیست

درمـان در دخـود بـطـلـب از دوای خویـش (۱)

راستہ میں کنواں ہے خدا تمہارے لئے دیکھنے والی آنکھ اور روشن سورج قرار دیا ہے تا کہ تم سامنے دیکھو، طبیب کی کوشش علاج کا سبب نہیں ہوتی، تم اپنا علاج اپنی ہی دوا سے کرو، جب تم خود ہی اپنے طبیب ہو تو اپنے مرض کا اس دوا سے علاج کرو جو تمہارے اندر موجود ہے۔

۳۔ شکر کی توفیق

مَنْ اُعْطِيَ الشُّكْرَ لَمْ يُحْرَمِ الزِّيادَةَ

جس شخص کو خدا کی طرف سے شکر ادا کرنے کی توفیق عطا ہوئی ہے وہ نعمتوں کی افزائش سے محروم نہیں رہے گا۔

قرآن مجید میں خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾ (۲)

اگر تم میرا شکر ادا کرو گے تو میں ضرور تمہاری نعمتوں میں اضافہ کرونگا اور اگر تم کفرانِ نعمت کرو گے تو میرا عذاب بھی شدید ہے۔

دوسری آیت میں ارشاد ہے:

﴿إِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلايَرْضَى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَإِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ﴾ (۳)

---

(۱) کلیات سعدی مواعظ ص ۱۰۱۲-۱۰۱۵

(۱) ابراہیم: ۷

(۲) زمر ۷

(حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا) اگر تم خدا کی نعمتوں کا انکار کرو گے تو خدا تم سے بے نیاز ہے اور وہ اس بات سے خوش نہیں ہے کہ اس کے بندے کفر کریں اور اگر تم اس کا شکر ادا کرو گے تو وہ تم سے خوش ہو جائیگا۔

اس بنا پر نعمت کا شکر ادا کرنا ضروری ہے، خاص طور سے دو صورتوں میں:

الف: شکرِ خدا

جاننا چاہئے کہ خدا کی نعمتوں کی قدر دانی اور شکر گذاری کے چار رکن ہیں اگر یہ چار رکن ہوتے ہیں تو شکر گذاری مکمل ہوتی ہے:

پہلا: جب انسان کو خدا کی معرفت ہو جاتی ہے تو وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ نعمت خدا کی طرف سے ملی ہے۔

دوسرا: خدا کی نعمتوں سے خوش اور راضی رہے۔

تیسرا: دل سے بھی خدا کا شکر ادا کرے اور زبان سے بھی

دل سے شکر گذاری کے معنی یہ ہیں کہ انسان خدا کا بندہ رہے اور زبان سے شکر کا مطلب یہ ہے کہ وہ الحمد اللہ رب العالمین کہے یعنی ساری حمد خدا سے مخصوص ہے جو عالمین کا پروردگار ہے۔

چوتھا: نعمت کو اسی جگہ صرف و استعمال کرے جہاں خدا نے اس کے استعمال کا حکم دیا ہے لیکن یہ چیز بے پناہ علم و دانش پر موقوف ہے یہ ہر شخص کو میسّر نہیں ہے مگر یہ کہ خالقِ نعمت اس کی راہنمائی کرے کیونکہ خدا کی تمام نعمتوں کا علم حاصل کرنا ممکن نہیں ہے:

﴿وَاِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللهِ لاتُحْصُوهَا﴾(۱)

اگر تم خدا کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو ہرگز شمار نہیں کر سکتے (یعنی جو کچھ تمہارے بدن میں کان، آنکھ وغیرہ ہیں اور جو نعمتیں زمین میں ہیں جیسے ہوا، پانی وغیرہ اور جو کچھ آسمان میں ہیں جیسے آفتاب و ماہتاب وغیرہ جنات اور فرشتے وغیرہ ہیں) یہ سب خدا کی نعمتیں ہیں جن کو تم شمار نہیں کر سکتے۔

---

(۱) ابراہیم: ۳۴

دوسرا ان نعمتوں کو صحیح جگہ پر استعمال کرنے کے لئے علم شریعت درکار ہے کیونکہ عقلِ انسان تمام اشیاء اور امور کے نفع ونقصان سے واقف نہیں ہے لہذا عقل اسے ان نعمتوں کے صحیح استعمال کی جگہ بتانے سے قاصر ہے یہ شکرادا کرنے کے ارکان ہیں اگر یہ ارکان ہونگے تو انسان شکرادا کر سکے گا اور وہ شکر گذاری کے فریضہ پر عمل کرے گا پھر بھی انسان خدا کی بے شمار نعمتوں کا شکرادا کرنے سے عاجز ہے۔ خدا کا شکر ادا کرنے سے عاجزی کے ساتھ انسان کو یہ کہنا چاہئے: پروردگار! میں تیری کسی بھی نعمت کا شکرادا کرنے سے عاجز ہوں چہ جائیکہ تیری تمام نعمتوں کا شکرادا کروں۔

واضح رہے کہ تمام نعمتوں سے افضل حضرت رسولؐ اکرمؐ کا وجودِ مبارک ہے حضرت امیر المومنینؑ بعثت کے وقت کے حالات بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فاعتبروا عبادَ اللّٰه واذكروا تيک التي آباؤكم و اِخوانُكُمْ بها مُرْتَهَنُونَ، وعليها مُحَاسَبُونَ (۱)

اے لوگو! تم اپنے پہلے حالات سے عبرت حاصل کرو اور یہ سوچو کہ رسولؐ کی بعثت سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں تمہارے آباء واجداد کے حالات کیا تھے اور انکا کردار کس چیز کا رہین تھا ان کے کیا حالات تھے رسولؐ کی بعثت سے انقلاب آیا ہے۔

آپؑ کے اس قول کے مخاطب اگر چہ اس زمانہ کے افراد تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپؑ کے فرمودات قیامت تک ہر عہد کے لوگوں کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ لہذا انسان کو چاہئے کہ اس عظیم نعمت کا شکرادا کرے اور سب سے بڑی نعمتِ رسولؐ کے وجود کی قدر کرے اگر چہ لوگ اس نعمت کا شکرادا نہیں کر سکتے قرآن مجید نے کی اس بے نظیر نعمت کو خدا کا احسان قرار دیا ہے فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ﴾(۲)

یقیناً خدا نے مومنوں کے درمیان انہیں میں سے رسول بھیج کر ان پر احسان کیا ہے۔

---

(۱) نہج البلاغہ خطبہ: ۸۹ (۲) آل عمران: ۱۶۴

جس طرح ہم رسولؐ کے وجود کی نعمت کا شکرادا نہیں کر سکتے اسی طرح ہم اس کی حقیقت کو بھی نہیں سمجھ سکتے ۔شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

لا تُـجِـلْ فـي صِـفـاتِ أحْـمَـدَ فِـكْـراً

فهِـيَ الـصـورـةُ التـي لَـنْ تَـراهَـا (۱)

رسول اکرمؐ کی حقیقت کو پہچاننے کے لئے نہ سوچو کیونکہ یہ ایسی صورت ہے جس کو تم ہر گز نہیں دیکھ سکو گے ۔ان کے وجود کی حقیقت کو تم پہچان نہیں سکو گے ۔

ب ۔شکر گذاری ایک خوبی ہے ۔

روایات میں وارد ہوا ہے کہ اگر کسی شخص نے لوگوں کی قدر نہیں کی تو اس نے خدا کی بھی قدر نہیں کی ۔

امام رضاؑ فرماتے ہیں:

مَنْ لَمْ يَشكر المُنعم مِنَ المَخلوقين لم يَشكر اللّه عزَّ وجَلَّ (۲)

جس شخص نے مخلوق میں سے اپنے کرم فرما کا شکریہ ادا نہیں کیا اس نے خدا کا شکرادا نہیں کیا۔

۴ ۔توفیق صبر

مَنْ أُعطيَ الصَّبرَ لَمْ يُحْرَمِ الأجر

جس شخص کو صبر کی توفیق عطا کی گی وہ اجر و ثواب سے محروم نہیں رہے گا۔

صبر کے معنی یہ ہیں کہ روح عقل و شریعت کے تحت استقامت کرے ۔

صبر مختلف موقعوں پر کیا جاتا ہے ،کبھی معصیت کے مقابلہ میں اور کبھی دنیا کی محبت کے بارے میں ۔(یعنی انسان دنیا سے رغبت نہ رکھے )،اس کو زہد کہتے ہیں غیظ وغضب کے وقت صبر (اس کو حلم و بردباری کہتے ہیں )جہاد میں صبر (اس کو شجاعت کہتے ہیں )۔

---

(۱) تخمیس الازریۃ ،شیخ جابر کاظمی ص ۱۳۰

(۲) بحار الانوار ج ۷۱ ص ۴۴

بعض لوگوں کا خیال یہ ہے بہت سے فضائل وکمالات صبر ہی کے تحت آتے ہیں اسی طرح بہت سے فضائل وکمالات شکر کے تحت آتے ہیں۔

ایک روایت میں رسولؐ سے نقل ہوا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

الایمانُ نِصفانِ: نصفٌ في الصّبر و نِصْفٌ في الشُّكر. (۱)

ایمان کے دو جزء ہیں ایک جزء صبر میں ہے اور دوسرا جزء شکر میں ہے۔

دوسری حدیث امام صادقؑ سے نقل ہوئی ہے:

مَـنْ اُعطيَ ثَلاثَةً لَمْ يُحْرَمْ ثَلاثةً، من اُعْطي الدعاء اُعطي الاِجابة و مَنْ اُعطيَ الشكر اُعطيَ الزيادة، ومن اُعطي التوكُّل اُعطي الكفاية. (۲)

جس شخص کو تین چیزیں عطا کی گئیں وہ تین چیزوں سے محروم نہیں رہے گا۔ جس کو دعا کی توفیق عطا کی گی وہ قبولیت سے محروم نہیں رہے گا، جس کو شکر ادا کرنے کی توفیق عطا کی گئی وہ افزائش وبرکت سے نوازا گیا اور جس کو توکّل کی توفیق عطا کی گئی اس کو کافی دولت مل گئی۔

یہ حدیث خصوصاً توکّل کے بارے میں آئی ہے: جس شخص کو توکّل کی توفیق عطا کی گئی اس کے کاموں کے لئے خدا کافی ہے۔ آیۂ شریفہ میں ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهُ﴾(۳)

اور جو شخص خدا پر توکّل کرتا ہے خدا اس کے لئے کافی ہے۔

---

(۱) بحار الانوار ج ۷۷ ص ۱۵۲

(۲) خصال صدوق باب منش ھای سہ گانہ متن ۲۶۸، وسائل الشیعۃ ج ۷ ص ۲۹، بحار الانوار ج ۷۱ ص ۱۳۵، ج ۹۳ ص ۳۶۲، عـن ابـي عبـد الله البرقي عن ابيه عن محمّد بن ابي عمير عن معاوية بن وهب عن ابي عبد اللهؑ انّه قال: يا معاوية مـن اُعـطي ثلاثةٍ لم يُحْرم ثلاثةً، من اُعطي الدعاء اُعطي الاِجابة ومن اُعطي الشكر اُعطي الزّيادة، و من اُعطي التوكّـل اُعـطي الـكفاية فانّ الله عزّ و جلّ يقول في كتابه: ﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهُ﴾ طلاق/۳، و يقول ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ ابراهيم /۷، و يقول ﴿ادْعُونِى أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ غافر/ ۶۰.

(۳) طلاق: ۳

امام محمد تقیؑ ایک روایت میں فرماتے ہیں:

الثِّقَةُ باللّٰهِ ثَمَنٌ لکلِّ غالٍ وسُلَّمٌ لکلِّ عالٍ. (۱)

خدا پر بھروسہ کرنا اور سارے کام اس کے حوالے کردینا بڑی قیمتی چیز ہے اور ہر ترقی کا زینہ ہے۔

بنا برایں تمام کاموں میں خدا پر توکّل کرنا چاہئے لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ انسان ظاہری وسائل سے ہاتھ دھولے کیونکہ ظاہری اسباب و وسائل کو خدا نے ایک راستہ کے عنوان سے معین کیا ہے اور کام میں خدا کے معین کئے ہوئے راستہ سے وارد ہونا چاہئے مثلاً تاجر، تجارت کے میدان میں قدم رکھے اور خدا پر توکّل بھی کرے، یا طلبہ کو اس طرح کوشش کرنی چاہئے جیسا کہ حق ہے اور سنجیدگی و دلجمعی کے ساتھ اپنے اسباق کا مطالعہ کرنا چاہئے، بحث و مباحثہ کرنا چاہئے اور اسی کے ساتھ خدا پر بھی توکّل کرنا چاہئے اور خدا سے یہ دعا کرنا چاہئے کہ وہ انہیں اس صفتِ کمال تک پہنچادے جو انسان کے شایان شان ہے یعنی انہیں حقیقی علم سے نوازے۔ (۲)

۞۞۞۞۞

---

(۱) بحارالانوار ج ۷۸ ص ۳۶۴

(۲) علم بالیست مرغ جانت را — بر سپہر او برد روانت را

دل بی علم چشم بی نور است — مرد نادان ز آدمی دور است

علم تمہارے روح کے لئے پر ہے، وہ تمہاری روح آسمان پر پہنچادے گا۔ جس دل میں علم نہیں ہے اس کی مثال بے نور آنکھ کی سی ہے نادان آدمیت سے دور ہے۔ جام جم اوحدی مراغہ ای صفت علم کے بارے میں۔ ''م''

# آٹھویں تقریر

خدا کی عبودیت و بندگی، دعا نیک اعمال کی جڑ، لوگوں کے لئے نیک خواہشات

- خدا کی عبودیت و بندگی اور شرک سے علیحدگی
- حقیقی عبودیت کو علم فقہ بیان کرتا ہے
- نیک اعمال کی جزا
- تم دعا کرو میں قبول کرونگا
- جو اپنے لئے پسند کرو وہی غیر کے لئے پسند کرو
- نیک اعمال و نوافل کے ذریعہ خدا کا تقرّب حاصل کرو

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:

اوحی اللّٰہ تعالیٰ الیٰ آدمؑ:

یا آدم! انّي أجمعُ لَکَ الحِکْمَةَ في أربعِ کلماتٍ، واحدةٌ لي و واحدةٌ لک و واحدةٌ فیما بَیْني و بَیْنکَ و واحدةٌ فیما بَیْنَکَ و بَیْنَ النّاس فأمّا الّتي لي فتعبدني لا تُشْرِکُ بي شیئاً، و امّا الّتي لک فأُجازیکَ بعَمَلِکَ أحوجَ ما تکونُ الیه، و أمّا التي فیما بیني و بینَک فعلَیک الدعاء و علَّيَّ الاِجابةُ، و امّا الّتي بینک و بین النّاس فترضیٰ للنّاسِ ما ترضیٰ لِنفسِکَ. (۱)

خداوند عالم نے حضرت آدمؑ پر وحی نازل کی کہ میں نے تمہارے لئے علم وحکمت کو چار کلمات میں جمع کر دیا ہے۔ ان میں سے ایک مجھ سے مخصوص ہے اور ایک تم سے اور ایک میرے اور تمہارے درمیان ہے اور ایک تمہارے اور دیگر لوگوں کے درمیان مشترک ہے، جو مجھ سے مخصوص ہے اور تمہارے اوپر حق ہے وہ یہ ہے:

﴿فَتَعْبُدُني لا تُشْرِکُ بي شیئاً﴾

---

(۱) امالی صدوق ۳۶۲ ودر بحار الانوار ج۱۱ص ۲۵۷ پر یہی حدیث اس طرح نقل ہوئی ہے: (انّي اَجمعُ لکَ الخیرَ کلَّہ في اَربع کلمات) اس عنوان سے بھی (انّي سأجمعُ لک الکلام في أربع کلمات) بھی آئی ہے۔

میری عبادت و پرستش کرو اور کسی کو میرا شریک قرار نہ دو۔

جاننا چاہئے کہ انسان کی خلقت کا مقصد عبادت ہے انسان کو دنیا میں اس لئے بھیجا گیا ہے تا کہ وہ خدا کو پہچانے اور اس کی عبادت و بندگی کرے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾ (۱)

اور ہم نے آپؐ سے پہلے کسی رسولؐ کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس پر یہ وحی کی کہ لوگوں سے یہ کہہ دو: میرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے پس تم میری ہی عبادت کرو۔

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ (۲)

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (۳)

اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو کہ جس نے تم کو اور تم سے پہلے والوں کو پیدا کیا ہے ہو سکتا ہے اس طرح تم پرہیزگار بن جاؤ۔

عبودیت کا مسئلہ بہت اہم ہے اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ہم تشہد میں محمدؐ کی نبوّت کی گواہی دیتے تو پہلے ہم یہ اقرار کرتے ہیں کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور اس کے بعد یہ گواہی دیتے ہیں کہ محمدؐ اللہ بندے ہیں پھر آپؐ کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں۔

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ﴾

میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کے بندے اور اس کے رسولؐ ہیں۔

---

(۱) انبیاء ۲۵ (۲) بینہ ۵

(۳) بقرہ ۲۱

واضح ہے کہ یہاں عبودیت، رسالت پر مقدم ہے جناب نوحؑ کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ﴾ (۱)

پس انہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا اور کہنے لگے: یہ ہے بلکہ انہیں جھڑکا بھی۔

یہاں حضرت نوحؑ کی عظمت بلند کرنے کے لئے انہیں اپنے بندے کے عنوان سے یاد کیا ہے یا حضرت ابراہیمؑ اور ان کے بیٹوں کو اسی عنوان سے یاد کیا ہے:

﴿وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ﴾ (۲)

ہمارے بندے ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب کو یاد کیجئے جو طاقت وبصیرت والے تھے۔

اسی طرح ایوب وسلیمان کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ﴾ (۳)

وہ بہترین بندہ اور ہماری طرف رجوع کرنے والا ہے۔

ائمہؑ کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَةَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ﴾ (۴)

اور ہم نے انہیں پیشوا وامام قرار دیا ہے وہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے ہیں اور ہم ان کی طرف نیک کام انجام دینے، نماز قائم کرنے اور زکواۃ دینے کی وحی کرتے رہتے ہیں اور وہ سب ہمارے عبادت گزار ہیں۔

جو امام خدا کی طرف سے منصوب ہوتے ہیں ان کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ خلوص کے ساتھ خدا کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے مخلص بندے ہوتے ہیں۔

---

(۱) قمر ۹ (۲) ص ۴۵

(۳) ص ۴۴ (۴) انبیاء ۷۳

موحدین کے بارے میں فرما تا ہے:

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمَانِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمْ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَاماً﴾ (۱)

خدا کے مخلص بندے وہی ہیں جو زمین پر خاکساری کے ساتھ چلتے ہیں اور اگر جاہل ان سے چھیڑ خانی کرتے ہیں تو وہ انہیں سلامتی کی دعا دیتے ہوئے نکل جاتے ہیں اور انتقام نہیں لیتے بلکہ حلم و بردباری سے کام لیتے ہیں۔

رسولؐ کے بارے میں فرما تا ہے:

﴿سُبْحَانَ الَّذِى أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنْ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَىٰ﴾ (۲)

پاک و پاکیزہ ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گئی (یہ مسجد اقصیٰ آسمان پر ہے)

پھر فرما تا ہے:

﴿أَلَيْسَ اللهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ﴾ (۳)

کیا خدا اپنے بندہ کی حمایت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔

یہاں بھی بندہ ہی کی لفظ سے یاد کرتے ہیں مختصر یہ کہ ہر جگہ عبودیت و بندگی ہی کا مسئلہ بیان ہوا ہے خواہ تعریف کے مقام میں ہو خواہ مقام کفالت و حمایت میں ہو۔

بنا بر ایں عبودیت کا مسئلہ بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ اس عالم کی خلقت کا مقصد بھی یہی ہے کہ لوگ خدا کی معرفت حاصل کرنے کے بعد خدا کی عبادت کریں:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (۴)

---

(۱) فرقان ۶۳ (۲) اسراء ۱

(۳) زمر ۳۶ (۴) ذاریات: ۵۶

اور ہم نے جناتوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر یہ کہ وہ میری عبادت کریں۔

انسان جتنی زیادہ خدا کی عبادت کرے گا اسی تناسب سے اس کی شرافت وفضیلت میں اضافہ ہوگا۔

حضرت علیؑ خدا سے مناجات کرتے ہیں:

الٰهي كفىٰ بي عزّاً أن أكونَ لَكَ عَبداً و كفىٰ بي فَخْراً أن تَكونَ لي رَبّاً، أنتَ كما اُحِبُّ فاجْعَلني كما تُحِبُّ. (۱)

معبود! میرے لئے اتنی ہی عزت کافی ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں اور میرے لئے اتنا ہی فخر کافی ہے تو میرا رب ہے تو وہی خدا ہے جس کی مجھے طلب تھی (یعنی تو ہی وہ خدا ہے کہ جس میں تمام صفات کمال و جمال وجلال جمع ہیں ایسا خدا ہے جو عالم وقادر اور زندہ ہے) پس مجھے ایسا بنادے جیسا تو چاہتا ہے۔

## فقہ یا صحیح طور سے عبادت کرنے کا علم

یہ تو واضح ہو چکا ہے کہ انسان خدا کی عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے لیکن یہ جاننے کے لئے -- کہ عبادت کیسے کرے تاکہ عبودیت کے فریضہ کو کما حقہ انجام دے سکے -- علم ومعرفت کی ضرورت ہے اور علمِ فقہ اسی چیز کو بیان کرتا ہے علم فقہ انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ وہ اپنے تمام امور میں کس طرح خدا کی عبادت کرے، کس طرح نماز پڑھے برائیوں سے کس طرح روکے، نیک باتوں کا حکم کس طرح دے۔ مختصر یہ کہ طہارت سے دیات تک -- جو کہ ایک مکلّف کے افعال ہیں -- فقہ کے سارے احکام اس حقیقت کو بیان کرتے ہیں کہ انسان خدا کی عبادت کس طرح کرے۔

(۱) بحار الانوار ج۹۴ ص۹۲ تا ۹۴، خصال صدوق باب التسعة متن ۱۴/۷، تسع كلمات تكلم بها أمير المومنينؑ: حدثنا ابو محمد الحسن بن حمزة العلوي قال: حدثني يوسف بن محمد بن الطبري عن سهل بن بحرة، حدثنا وكيع عن زكريا بن ابي زائدة عن عامر الشعبي قال: تكلم أمير المومنينؑ بتسع كلماتٍ ارتجلَهُنّ ارتجالاً فقأن عيون البلاغة، وايتمن جواهر الحكمة، و قطعن جميع الأنام عن اللحاق بواحدة منهن، ثلاثٌ منها في المناجات، وثلاثٌ منها في الحكمة، وثلاثٌ منها في الأدب۔ فأمّا اللاتي في المناجات فقال: الٰهي كفىٰ بي عزاً ان اكون لك عبداً و كفىٰ بي فخراً ان تكون لي رباً انت كما أُحبّ فاجعلني كما تُحبُّ...

البتہ ان مسائل میں اگر انسان کا مقصد خدا ہوتا ہے تو اس کے سارے اعمال عبادی ہوتے ہیں یہاں تک کہ مباح امور بھی ، اگر یہ امور قربت کی نیت سے خدا کے لئے انجام دیئے جائیں گے تو عبادت شمار ہوں گے۔

مثلاً اگر انسان اس نیت سے کھانا کھائے یا اس نیت سے سوئے کہ اس سے عبادت کے لئے طاقت و نشاط پیدا ہوگا تو اس کے یہ اعمال عبادت شمار ہونگے۔

مورد بحث حدیث کے بعد والے حصہ میں فرماتے ہیں:

و أمّا الّتي لَکَ؛ اُجازيکَ بِعَمَلِکَ أحْوَجَ مَا تَکُونُ اِلَيهِ

لیکن تمہارا حق یہ ہے کہ اگر تم نے نیک عمل کیا ہے تو وہ محفوظ ہے اور تمہیں جہاں اس کی ضرورت ہوگی میں وہاں تمہیں اس کی جزا دونگا وہاں تم اس کا نتیجہ دیکھ لوگے۔

انسان کا کوئی بھی عمل، خواہ نیک ہو یا بد، ختم نہیں ہوگا۔ اس بات پر قرآن کی بہت سی آیتیں دلالت کر رہی ہیں۔

جناب لقمان نے اپنے بیٹے کو جو وصیتیں کی ہیں انہیں قرآن نے بیان کیا ہے ان میں سے یہ بھی ہے:

﴿يَابُنَيَّ إِنَّهَا إِنْ تَكُنْ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمٰوَاتِ أَوْ فِي الأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللهُ إِنَّ اللهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ﴾(۱)

اے فرزند! جان لو کہ خداوند عالم حساب کے لئے مخلوق کے اچھے برے عمل کو حاضر کرے گا خواہ وہ رائی کے برابر ہو یا پتھر کے نیچے ہو یا آسمانوں کے طبقات اور زمین کے پردوں میں چھپا ہوا ہو بیشک خدا ہر چیز پر قادر ہے اور ہر چیز سے آگاہ ہے۔

دوسری جگہ فرماتا ہے:

﴿وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِراً﴾ (۲)

---

(۱) لقمان: ۱۶

(۲) کہف: ۴۹

اور قیامت کے دن وہ اپنے ہر عمل کو اپنے سامنے دیکھیں گے۔

پھر فرماتا ہے:

﴿وَمَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ (۱)

اور تم کو جزا نہیں دی جائیگی مگر اسی کی جو تم عمل کرتے تھے۔

رسولؐ فرماتے ہیں:

اِنَّما هي أعمالُكُمْ تُرَدُّ اِلَيْكُم (۲)

یہ تمہارے اعمال ہیں جو تمہاری طرف لوٹائے جارہے ہیں۔

حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

الأيّامُ صَحائِفُ آجالِكُمْ فَخَلِّدوها حُسْنَ أعْمَالِكُمْ. (۳)

یہ دن تمہارے اعمال کے لئے دفتر ہیں ان میں تمہارے اعمال لکھے جاتے ہیں پس ان میں اپنے نیک وصالح اعمال لکھوتا کہ ہمیشہ باقی رہیں اور تمہارے کام آئیں۔

و أمّا الّتي فيما بيني و بَيْنَکَ فَعَلَيکَ الدُّعاء و عليَّ الاِجابة.

اور جو چیز میرے اور تمہارے درمیان ہے وہ یہ ہے کہ تم دعا کرو میں قبول کروں گا۔

و أمّا التي بَيْنَکَ و بَيْنَ النّاسِ فَتَرْضىٰ للناسِ ما تَرْضىٰ لِنَفْسِکَ.

اور جو چیز تمہارے اور لوگوں کے درمیان ہے وہ یہ ہے کہ دوسروں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو۔

جس طرح تم اپنے لئے صحت وتندرستی ،حفاظت وامن، مال و دولت اور سہولت پسند کرتے ہو اسی طرح اپنے دینی بھائیوں کے لئے بھی پسند کرو۔

---

(۱) صافات ۳۹ — (۳) غرر الحکم، حرف الالف ۹۱ حدیث ۲۰۷۱

(۲) بحار الانوار ج ۱۰ ص ۴۵۴

انسان کے اندر اگر یہ کیفیت پیدا ہو جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس کے اندر تقریباً عدالت پیدا ہو گئی ہے۔
اس طرح انسان عبادت کے ذریعہ حقیقی عدالت تک پہنچ جاتا ہے اور اس کے اعمال و کردار خدا کو پسند آتے ہیں۔ حدیث قدسی میں ارشاد ہے:

میرا بندہ عبادت کے ذریعہ مجھ سے قریب ہوتا ہے اور مستحبات کی انجام دہی سے وہ اتنا زیادہ تقرّب حاصل کر لیتا ہے کہ میں اس کی آنکھ، کان اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں۔

اِنَّـهُ لَيَتَـقَـرَّبُ اِلَـيَّ بِـالنَافِلَةِ حتّٰى اُحِبَّهُ فإذا اَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الّذي يَسْمَعُ بِهِ، وبَصَرَهُ الّذي يُبْصِرُ بِه، ولِسَانَهُ الّذي يَنْطِقُ بِهِ، ويَدَهُ التي يَبْطِشُ بِها. (۱)

اسی لئے حضرت امیر المومنینؑ ید اللہ، اذن اللہ اور عین اللہ ہیں یہ لفظیں ان کے لئے اس لئے بیان ہوئی ہیں کہ ائمہ معصومینؑ خدا کی حقیقی عبودیت کے ذریعہ ان بلند درجات پر فائز ہوئے ہیں۔

❁❁❁❁❁

---

(۱) کافی ج ۲ ص ۳۵۲، محمّد بن یحییٰ عن احمد بن محمد بن عیسیٰ و ابو علي الأشعري، عن محمّد بن عبد الجبّار جميعاً عن ابن فضّال عن علي بن عقبة عن حمّاد بن بشير قال: سمعت ابا عبد اللهؑ يقول: قال رسول اللهؐ: قال الله عزّ و جلّ: من أهانَ لي ولياً فقد أرصَدَ لمُحارَبَتي وما تَقَرَّبَ اِليَّ عبدٌ بشيء أحبُّ اليَّ مما افترضتُ عليه و اِنَّهُ ليتقرَّبُ اِلَيَّ بالنافلة حتىٰ اُحِبَّهُ، فإذا اَحببتُه كنتُ سَمْعَهُ الّذي يَسْمَعُ بِهِ، وبَصَرَهُ الّذي يُبْصِرُ بِهِ، و لسانَهُ الّذي ينطق به، و يدُهُ التي يَبْطِشُ بِها، اِن دَعَاني اَجَبتُهُ واِنْ سألَني أعطيتُه؛ وما تردّدت عن شيءٍ انا فاعِلُهُ كتردّدي عن موتِ المؤمن، يكره الموت و أكره مسائته۔

# نویں تقریر

## عید فطر اور تقوے کی فضیلت

عید فطر کی فضیلت

عید یعنی نفس امارہ کے خلاف انسان کی کامیابی

روزہ کا تقوے سے ربط

شیعوں کے صفات

اِسْئَلُکَ بِحَقِّ هذا الیوم الّذي جَعَلْتَهُ للمسلمین عیداً، ولمحمّدٍ صلّیٰ اللّهُ علیه و آله ذُخراً وشَرَفاً و کَرَامَةً و مزیداً، أنْ تُصَلِّيَ علیٰ مُحمَّدٍ و آل محمّدٍ وأن تُدْخِلَني في کُلِّ خَیْرٍ أدْخَلْتَ فیه مُحَمَّداً و آلَ مُحَمَّدٍ و أن تُخْرِجَنِي مِن کُلِّ سُوءٍ أخْرَجْتَ مِنهُ مُحَمَّداً و آلَ مُحَمَّدٍ. (۱)

یہ دعا عید فطر اور عید قربان کی نماز میں ہم قنوت میں پڑھتے ہیں، خدا کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں:

اے اللہ! ہم تجھ سے اس دن کا واسطہ دے کر سوال کرتے ہیں کہ جس کو تو نے مسلمانوں کے لئے عید قرار دیا ہے۔

عید فطر کی عظمت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ہم خدا سے اس عید کے واسطہ سے سوال کرتے ہیں اور اس کی عظمت و فضیلت کے واسطہ سے اپنی حاجتیں طلب کرتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کی عظیم ترین عید ہے۔

عید فطر کی فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ رمضان کا مبارک مہینہ پر فیض مہینہ ہے کیونکہ خدا نے اس مہینہ میں اپنے بندوں پر روزہ واجب کیا ہے تاکہ وہ عبادت کرکے اور معصیتوں سے پرہیز کرکے مکمل فیض حاصل کریں درحقیقت اس مہینہ میں بندوں پر جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازوں کو بند کر دیا جاتا ہے، اور شیطانوں کو قید کر دیا جاتا ہے۔

---

(۱) اقبال ۲۸۹، مصباح کفعمی ۴۱۶، مفاتیح الجنان، اعمال روز عید

اسی وجہ سے اس مہینہ کی خاص فضیلت ہے۔ رسولؐ نے خطبۂ شعبانیہ میں ارشاد فرمایا:

أيّها النّاس إنَّ أبواب الجنانِ في هذا الشهرِ مُفَتَّحةٌ فاسْئَلوا رَبَّكُم أن لا يُغْلِقَها عَلَيْكُم وأبوابَ النيرانِ مُغْلَقَةٌ فاسْئَلوا رَبَّكُم أن لا يَفْتَحَها عَلَيْكُم والشياطينُ مَغْلُولَةٌ. (۱)

اے لوگو! اس مہینہ میں تم پر جنت کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں پس تم خدا سے یہ دعا کرو وہ تم پر ان دروازوں کو بند نہ کرے اس مہینہ میں تم پر جہنم کے دروازے بند ہیں خدا سے دعا کرو کہ وہ نہ کھلیں، اس مہینہ میں شیطانوں کو قید کر دیا جاتا ہے۔ خدا سے دعا کرو دوبارہ تم پر مسلّط نہ ہوں۔

انسان کے اعمال وعبادات وطاعات کے نتیجہ میں جنت کے دروازے کھلتے اور جہنم کے دروازے بند ہوتے ہیں اور نفس سے جہاد کے نتیجہ میں شیطانوں کو قید کیا جاتا ہے لیکن جو لوگ اپنے نفس سے جہاد نہیں کرتے ان کے لئے شیطان آزاد رہتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ آخرت کے لئے یہیں سے زادراہ وتوشہ لینا ہے:

الدُّنيا مَزْرَعَةُ الآخِرَةِ. (۲)

---

(۱) عیون اخبار الرضاؑ ج۱ص۲۳۰، عن الفضّال عن ابيه عن ابي الحسن الرضاؑ عن ابيه موسىٰ بن جعفر عن ابيه الصادق جعفر بن محمدؐ عن ابيه محمد بن عليّ عن ابيه زين العابدين علي بن الحسينؑ عن ابيه سيد الشهداء الحسين بن عليّ عن ابيه سيد الاوصياء أمير المؤمنين علي بن ابي طالب عليه الصلوة والسّلام قال: اِنّ رسول اللهؐ خَطَبَنا ذاتَ يوم فقال: ايّها النّاس انّه قد اَقْبَلَ اليكم شَهْرُ اللّهِ بالبركة و الرحمة و المغفرة...

(۲) ارشاد القلوب ج۱ص۸۹، عوالی اللئالی ج۱ص۲۶۷-- اور حاشیہ پر یہی روایت کنوز الحقائق سے نقل کی ہے جامع الصغیر کے حاشیہ پر چھپی ہے، بحار الانوار ج۴ص۳۱۴ بحوالہ تحف العقول حضرت عیسیٰؑ کے مواعظ نقل کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا، بحقٍّ اقولُ لَكُم اِنّ الدُّنيا خُلِقَتْ مَزْرَعَةٍ يَزْرَعُ فيها العِبادُ الحُلوَ و المُرَّ، الشرَّ و الخيرَ، الخيرُ له مَغَبّة نافعةٌ يومَ الحساب والشرُّ له عناءٌ وشقاءٌ يومَ الحصاد۔

پھل، باغات اور جنت کے چشموں کا انتظام یہیں سے کرنا ہے۔ارشاد ہے کہ:

سُبْحَانَ اللّٰهِ والحَمْدُ للّٰهِ ولا اِلٰه الّا اللّٰهُ واللّٰهُ أكبرُ۔(۱)

جنت کا پھل اور بہشت کے باغات ہیں۔

جب انسان کلمات کو حضور قلب اور توجہ کے ساتھ پڑھتا ہے تو اس وقت یہ بہشت کے میوں اور جنت کے باغات میں بدل جاتے ہیں۔

پس ماہ مبارک رمضان میں انسان نفسِ امّارہ اور شیطان سے بھی جنگ کرتا ہے اور خدا کی عبادت بھی کرتا ہے اور جب اس عظیم امتحان سے فارغ ہوتا ہے تو عید ہوتی ہے کیونکہ اس نے اپنا فرض پورا کر دیا اور خدا کی عبادت بجالایا ہے اسی لئے ہم عید کے قنوت میں اس طرح عرض کرتے ہیں:

اے اللہ! محمدؐ وآل محمد پر رحمت نازل فرما اور مجھے نیکیوں میں داخل ہونے اور بدیوں سے دور ہونے میں ان کا تابع قرار دے۔

روزہ کے ذریعہ انسان پر تقوے کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمْ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ. (۲)

روزہ انسان کی زندگی کے تمام مراحل اور اس کی حیات کے تمام امور میں تقویٰ پیدا کرنے کا سبب ہے۔تقوے کے بارے میں قرآن مجید میں بہت سی آیتیں ہیں اسی طرح ائمہ اطہارؑ کی احادیث میں بھی تقویٰ اختیار کرنے اور پرہیز گار بننے کی شدید تاکید کی گئی ہے۔

خصوصاً نہج البلاغہ میں حضرت علیؑ نے جگہ جگہ "اُوصِیکُم بِتقویٰ اللّٰهِ"(۳) فرمایا ہے۔

---

(۱) وسائل الشیعۃ ص ۱۲۰۵-۱۲۰۹

(۲) بقرہ:۱۸۳

(۳) نہج البلاغہ خطبات ۸۳، ۱۱۴، ۱۷۳، ۱۸۲، ۱۸۸، ۱۹۱، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۸

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں:

أيَكْتَفِي مَنْ انتحلَ التَشَيُّعَ اَنْ يَقُولَ بِحُبِّنا أهلَ البيتؑ؟ فَوَاللّٰهِ ما شيعتنا الّا مَنِ اتّقى اللّه و أطاعَهُ وما كانوا يُعْرَفُونَ يا جابر اِلاّ بالتواضُعِ والتخَشُّع والأمانَةِ وكثرة ذِكْرِ اللّٰهِ والصّومِ والصّلاةِ والبرِّ بالوالدين و التعاهُدِ للجيران من الفُقَراءِ وأهْلِ المَسْكَنَةِ والغارمينَ والأيتامِ وصِدْقِ الحديثِ وتِلاوةِ القرآنِ وكَفِّ الألْسُنِ عَنِ النّاسِ اِلاّ مِنْ خَيْرٍ، وكانوا اُمَنَاءَ عَشَائرِهِمْ في الأشياء. (۱)

کیا لوگ اتنا ہی کافی سمجھتے ہیں کہ انہیں شیعہ کہا جائے؟ خدا کی قسم ہمارا شیعہ وہی ہوسکتا ہے جو خدا کا تقویٰ اختیار کرے اور اس کی اطاعت کرے، اے جابر وہ نہیں پہچانے جاتے مگر چند صفات کے ذریعہ ان میں سے ایک خاکساری اور فروتنی ہے۔

مَنْ تَواضَعَ رَفَعَهُ اللّٰهُ ومَنْ تَكَبَّرَ خَفَضَهُ اللّٰهُ. (۲)

جو شخص خاکساری سے کام لیتا ہے خدا اسے بلندی پر پہنچا دیتا ہے اور جو تکبر سے کام لیتا ہے خدا اسے پست کر دیتا ہے۔

---

(۱) کافی ج۲ص۷۴، حدیث کا باقی حصہ: قال: جابر: فقلت: يابن رسول الله! ما نعرف اليوم أحداً بهذه الصفة، فقال: يا جابر! لا تذهبنّ بك المذاهب حَسْبُ الرّجل ان يقول: احبّ علياً و اتولّاهُ ثمّ لا يكون مع ذلك فعالاً؟ فلو قال: انّي احبّ رسول اللّٰهؐ- فرسول اللّٰهؐ خيرٌ من عليؑ -ثم لا يتّبع سيرته و لا يعمل بسُنّتِهِ ما نفعة حبه اِيّاه شيئاً فاتقوا الله و اعملوا لما عند الله، ليس بين الله و بين احدٍ قرابة، اَحبُّ العباد الى الله عزّ و جلّ (واكرمهم عليه) اتقاهم وأعمَلُهُم بطاعته، يا جابر و الله ما يُتقرب الى الله تبارك وتعالى الاّ بالطاعة و ما معنا برائة من النار ولا على الله لأحدٍ مِنْ حُجّة، من كان لله مطيعاً فهو لنا وليّ ومن كان لله عاصياً فهو لنا عدوّ وما تُنال ولايتنا الا بالعمل والورع۔

(۲) کافی ج۲ص۱۲۲، عن ابي عبد الله قال: أفطر رسولُ اللّٰهؐ عشيّة خميس في مسجد قبا فقال: هل مِنْ شراب؟ فأتاه أوس بن خولي الأنصاري بعُسٍّ مخيض بعسل فلمّا وضعه على فيه نحّاه، ثم قال: شرابان يُكتفىٰ بأحدهما من صاحبه، لا أشربُه ولا اُحرّمه ولكن اتواضع لله فاِنّ من تواضعَ لله رفعه الله ومَنْ تَكَبَّرَ خَفَضَهُ اللهُ ومَن اِقْتَصَدَ في معيشةٍ رزقه الله و من بذّر حرمه الله و من أكثر ذِكرَ الموت احبه الله۔

تشیع کے نمایاں خصوصیات میں سے خضوع وخشوع بھی ہے اور یہ خدا کو زیادہ یاد کرنے اور دل وزبان سے ذکرِ خدا کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔اسی طرح خدا کی عظمت کو یاد رکھے، سبحان اللہ کہتا رہے اور اس کی عظمت کی طرف متوجہ رہے، اللہ اکبر کہے اور اس کی وحدانیت کی طرف متوجہ رہے، لا الٰہ الا الله کہے اور اس کی نعمتوں کو یاد کرے اور الحمد للہ کہے (خصوصاً اگر یہ ذکر نماز میں کرے) تو اس سے انسان کے اندر بارگاہِ خدا میں خضوع وخشوع کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگی۔نماز پڑھنا، روزہ رکھنا والدین کے ساتھ نیکی کرنا بھی تشیع کی علامت ہے صدق وراست گوئی بھی تشیع کی پہچان ہے، عقائد میں بھی صداقت ہو نیت میں بھی، صداقت ہو اور کردار میں بھی صداقت ہو یعنی انسان اپنے خدا سے سچا معاملہ رکھے اور اس کی مخلوق سے بھی۔ بہترین اخلاق یہ ہے کہ امانت ادا کرے لوگوں کے بارے میں زبان نہ کھولے اگر کھولے تو ان کی نیکی و خوبی بیان کرے ان کی برائی اور عیوب کو زبان پر نہ لائے۔ان کے عیوب کی ٹوہ میں نہ رہے، اپنی زبان سے انہیں اذیت نہ پہنچائے کیونکہ جو شخص لوگوں کا امین ہوتا ہے وہ کسی بھی چیز میں خیانت نہیں کرتا ہے خواہ وہ مالی معاملہ ہو یا غیر مالی۔

# دسویں تقریر

## تزکیہ نفس اور پاک و پاکیزہ لوگوں کی نجات وکامیابی

قرآن کی قسموں کی حکمت
شمس وقمر کے حقیقی معنی
علم علیؑ، علم رسولؐ ہے
حقیقتِ انسان نفس ناطقہ ہے
انسان کی فضیلت کا معیار روح ہے نہ کہ بدن
روح کی صحت و بیماری
روح کا مرض بدن کے مرض سے بدتر ہے
نعمتِ تقویٰ، تندرستی کی نعمت سے کہیں بلند ہے۔
خوبیوں اور بدیوں کی پہچان فطری ہے
پاک لوگوں کی رستگاری
اسلام یعنی پاکیزگی
ظاہری پاکیزگی طہارت کا پہلا درجہ
معصیت سے پاکیزگی طہارت کا دوسرا درجہ
جہالت و نادانی سے روح کا طہارت کا تیسرا درجہ
دل کا غیر خدا کی محبت سے پاک ہونا
محمدؐ وآل محمدؐ کی محبت، خدا کی محبت ہے۔

وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا. (۱)

خداوند عالم اہم باتیں بیان کرنے کے لئے قرآن مجید میں قسم کھاتا ہے، قسم اس وقت کھائی جاتی ہے جب مد مقابل منکر ہوتا ہے چونکہ کفارِ قریش اور عرب کے بت پرست خدا کی آیتوں کے منکر تھے اس لئے خدا نے قسم کھائی ہے۔

اس سورہ میں خداوند عالم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد فرماتا ہے۔

وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا وَالْقَمَرِ إِذَا تَلاهَا. (۲)

قسم ہے سورج کی اور اس کی روشنی کی اور قسم ہے چاند کی جب وہ اس کے پیچھے چلے۔

یہ ہیں آیت کے ظاہری معنی لیکن اس کے باطنی معنی یہ ہیں: سورج سے مراد ختمی مرتبت حضرت محمد بن عبداللہؐ ہیں اور چاند سے مراد امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ ہیں۔

رسولؐ کو اس لئے سورج سے تشبیہ دی گئی ہے کہ آپؐ کی بعثت سے پہلے ہر جگہ جہالت، فتنہ وفساد اور بد خلقی کی تاریکی چھائی ہوئی تھی لیکن جب مکہ کے افق سے حقیقت محمدیہ کا آفتاب طلوع ہوا تو ساری تاریکیاں چھٹ گئیں اور دنیا علم ودانش، صداقت وصلاح اور پسندیدہ اخلاق کی روشنی سے منور ہوگئی۔

---

(۱) شمس ۱

(۲) شمس ۱و۲

حضرت امیر المومنینؑ علی بن ابی طالبؑ کو چاند سے اس لئے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح سورج کے بعد چاند نکلتا ہے اسی طرح آپؑ رسولؐ کے بلافصل خلیفہ ہیں اور آپؑ اسلام کے احکام وقوانین کے محافظ ہیں، اور جس طرح چاند، سورج سے کسب ضیاء کرتا ہے۔ حضرت امیر المومنینؑ نے اسی طرح وجودِ رسولؐ سے نور، علم وحکمت حاصل کیا ہے رسولؐ نے آپؑ کے بارے میں فرمایا ہے:

**أنا مَدِينَةُ العِلْمِ وعَلِيٌّ بَابُها. (۱)**

میں شہر علم ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔

**﴿وَالنَّهَارِ إِذَا جَلَّاهَا وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا وَالسَّمَاءِ وَمَا بَنَاهَا وَالأَرْضِ وَمَا طَحَاهَا﴾ (۲)**

پھر خدا نے رات، دن اور آسمان وزمین کی قسم کھائی ہے کیونکہ رات دن خدا کی عظیم نشانیوں میں سے ہیں اور آسمان وزمین خدا کی نشانیوں سے معمور ہیں۔ اس کے بعد خدا نے انسان کے نفس ناطقہ کی قسم کھائی ہے فرماتا ہے:

**﴿وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا﴾. (۳)**

انسان کے نفس ناطقہ کی قسم (حقیقتِ انسان کی قسم)۔ یہی انسانیت کا لب لباب ہے۔

نفس ناطقہ انسان کے بدن کا حاکم ہے اور انسان کی انسانیت اس سے مربوط ہے۔

**السيفُ سَيْفٌ بِحِدَّتهِ لا بِحَدِيدِهِ، والإنسانُ إِنسان بروحهِ لا ببدنهِ.**

تلوار کو اس لئے تلوار کہتے ہیں کہ وہ کاٹتی ہے ورنہ وہ بھی لوہے کا ایک ٹکڑا ہے۔

---

(۱) بحار الانوار ج ۴۰ ص ۲۰۱ و ۲۰۷، اسی طرح ینابیع المودۃ ص ۷۲ پر منقول ہے کہ ابن مغازلی نے اپنی سند سے مجاہد سے انہوں نے ابن عباس سے انہوں نے جابر سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: أخذ النبيّ بعضد عليٍّ وقال: هذا أمير البررة، و قاتل الكفرة، منصور من نصره، مخذول من خذله، فر بها صوته ثم قال: انا مدينة العلم و عليٌّ بابها و لا تؤتىٰ البيوت الآ من أبوابها۔ و نیز ابن مغازلی از حضرت رضاؑ و پیامبر نقل می کند که فرمود: انا مدينة العلم و انت "عل" بابها كذب من زعم انّه يصل المدينة الا من قبل الباب۔

(۲) شمس: ۳ تا ۶ (۳) شمس ۷

اور انسان نفس ناطقہ اور اس روح کے سبب انسان ہے جو اس کے وجود میں قرار دی گئی ہے ورنہ اگر روح نہ ہو تو وہ صرف ڈھانچہ ہے۔

مختصر یہ کہ جو کچھ ہے وہ روح ہے، یہی روح انسان کی حقیقت ہے اور یہی حقیقت انسان، اشرف مخلوقات ہے یہی کمالات کو جمع کرتی ہے اور سارے جہانوں کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ ارشاد ہے:

أَتَزْعَمُ أنَّکَ جُرْمٌ صَغِیرٌ

و فیکَ انطویٰ العالَمُ الأکْبَرُ (۱)

انسان بہت وسعت رکھتا ہے ایک طرف وہ عالم حیوان سے متصل ہے اور دوسری طرف وہ ملائکہ اور فرشتوں سے متصل ہے۔ اگر وہ شہوت وحیوانیت کی پیروی کرتا ہے تو وہ حیوانوں سے بدتر ہے اور اگر عقل کی پیروی کرتا ہے تو وہ فرشتوں سے بھی زیادہ بلند ہو جاتا ہے اور اس جامعیت کی وجہ سے اس میں خلیفۃ اللہ بننے کی صلاحیت پیدا ہوگئی ہے۔

خلافت کے درجۂ اوّل پر رسولؐ اور ائمہ اطہارؑ ہیں وہی زمانہ میں خدا کے حقیقی نمائندے ہیں البتہ اپنی طاقت اور استعداد کی مقدار بھر ہر بشر خلیفۂ خدا ہو سکتا ہے یعنی وہ صفات خدا کا مظہر ہو سکتا ہے اور اس کی استعداد وصلاحیت کے مطابق اس کے اندر خدا کے صفات جلوہ گر ہو سکتے ہیں بنا بر ایں انبیاء اور اولیاء اللہ کے علاوہ دوسرے افراد بھی خدا کے صفات کا مظہر ہو سکتے ہیں۔

تو بہ قوہ خلیفۃ اللھی

قوہ ی خویش مرا بہ فعل رسان

تو بہ گوھر خدیو دورانی

چہ کنم قدر خود نمی دانی

دواؤك فيك وما تشعر — و داؤك منك وما تُبصر

اتزعمُ انّك جرمٌ صغير — و فيك انطوى العالم الاكبر

(۱) دیوان حضرت امیر المومنینؑ ص ۲۳۶۔

و انت الکتاب المبین الّذی | بأحرفه یظهر المضمر

فلا حاجةَ لك في خارجٍ | یُخبّر عنك بما تَسْطُرُ

تم میں خلیفۂ خدا بننے کی صلاحیت ہے اس صلاحیت کو روبکار لا کے دکھا دو تم اپنے زمانہ کا قیمتی ہیرا بن سکتے ہو مگر کیا کیا جائے کہ تم اپنی قدر و قیمت سے ناواقف ہو۔

اسی بنیاد پر انسان تمام عوالم اور جہانوں کا جامع ہے اور اسی وجہ سے وہ بلند و بالا مقام پر فائز ہے، اشرف المخلوقات ہے، وہ خدا کے صفات کا آئینہ بن سکتا ہے اور فرشتوں سے بلند ہو سکتا ہے۔

اس سورہ میں خدا نے ساتویں قسم انسان کے نفس ناطقہ کی کھائی ہے اسی طاقت کی جو اس بدن پر حکومت کرتی ہے اور تمام اعضاء و جوارح اس کے تابع ہیں۔

نفس ناطقہ اور دست قدرت کی قسم کہ جس نے نفس انسان کو سنوارا ہے۔

یعنی انسان کو نظم و نسق بخشا ہے اور انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ہے۔

الصورةُ الاِنسانیّة أکبرُ حُجَّةِ اللّٰهِ علیٰ خَلقِهِ. (۱)

انسانی صورت خدا کی مخلوق پر اس کی عظیم حجت ہے۔

قطع نظر اس سے کہ خدا نے انسان کے اعضاء و جوارح کو اعتدال کی ایک حد پر رکھا ہے کیونکہ:

اولاً: ہر عضو ایک مخصوص اندازہ پر خلق کیا ہے۔

ثانیاً: ہر ایک عضو کو اس کی جگہ پر قرار دیا ہے۔

موضوع کی تکمیل کے لئے یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ انسان دو چیزوں ''روح و بدن'' سے مرکب ہے خداوند عالم نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے روح کو (عالم ملکوت سے) اس خاکی بدن میں بھیجا ہے۔

---

(۱) جامع الاسرار و منبع الانوار ص ۳۸۳، جامع السعادات ج ۱ ص ۲۲۵، علم اخلاقِ اسلامی ج ۱ ص ۲۳۹، قال الامام ابو عبد الله الصادق ؑ: ان الصورة الانسانیة اکبر حجّة لله علیٰ خَلْقه، و هي الکتاب الّذي کتبه بیده، و هي الهیکل الّذي بناه بحکمته، و هي مجموع صور العالمین، و هي المختصر من العلوم في اللوح المحفوظ، و هي الشاهد علیٰ کل غائب، و هي الحجّة علیٰ کلّ جاحد، و هي الطریق المستقیم الیٰ کلّ خیر، و هي الصراط الممدود بین الجنّة و النار۔

انسان کی عظمت وفضیلت روح کے سبب ہے نہ کہ بدن کے باعث، مرنے کے بعد انسان کا بدن پراگندہ ہوجاتا ہے اور قیامت تک اسی طرح رہتا ہے پھر خدا کے حکم سے اس میں روح پھونکی جائے گی اور وہ دوبارہ زندہ ہوجائے گا لیکن روح فنا نہیں ہوگی وہ ہمیشہ باقی رہے گی۔

جس طرح انسان کے بدن کے لئے صحت و بیماری ہے اسی طرح روح کی بھی صحت و بیماری ہے۔

بدن کی تندرستی وصحت خدا کی عظیم بخشش ہے۔ انسان کو چاہئے کہ اپنی صحت کا خیال رکھے اور ایسے کام انجام دے کہ جس سے اس کا بدن صحیح وسالم رہے۔ شریعت کے احکام میں بھی بدن کی صحت کی رعایت کی گی ہے مثلاً رسولؐ سے ایک حدیث میں منقول ہے:

نِعْمَتانِ مَکْفُورَتانِ الأمنُ والعافیة. (۱)

دو نعمتیں ایسی ہیں جن کی قدر نہیں کی گئی ہے اور وہ امن وعافیت ہیں۔

جس طرح حدِّ اعتدال سے خارج ہوجانے کے بعد انسان کا بدن مریض و بیمار ہوجاتا ہے اور ڈاکٹر و طبیب کے علاج اور دوا کھانے سے باصحت ہوجاتا ہے اسی طرح روحِ انسان کے لئے بھی صحت و بیماری ہے

انسان کی روح اس وقت تک صحت منداور تندرست ہے جب تک وہ خدا کی اطاعت میں مشغول ہے اور خود کو بہترین صفات اور پسندیدہ اخلاق سے متصف کرنے میں منہمک ہے۔

لیکن اگر انسان خدا کی معصیت کرتا ہے یا ناپسند صفات -- مثلاً حبّ دنیا، خود پسندی، تکبّر، حسد، بخل، عداوت اور برے اخلاق -- سے متصف ہے تو وہ بیمار ہے اور جس طرح بدن کی بیماریوں کے لئے ڈاکٹر ہیں بدن کے مریض کو ان کے پاس جانا چاہئے اسی طرح روحی مرض کے لئے بھی طبیب ہیں، روح کی صحت و سلامتی کے لئے ان کے پاس جانا چاہئے۔

روح کے اطباء: درجہٗ اوّل میں ذات پروردگار ہے پھر انبیاء، اور اولیائے خدا ہیں جو اذنِ خدا سے لوگوں کی روحوں کا علاج کرتے ہیں۔

---

(۱) خصال صدوق باب منش ھای دوگانہ متن ص ۱۱۲، بحار الانوار ج ۸۱ ص ۱۷۰

ما طبیبانیم شاگردان حق

بحر قلزم دید مارا فانفلق(۱)

ہم اطباء حق کے شاگرد ہیں۔ بحر قلزم نے ہم کو دیکھا اور شگافتہ ہوگیا۔

حضرت امیر المومنینؑ جناب رسالت مآب کے بارے میں فرماتے ہیں:

طبیبٌ دَوّارٌ بِطبِّهِ قَدْ أحْكَمَ مَرَاهِمَه وأُحمىٰ مَواسِمَهُ. (۲)

آپ ایک طبیب تھے اپنے طب کے ساتھ لوگوں کے درمیان چکر لگاتے رہتے تھے، اپنے مرہم کو ٹھیک ٹھاک کئے ہوئے تھے اور زخم کو داغنے کے اوزار کو تپائے ہوئے تھے۔

پس انبیاء، اولیاء اللہ خصوصاً رسولؐ اور ائمہ اطہارؑ روح کے حقیقی طبیب ہیں، وہ روح کی بیماری کی تشخیص کرتے اور اس کے علاج کا طریقہ بتاتے ہیں۔

حضرت امیر المومنینؑ جو کہ روح کے عظیم طبیب ہیں، فرماتے ہیں:

ألا وإنَّ مِنَ البَلاءِ الفاقَةَ وأشَدُّ مِنَ الفاقَةِ مَرَضُ البَدَنِ وأشَدُّ مِنْ مَرَضِ البَدَنِ مَرَضُ القَلْبِ. (۳)

جان لو کہ فقر وناداری بھی بلاؤں میں سے ایک ہے اور فقر کی بلا سے سخت بدن کا مرض ہے اور بدن کے مریض ہونے سے کہیں سخت دل کا مریض ہونا ہے۔

روح کا بیمار ہونا بہت بڑی بات ہے انسان کو چاہئے کہ اس کا علاج کرائے کیونکہ اگر انسان کی روح کی بیماریوں کا علاج نہیں کیا جائیگا تو اس کا نتیجہ ابدی ہلاکت ہوگا۔ لہذا بدن کے مرض سے سخت روح کا مرض ہے اور جس طرح صحت وتندرستی مال ودولت سے بہتر ہے اسی طرح تقویٰ وپرہیزگاری، صحت وتندرستی سے بہتر ہے۔

(۱) مثنوی معنوی، دفتر سوم اہل سبا کی نصیحت کے لئے خدا کے پیغمبروں کی آمد۔

(۲) نہج البلاغہ: ۱۰۸

(۲) نہج البلاغۃ حکمت ۳۸۸، تحف العقول ص ۲۰۳، مستدرک الوسائل ج ۲ ص ۱۴۳، بحار الانوار ج ۷۰/۶۱ و ۷۲/۵۳ و ۷۸/۴۰ و ۸۱/۱۷۵، ادامہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں: الا وان من النعم سعۃ المال وافضل من سعۃ المال صحۃ البدن وافضل من صحۃ البدن تقوی القلوب

تقویٰ، وقایۃ سے مشتق ہے یعنی عقائد میں روح کو شک و تردید اور شبہہ سے محفوظ رکھنا اور نفس کو برائیوں اور ناپسند اخلاق سے بچانا مختصر یہ کہ جب انسان خود کو گناہوں سے بچاتا ہے اور خدا کی عبادت کرتا ہے تو متقی بن جاتا ہے۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لاَيَحْتَسِبُ. (۱)

اور جو شخص خدا سے ڈرتا ہے، اس کا تقویٰ اختیار کرتا ہے تو خدا اسے دنیوی اور اخروی سختیوں سے نکلنے کا راستہ بتا دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کے بارے میں اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

اس کے علاوہ تقوے کو بلندترین انسانی صفت قرار دیا گیا ہے ارشاد ہے:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ. (۲)

بیشک خدا کے نزدیک تم میں سے وہی زیادہ معزز ہے جو تم میں زیادہ متقی و پرہیز گار ہے۔

نفسِ ناطقہ کی قسم کے بعد فرماتا ہے:

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا. (۳)

انسان کے نفس ناطقہ اور اس ذات کی قسم کہ جس نے اسے یہ عجیب وغریب نظم ونسق عطا کیا ہے اور اس کو تقویٰ و پرہیز گاری اور فسق و فجور سے آگاہ کردیا ہے۔

یعنی خدا نے نفس پر خوبیوں اور بدیوں کا الہام کردیا ہے اور بذریعہ فطرت اسے دونوں راستوں سے آگاہ کردیا ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرماتا ہے:

﴿إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُوراً﴾ (۴)

ہم نے فطری طور پر انسان کو مختار پیدا کیا ہے اب وہ چاہے ہدایت کی راہ اختیار کرے یا گمراہی کی۔

---

(۱) طلاق:۲-۳

(۲) حجرات:۱۳

(۳) شمس:۸

(۴) انسان:۳

چــاهسـت و راه و دیده ی بیـنـا و آفتـاب

تـا آدمـی نـگــاه کند پیـش پـای خویـش۔ (۱)

یہاں تک قسموں کا بیان تھا اب تمام قسموں کا جواب ملاحظہ فرمائیں: ارشاد ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا﴾ (۲)

ان تمام چیزوں کی قسم فلاح یافتہ وہی ہے جس نے خود کو پاک کرلیا۔

خداوند عالم اپنے بندوں سے پاکیزگی چاہتا ہے ''زکّٰھا'' کے معنی پاک و پاکیزہ کرنا ہے اور اگر ''زکّٰھا'' نمو اور ترقی دینے کے معنی میں ہوگا تو بھی اس کا وہی نتیجہ ہوگا جو کہ پاکی اور پاکیزگی کا ہے یعنی انسان کو سعادت و قربِ الٰہی تک پہنچانا اب ہم خواہ یہ کہیں کہ زکّٰھا کے معنی ہیں کہ طینت کو نمو دینا یا یہ کہیں کہ طینت کو پاک کرنا، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ طہارت کی دو قسمیں ہیں، ظاہر و باطنی:

ظاہری پاکی و طہارت، نظافت و صفائی ہی کو کہتے ہیں البتہ ظاہری صفائی بھی بہت اچھی بات ہے اسلام نے بھی اس کی طرف بھی رغبت دلائی ہے فرماتا ہے:

النظافَةُ مِنَ الايمانِ. (۳)

طہارت و نظافت ایمان کا جز ہے۔

الطُّهُورُ نِصْفُ الايمانِ (۴)

طہارت و پاکیزگی نصف ایمان ہے۔

بُنيَ الاِسلامُ علىٰ النَّظافةِ (۵)

---

(۱) کلیات سعدی مواعظ ص ۱۰۱۴ و ص ۱۰۱۵ (۲) شمس: ۹

(۳) مستدرک الوسائل ج ۱۶ ص ۳۱۹، بحار الانوار ج ۱۹ ص ۲۹۱، طب النبی ص ۲۱، تخلّلوا فإنه من النظافة و النظافةُ مِنَ الإيمان و الإيمان و صاحبه في الجنة۔

(۴) مستدرک الوسائل ج ۱ ص ۳۵۷، عوالی الآلی ج ۱ ص ۱۱۵، عن علیؑ انّه قال: الطهور نصف الايمان۔

(۵) کنز العمال ج ۹ ص ۲۷۷، عنہؐ: تنظّفوا الكلّ ما استطعتم فانّ الله تعالىٰ بنى الاسلام علىٰ النظافة و لن يدخل الجنّة اِلّا كُلُّ نظيف۔

اسلام کی بنیاد نظافت وطہارت پر استوار کی گئی ہے۔

مِن أخلاقِ الأنبياءِ التَّنَظُّف. (۱)

انبیاء کے اخلاق میں سے پاکیزگی بھی ہے۔

اِنَّ الاِسلام نَظيفٌ فَتَنظَّفوا (۲)

پاک وپاکیزہ رہو کیونکہ اسلام پاک ہے۔

اسلام نے پاکی اور پاکیزگی کی طرف اتنی زیادہ دعوت دی ہے گویا وہ خود پاکی ہے یعنی پاکیزگی اسلام کے لئے ایسی ہی ہے جیسے زید عدل ہے اسلام خود پاکیزگی ہے یعنی اسلام نے پاکیزگی کی اتنی زیادہ تاکید کی ہے گویا خود پاکیزگی ہے۔

ظاہری پاکیزگی کا پہلا درجہ طہارت ہے، مسلمان کو طہارت کا حامل ہونا چاہئے۔ اس کے بدن، اس کے گلی کوچہ، بازار اور اس کے تمام سامان واثاثہ کو پاک وپاکیزہ ہونا چاہئے باطنی پاکیزگی وہی حقیقی طہارت ہے ظاہری پاکیزگی اس کا مقدمہ ہے آیت میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اللّهَ يُحِبُّ التوابينَ ويُحِبُّ المُتَطَهِّرينَ﴾ (۳)

بیشک خداوند عالم توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

طہارت کا دوسرا درجہ باطنی طہارت ہے یعنی انسان کے تمام اعضاء وجوارح کا معصیت سے پاک ہونا انسان کو چاہئے کہ وہ خود کو تمام معصیتوں سے اور ان چیزوں سے پاک کرے جن سے خدا نے روکا ہے

---

(۱) کافی ج۵ ص۵۶۷ عن الحسن بن جهم قال: رأيت ابا الحسنؑ اختضب فقلت: جعلت فداك اختضبت؟ فقال: نعم ان التهيئة ممّا يَزيدُ في عِفَّةِ النساء و لقد ترك النساءُ العفة بترك ازواجهن التهيئة۔ ثمّ قال: أيَسُرُّكَ أن تراها علىٰ ما تراك عليه اذا كنت علىٰ غير تهيئة؟ قلت لا۔ قال: فهو ذاك۔ ثم قال: مِنْ أخلاق الأنبياء التنظُّفُ و التطيّب و حَلْق الشَّعْر و كَثْرة الطروقة ثم قال... الحديث۔

(۲) کنز العمال ج۹ ص۲۷۷ و ص۲۷۸

(۳) بقرہ:۲۲۲

طہارت کا تیسرا درجہ: انسان کی روح کا جہالت و نادانی سے پاک ہونا اور نور علم و حکمت سے منور ہونا ہے یعنی انسان کی روح کو کفر و ضلالت اور گندے اخلاق سے پاک ہونا چاہئے۔

انسان کو چاہئے کہ پست صفات کو خود سے دور کرے اور اخلاق پسندیدہ اور صفات حسنہ سے متصف ہو جائے، صداقت و سچائی، تواضع و انکساری، توکّل و تسلیم اور دوسرے تمام نیک صفات سے متصف ہو، صداقت و سچائی ان میں سب سے بلند ہے۔

یہ تھا طہارت و پاکیزگی کا تیسرا مرحلہ جو کہ اخلاق رذیلہ سے پاک ہونے سے عبارت ہے۔

طہارت کا چوتھا مرحلہ: یہ ہے کہ انسان کلی طور پر اپنے وجود کو غیر خدا سے پاک کرے۔ اس کے دل میں خدا کی محبت کے علاوہ اور کسی کی محبت نہیں ہونی چاہئے اور اسے خدا کے علاوہ کسی سے انس نہیں رکھنا چاہئے بس ہمیشہ اس کی یاد میں مشغول رہنا چاہئے۔

خدا کی محبت اور اس کی یاد محمدؐ و آل محمدؐ کی محبت کے منافی نہیں ہے کیونکہ جب انسان کسی سے محبت کرتا ہے تو اس کے تمام متعلقات سے بھی محبت کرتا ہے، اسی بنیاد پر رسولؐ کی محبت خدا کی محبت ہے اور پھر ہم رسولؐ اور ان کے اہل بیتؑ سے اس لئے محبت کرتے ہیں کہ خدا نے ان کی محبت و مودت کا حکم دیا ہے۔

رسولؐ کے بلند ترین القاب میں سے حبیب اللہ ہے۔ اسی طرح امیر المومنینؑ سے محبت خدا سے محبت ہے۔ کیونکہ رسولؐ فرماتے ہیں:

حُبُّ عَلِيٍّ اِيمانٌ و بُغْضُهُ كُفْرٌ. (۱)

علیؑ کی محبت ایمان اور ان سے بغض رکھنا کفر ہے۔

---

(۱) بحار الانوار ج۳۹ ص۹۳ اقال المأمون يوماً للرضاؑ يا أبا الحسنؑ اخبرني عن جدك أمير المؤمنين على بن ابى طالبؑ بأيِّ وجهٍ هو قسيمُ الجنّة النار؟ و بأيِّ معنى، فقد كثر فكرى فى ذلك؟ فقال له الرضاؑ: الم ترو عن ابيك عن آبائه عن عبد الله بن عباس انه قال: سمعت رسول اللهؐ يقول: حُبُّ عليٍّ اِيمانٌ و بُغْضُهُ كفر؟ فقال: بلىٰ۔ فقال الرضاؑ: فقِسْمَة الجنّة و النار اِذا كانت علىٰ حُبِّهِ و بغْضهِ فهو قسيمُ الجنّة و النار ـ فقال المأمون: لا أبقاني الله بعدك يا ابا الحسنؑ! أشْهَدُ أنّك وارثُ علم رسول اللهؐ....

ائمہ اطہارؑ کی محبت بھی ایسی ہی ہے:

مَنْ أحَبَّكُم فَقَدْ أحَبَّ اللّٰهَ و مَنْ أبْغَضَكُمْ فَقَدْ أبْغَضَ اللّٰهَ. (۱)

جس نے آپ حضرات سے محبت کی اس نے خدا سے محبت کی اور جس نے آپؑ سے بغض رکھا اس نے خدا سے بغض رکھا۔

امام حسینؑ سے محبت بھی اس درجہ کی ہے رسولؐ فرماتے ہیں:

اَحَبَّ اللّٰهُ مَنْ اَحَبَّ حُسَيناً (۲)

حسینؑ سے محبت کرنے والے کو خدا دوست رکھتا ہے۔

نیز فرمایا:

اِنَّ للحُسَيْنِؑ في قلوبِ المؤمنينَ مَحَبَّةً مكنونةً. (۳)

پس ان حضرات کی محبت حقیقت میں خدا کی محبت ہے اس کی محبت کے منافی نہیں ہے ان کی محبت اسی کی محبت ہے اور ان کا اتباع اصل میں خدا کا اتباع ہے۔

---

(۱) بحار الانوار ج ۴۳ ص ۲۶۱ و ص ۲۷۱، ص ۲۹۶ و ص ۳۱۶

(۲) بحار الانوار ج ۳۷ ص ۷۴، ج ۴۳ ص ۲۶۱ و ص ۲۷۰ و ص ۳۱۶ و ص ۲۷۱ و ص ۲۹۶ و ج ۴۵ ص ۲۱۴، ارشاد ج ۲ ص ۱۲۷، اعلام الوریٰ ص ۲۱۷، کامل الزیارات ص ۵۲، کشف الغمہ ج ۲ ص ۶ و ۱۰، و ص ۶۱، کشف الیقین ص ۳۰۵، مناقب ابن شہر آشوب ج ۴ ص ۷۱، رأى النبيّ الحسينَؑ يلعبُ مع الصبيان في السكة فاستقبل النبيّ امام القوم فبَسَطَ احدى يَديهِ فطَفِقَ الصبيُ يفرُّ مرّةً مِنْ ها هنا و مَرةً من هاهنا و رسول اللّهؐ يضاحكه ثمَّ أخذَهُ فَجَعَلَ اِحدى يَدَيهِ تَحْتَ ذِقْنِهِ والأُخرىٰ علىٰ فأس رأسه و أقنعه فَقَبَّله وقال: أنا مِنْ حُسينٍؑ وحُسينٌؑ منّي أحبَّ اللّٰهُ مَنْ أَحَبَّ حُسَيناً حُسَيْنٌؑ سِبْطٌ مِنَ الأسباط۔

(۳) بحار الانوار ج ۴۳ ص ۲۷۲ (قال النبيّؐ: اِنَّ للحُسين في بواطن المؤمنين معرفةً مكتومةً) مستدرک الوسائل ج ۱۰ ص ۳۱۸ (عن جعفر بن محمّدٍؑ نظر النبيُّؐ الىٰ الحسين بن عليٍّؑ و هو مقبل فأجلسه فى حجره و قال: اِنّ لقتل الحسين حرارة في قلوب المؤمنين لا تبردُ أبداً، ثم قالؑ: بأبي قتيلُ كلِّ عبرة۔ قيل: وما قتيلُ كلِّ عبرةٍ يا بن رسول اللّهؐ؟ قال: لا يذكره مؤمن اِلّا بكى۔

موانع تا نگردانی زخود دور
درون خانه ی دل نایدت نور

موانع چون در این عالم چهار است
طهارت کردن از آن هم، چهار است

نخستین پاکی از ارجاس و انجاس
دوم از معصیت و ز شر وسواس

سیم پاکی از اخلاق ذمیمه است
که با وی آدمی هم چون بهیمه است

چهارم پاکی سر است از غیر
که این جا منتهی می گرددت سیر (۱)

اس راہ میں چار رکاوٹیں ہیں، ان کو برطرف کرنے کے طریقہ بھی چار ہیں پہلے اپنے وجود کو رجس و نجاست سے پاک کرو، دوسرے معصیت اور شر و وسواس سے پاک کرو، تیسرے اخلاق رذیلہ کو دور کرو کہ پست اخلاق چوپائے کے مانند ہے اپنے باطن کو غیر خدا سے پاک کرو، اسی پر طہارتوں کا سلسلہ منتہی ہوتا ہے انسان سیر و سلوک میں اسی وقت کامل ہوتا ہے جب اس کے دل میں خدا کی محبت راسخ ہو جاتی ہے۔ اور وہ اس کے غیر سے منھ موڑ لیتا ہے۔

﴿وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا﴾

اور یقیناً وہ شخص نقصان میں رہا جس نے نفس کو آلودہ کر لیا۔

---

(۱) گلشن راش شبستری ۲۰ کہ اس کا باقی حصہ یہ ہے:

هر آن کو کرد حاصل این طهارات
شود بی شك سزاوار مناجات

تو تا خود را به کلی در نبازی
نمازت کی شود هر گز نمازی

چو ذاتت پاك گردد از همه شین
نمازت گردد آن گه قرة العین

دسھا کے معنی ہیں: آلودہ کرنا اور خفیہ طریقہ سے کسی چیز کو کسی چیز میں ملانا مخلوط کرنا، مثلاً دودھ میں پانی ملانا، اس سے پانی کو جدا کرنا آسان نہیں ہے پس دس نفس اس کی تہذیب کی ضد ہے، نیز نفس کو اخلاق رذیلہ سے متصف کرنے کو دس نفس کہتے ہیں۔

اسی لئے ارشاد ہے، بیشک گھاٹے میں رہا وہ شخص جس نے نفس کو آلودہ کرلیا۔

پس سعادت وکامیابی کا راز اس میں ہے کہ ہم اپنے نفس کو حسن اخلاق اور شائستہ صفات سے آراستہ کریں تا کہ ہماری روح اور ہمارے دل میں انوار الٰہی جلوہ گر ہو سکے اور خدا ہم پر عنایت کرے، ہمارا دل عرش خدا بن جائے، ہمارے دل میں صرف خدا کی محبت ہو، ناپائیدار چیزوں کی محبت پیدا نہ ہو۔

مرحوم شیخ بہاء الدّین عاملی قدس سرہ، نے شیخ ابوالفتح بستی سے یہ اشعار نقل کئے ہیں:

۱. زیادة المرء في دنياه نقصان

و ربحه غير محض الخير خسران

۲. و كل وجدانِ حظٍّ لا ثبات له

فإنّ معناه في التحقيق فُقدانُ

۳. يا عامراً لخراب الدهر مجتهداً(۱)

تاللّه هل لخراب الدهر عُمرانُ؟

۴. و يا حريصاً علىٰ الأموال تجمعُها

اَنسيت أنَّ سُرور المال أحزانُ

۵. يا خادمَ الجِسمِ كَمْ تَسعىٰ لخدمته

أتطلب الربح فيما فيه خسرانُ

۶. أقبِلْ علىٰ النّفسِ و استكمل فضائلها

(۱) مجتہد یہاں لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی کوشش کرنے والا، اصطلاحی معنی مراد نہیں ہیں۔

فأنت بالنفس لا بالجسمِ إنسانُ

۷. دَعِ الفواد عن الدّنیا و زخرفها

فصفوها كَدَرٌ والوصل هِجرانُ

۸. و أوعِ سمعک أمثالاً أُفصِّلُها

كما يُفَصَّلُ ياقوتٌ و مَرجانُ

۹. أحسِنْ اِلیٰ النّاس تستعبدْ قلوبهم

فطالما استعبد الاِنسانَ إحسان

۱۰. و كُنْ على الدهرِ مِعْواناً لذي أمل

يرجوا نداک فاِنَّ الحُرَّ مِعوانُ.(۱)

انسان دنیا میں زیادہ کے چکر میں رہتا ہے جبکہ یہ بہت بڑا نقصان ہے اس کو غیر صالح عمل سے جو فائدہ ہوتا ہے درحقیقت وہ خسارہ ہے۔

اس عالم مادہ سے وہ جو فائدہ حاصل کرتا ہے اس میں پائیداری نہیں ہوتی ہے۔ اصل میں وہ فائدہ نہیں اٹھاتا بلکہ گنواتا ہے۔

اے وہ شخص جو اس خاک کے کھنڈر کو آباد کرنے کوشش کرتا ہے۔

خدا کی قسم زمانہ کے ویرانہ کو آباد نہیں کیا جاسکتا۔

اے شخص تو دنیوی مال و دولت جمع کرنے کا حریص ہے۔ کیا تم اس بات کو بھول گئے کہ دنیوی مال سے حاصل ہونے والی خوشی کے بعد بہت سے غم بھی ہوتے ہیں۔

اے اپنے بدن و جسم کی خدمت کرنے والے کیا تم اس سے چیز سے فائدہ کی امید رکھتے ہو کہ جس میں ضرر کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

---

(۱) کشکول شیخ بہائی ۱۷۵

(شاہد مثلاً اس شعر میں ہے) آپ اپنے نفس اور اپنی روح پر پوری توجہ دیں اور تمام فضائل نفسانی اور کمالات اخلاقی کو اپنے لئے فراہم کرنے کی کوشش کریں اور اپنی روح کو پسندیدہ صفات کے ذریعہ زینت بخشیں۔ کیونکہ تمہیں روح ہی کے طفیل میں انسان کہا جاتا ہے نہ کہ جسم کے لحاظ سے، دنیا اور اس کی سج دھج سے دل نہ لگاؤ کیونکہ اس کا خلوص کھوٹا اور اس کا وصل فراق ہے۔

جو نصیحتیں میں تمہیں کر رہا ہوں ان پر کان دھرو، کیونکہ ان کو میں نے اسی طرح نظم کیا ہے جس طرح یاقوت و مرجان کو پرویا جاتا ہے۔

تمام لوگوں کے ساتھ نیکی کرو، ان کے ساتھ حسن سلوک کرو یہاں تک کہ ان کو اپنا غلام بنالو کیونکہ مرورِ زمانہ میں کتنے ہی آزاد احسان کے ذریعہ غلام بنے ہیں۔

اس دنیا میں تم ان لوگوں کی مدد کرو جو تم سے امید رکھتے ہیں کیونکہ آزاد ہی دوسروں کی مدد کرتے ہیں۔

دوسرا شاعر کہتا ہے:

السیف سیف بحدّته لا بحدیده

والانسان انسان بروحه لا ببدنه

تلوار، وار اپنی دھار اور برش کے اعتبار سے تلوار ہے لوہا ہونے کے لحاظ سے نہیں، اور انسان بھی اپنی روح کے اعتبار سے انسان ہے اپنے بدن کے لحاظ سے نہیں۔

انسان کی تمام شرافتوں اور فضیلتوں کا سرچشمہ اس کی روح ہے، انسان کو چاہئے کہ خدا کی عبادت کر کے اپنی روح کو تقویت پہنچائے تا کہ فرشتوں سے بلند مرتبہ پر پہنچ سکے۔

❁❁❁❁❁

# گیارہویں تقریر

جسم و روح کے چھ حالات

بدن کا تعلق عالم خلق سے اور اسی طرح روح کا تعلق عالم امر سے ہے۔

روح کی معرفت، خدا کی معرفت کا باعث ہے۔

عبادت میں خلوص کے ذریعہ شک و تردید ختم ہوتی ہے۔

اسلام میں ماحول کی صفائی اور حفظانِ صحت

روح کو قلب کا نام دینے کی وجہ

امن و سلامتی خدا کی دو اہم ترین نعمتیں

قال امير المومنين علیؑ:

اِنَّ للجسم ستّة احوال: الصحة والمرض، والموت و الحياة، و النوم و اليقظة، و كذلك الروح فحياتها علمها، و موتها جهلها، و مرضها شكها، و صحّتها يقينها، و نومها غفلتها، و يقظتها صحتها. (۱)

بیشک جسم کے چھ حالات ہیں، اسی طرح روح کے بھی چھ حالات ہیں۔

انسان، روح اور بدن سے مرکب ہے۔

لیکن بدن کا تعلق عالم مادہ سے ہے اور مادہ فانی، ناپائیدار ہے کیونکہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے اعضاء و جوارح بکھر جاتے ہیں، بعد میں خدا کے حکم سے ان میں از سر نو روح پھونکی جائیگی، جب کہ روح کا تعلق عالم امر سے ہے۔

خداوندمتعال کا ارشاد ہے:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلاَّ قَلِيلاً﴾. (۲)

یہ لوگ آپؐ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کا

(۱) توحید صدوق ۳۰۰، بحار الانوار ج ۶۱ ص ۴۰

(۲) اسراء ۸۵

امر ہے اور تمہیں جو علم دیا گیا ہے وہ کم ہے۔

خدا کا امر تو وہی ہے جو اس آیت میں بیان ہوا ہے:

﴿إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ (۱)

اس کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔

روح کا تعلق عالم امر سے اور بدن کا تعلق عالم خلق سے ہے، عالم خلق عالم تدریجیات ہے دونوں ہی خدا کی طرف سے ہیں دونوں خدا کے حکم سے وجود میں آئے ہیں۔

این جامه و جامه پوش خاك آمد
تو خاك نه ای كه نور یزدانی

آن چیست که زنده کرد مر تن را
نزدیك خرد تو بیگمان آنی

ترسا پسر خدای خواند او را
از بی خردی خویش و نادانی

زیرا که خبر نبود ترسا را
از قدر بلند نفس انسانی

این خانه پنج در بدین خوبی
بنگر تو را که داشت ارزانی

من خانه ندیده ام چنین هرگز
گردنده و پیش کار و فرمانی

زان روز بترس کاندران پیدا
آید همه کارهای پنهانی

---

(۱) یس ۸۲

زان روز کہ جز خدای سبحان را

بر کس نرود ز خلق سلطانی (۱)

یہ وجوداوراس کا پیراہن خاک سے پیدا ہوئے تم خاک نہیں ہونورِ خدا ہو، تمہاری عقل کے نزدیک وہ کون ہے کہ جس نے مردہ تن کو ایک آن میں زندہ کیا ہے۔

عیسائیوں نے اپنی نادانی و بے وقوفی سے اسے خدا کا بیٹا کہہ دیا ہے کیونکہ عسائیوں کو نفسِ انسانی کی بلندی کا اندازہ نہیں تھا۔

اس بدن میں کیا بہترین پانچ در ہیں دیکھو کہ تمہیں کیا عطا ہوا ہے۔

میں نے ایسا گھر ہرگز نہیں دیکھا ہے کہ جو گردش میں رہتا ہے اور فرمانبردار ہے۔

اس دن سے ڈرو! کہ جب سارے مخفی کام آشکار ہو جائیں گے۔

جس دن خدا کے علاوہ کسی دوسرے بادشاہ کی بادشاہت نہیں ہوگی۔

انسان کی یہی ترکیب جو روح و بدن سے ہوئی ہے یہی خدا کی معرفت کا باعث ہے اور (من عرف نفسه فقد عرف ربه) کے ایک معنی یہ بھی ہیں۔

کیونکہ جب انسان اپنے وجود کی طرف توجہ کرے گا (اسے اپنے وجود کا تو یقین ہے اگر چہ اس کی حقیقت کو نہیں پہچانتا ہے۔ جب اس کے بارے میں غور کرے گا تو اسے معلوم ہوگا کہ جس طرح اعضاء و جوارح میں یہ روح تصرف کرتی ہے اور اعضاء و جوارح اس کے فرمانبردار ہیں، اس کی فوج ہیں، یعنی جب وہ ارادہ کرتی ہے تو دیکھتا ہے، سنتا ہے، چلتا ہے، بولتا ہے (البتہ یہ محدود تصرف اسے خدا ہی نے عطا کیا ہے) تمام عالم سے یہی نسبت خدا کی ہے وہ سارے عالم پر تصرف واحاطہ کئے ہے۔ (۲)

(۱) دیوان ناصر خسرو قصیدہ ۲۲۸

(۲) من عرف نفسه فقد عرف ربه کے یہ ایک معنی ہیں، اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ ہم یہ کہیں: من عرفِ نفسه یعنی تنها روح بلکہ اگر انسان اپنے وجود کے بارے میں غور کرے جو کہ جسم و روح سے مرکب ہے اور ان طاقتوں کے بارے میں غور کرے جو اس کے وجود میں ہیں تو وہ خدا کی قدرت کی معرفت ہو جائے گی۔

ایک روایت میں حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

بیشک بدن کی چھ حالتیں ہیں: موت وحیات، تندرستی و بیماری، سونا جاگنا۔ یہی حالتیں روح کی بھی ہیں، لیکن روح کی حیات علم ودانائی ہے اوراس کی موت جہل ونادانی ہے۔

و صحتها يقينها

یقین روح کی صحت وتندرستی ہے (اگر یقین ہے تو روح صحیح وسالم ہے)۔

یعنی انسان مبدأ ومعاد، عقائد حقہ، محمدؐ کی نبوت، ائمہ اطہارؑ کی امامت اور خدا کے احکام کا یقین رکھتا ہو۔

و مرضها شكها

اور عقائد میں شک روح کا مرض ہے۔

اس کی صحت وتندرستی کا راز اس میں ہے کہ انسان دین کے دستورات پر عمل کرے تاکہ شک سے نجات مل جائے اور اس کے یقین میں اضافہ ہو جائے۔

امام رضاؑ سے ایک روایت میں نقل ہوا ہے:

"ما أخلص عبدٌ لله عزّ و جلّ أربعين صباحاً اِلاّ جرت ينابيعُ الحكمةِ مِنْ قلبه الىٰ لسانه".

اگر انسان چالیس روز تک خالص خدا کے لئے نیک کام انجام دے اور خدا کے واسطہ میرے کام کو ترک کرے تو وہ یقین کی دولت سے مالا مال ہو جائیگا اور علم وحکمت کے چشمے اس کے قلب سے پھوٹ کر زبان سے جاری ہونگے۔

شریعت اسلام میں جس طرح روح، اعتقادی امور اور ان کی صحت وتندرستی کے بارے میں تاکید کی گئی ہے اسی طرح جسم کی صحت وتندرستی کے بارے میں بھی تاکید کی گئی ہے بعبارت دیگر جس طرح اسلام روح کی صحت وسلامتی کو اہمیت دیتا ہے اسی طرح جسم وبدن کی سلامتی اور صحت کو بھی اہمیت دیتا ہے۔

---

(۱) عیون اخبار الرضا ۲/۶۹، بحار الانوار ۷۰/۲۴۲

مثلاً صحت و سلامتی کے اسباب میں سے ایک صفائی اور پاکیزگی ہے جسے اسلام نے بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔رات، دن میں جو وضو کیا جاتا ہے اور (واجب غسل کے علاوہ) مستحب غسل کیا جاتا ہے اگرچہ اس کے بہت سے معنوی فوائد ہیں لیکن اس سے صفائی و پاکیزگی کے مسئلہ کی اہمیت بھی، واضح ہوتی ہے کہ صفائی اور نظافت بھی سلامتی کے اسباب میں سے ہے۔

مثلاً اسلام کا ایک حکم یہ بھی ہے کہ اگر انسان کو پانی نقصان دیتا ہو تو اسے تیمّم کرنا چاہئے یا اگر اس کے لئے روزہ رکھنے میں ضرر ہے تو اسے روزہ توڑ دینا چاہئے یا کوئی شخص بیمار ہو جائے اور روزہ نہ رکھ سکے تو شفا پانے تک اس پر روزہ واجب نہیں ہے۔

صحت و تندرستی کو تمام احکام میں مدنظر رکھا گیا ہے اور اس مسئلہ کو اتنی زیادہ اہمیت دی گئی ہے کہ فقہاء فرماتے ہیں:

كُلُّ مُضِرٍّ حَرَامٌ.

انسان کے لئے ہر مضر چیز حرام ہے۔

ایک روایت میں وارد ہوا ہے:

ایک روز منصور دوانیقی کے دربار میں ایک ہندوستان کے طبیب نے امام جعفر صادقؑ سے یہ عرض کیا:

کیا آپؑ مجھ سے اس علم کے بارے میں کوئی سوال کریں گے جس کو میں جانتا ہوں؟

آپؑ نے فرمایا: نہیں کیونکہ جو علم میرے پاس ہے وہ تمہارے علم سے بہتر ہے۔

ہندوستانی طبیب نے امام سے سوال کیا:

جو میرے علم سے بہتر ہے اور آپ کے پاس ہے وہ کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا:

میں گرمی کا سردی سے اور سردی کا گرمی سے، رطوبت و نمی کا خشکی سے اور خشکی کا رطوبت سے علاج کرتا ہوں اور تمام امور کو خدا پر چھوڑ دیتا ہوں اور رسولؐ کی بات پر عمل کرتا ہوں آپؑ نے فرمایا:

**واعلم أنّ المعدة بيتُ الداء و الحمية هي الدواء وعوّد البدن ما اعتاد.**

جان لو کہ معدہ تمام بیماریوں کی جڑ ہے (اکثر بیماریاں پیٹ ہی سے پیدا ہوتی ہیں) اور پرہیز تمام بیماریوں کا علاج ہے اور بدن کو جس چیز کی عادت ہوگئی ہے وہ اسے دیتے رہئے۔

جب ہندوستانی طبیب نے آپ کا یہ کلام سنا تو کہنے لگا:

سارا طب تو یہی ہے۔(۱)

ایک دوسری روایت بھی ہے جو کہ رسولؐ کی طرف منسوب ہے اور اسی سے ملتی جلتی حدیث جناب امیر المومنینؑ سے منقول ہے۔فرماتے ہیں:

**العلمُ عِلْمان علم الأَبدانِ وعِلْمُ الأَديان. (۲)**

علم دو ہی ہیں، علم دین اور علم ابدان۔

آپؑ ہی سے منقول ہے کہ فرمایا:

**العلم ثلاثة، الفقه للأديان و الطبُّ للأَبدان و النحوُ للّسان. (۳)**

علم کی تین قسمیں ہیں۔فقہ ادیان کے لئے،طب ابدان کے لئے اور نحو زبان کے لئے امام جعفر صادقؑ سے بھی ایک روایت نقل ہوئی ہے:

**لا يستغني أهل كل بلد عن ثلاثة يُفزع اِليهم في أمر دنياهم و آخرتهم فانّ عدموا ذلک كانوا همجاً: فقيه عالم ورع، و أمير خيّرٍ مُطاعٍ، وطبيبٍ بصير ثقة.**

ہر شہر کے باشندوں کو تین چیزوں کی ضرورت ہے اگر کسی شہر میں یہ تین چیزیں نہ ہوں تو اس میں کوئی خوبی نہیں ہے۔

---

(۱) خصال صدوق باب منش ھای نوزدہ گانہ متن ص ۹۵۵، بحار الانوار ج ۱۰ ص ۲۰۵ ص ۱۲۳، بحار الانوار کی ج ۶۵ ص ۱۲۳ پر ایک روایت نصرانی طبیب کے بارے میں نقل ہوئی ہے۔

(۲) بحار الانوار ج ۱ ص ۲۲۰

(۳) تحف العقول ص ۲۰۸ بحار الانوار ج ۷۸ ص ۴۵

۱۔ایسا عالم جو پرہیز گار اور فقیہ ہو۔

۲۔ایک طبیب ہو جو طب میں مہارت وبصیرت رکھتا ہو اور لوگ اس پر اعتماد کرتے ہو۔

۳۔ایک امیر ہو جو لوگوں کا خیر خواہ ہو اور عدل کے مطابق کام کرتا ہو۔

فقہاء کہتے ہیں: اگر معاشرہ میں کوئی طبیب نہ ہو تو علم طب کا حاصل کرنا واجب کفائی ہے یعنی تمام لوگوں پر واجب ہے کہ وہ علمِ طب حاصل کریں لیکن اگر ان میں سے بعض حاصل کرنے لگیں تو دوسرے لوگوں پر واجب نہیں ہے کہ وہ بھی علم طب کی تعلیم حاصل کریں۔اسی طرح جن صنعتوں کی لوگوں کو ضرورت ہے ان کا بھی یہی حکم ہے۔

حضرت امیر المومنینؑ سے ایک روایت میں منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

اَلا و اِنّ مِنَ البلاءِ الفاقة و أشدُّ مِنَ الفاقة مَرض البدن، و أشدُّ مِنْ مرض البدن مرض القلب، اَلا و اِنَّ من النعم سَعَةُ المال، و أفضلُ مِنْ سَعَةِ المال صِحّةُ البدن، و أفضل مِنْ صِحَّة البدن تقویٰ القلب. (۱)

آ گاہ ہو جاؤ کہ دنیا کی بلاؤں میں سے ایک فقر وفاقہ ہے اور فقر وفاقہ سے سخت بدن کا مرض ہے اور بدن کے مرض سے زیادہ سخت دل کا مرض ہے۔

یہاں وہ دل مراد نہیں ہے جو صنوبر کی شکل کا گوشت کا ٹکڑا ہے اور بدن میں بائیں طرف واقع ہے اور زندگی کے خون کا چشمہ ومنبع ہے بلکہ یہاں اس سے مراد روح ہے، قرآن مجید میں بھی اسے بہت سی جگہ قلب ہی کہا گیا ہے اور روایات میں بھی روح کو قلب ہی کہا گیا ہے۔

سوال: روح کو دل کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب: کیونکہ دل ایک حال سے دوسرے حال میں بدلتا رہتا ہے اور انسان کی روح کے حالات بھی

(۱) نہج البلاغہ حکمت ۳۸۸، تحف العقول ۲۰۳، مستدرک الوسائل ج ۲ ص ۱۴۳، بحار الانوار ج ۷۰ ص ۶۱ و ج ۷۲ ص ۵۳ و ج ۷۸ ص ۴۰، ج ۸۱ ص ۱۷۵

گونا گوں ہوتے ہیں کبھی خوشی ہے کبھی غمی ہے، کبھی رغبت ہے اور کبھی بے رغبتی ہے، کبھی بھوک ہے کبھی پیاس ہے... یہ روح کے حالات ہیں روح کے ان حالات اور تغیرات ہی کی وجہ سے اسے قلب کہا گیا ہے۔(۱)

قرآن مجید فرماتا ہے:

﴿إِنَّ فِی ذَلِکَ لَذِکْرَی لِمَنْ کَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیدٌ﴾(۲)

اس میں اس شخص کے لئے نصیحت ہے جس کے پاس دل ہے جو دل سے بات سنتا ہے۔

پس جسم کی بیماری سے زیادہ سخت روح کی بیماری ہے اور وہ بیماری یہ ہے کہ انسان عقائد میں شک کرے اور بداخلاقی و پستی میں مبتلا ہو جائے۔ روایت کے اگلے حصہ میں فرماتا ہے:

اَلا وإنَّ مِنَ النِّعَمِ سَعَةُ المَالِ و أفضلُ مِنْ سَعَةِ المَالِ صِحَّةُ البَدَنِ.

دیکھو خدا کی نعمتوں میں مالی ترقی بھی ہے لیکن مالی ترقی سے بہتر بدن کی صحت و تندرستی ہے۔

انسان کو اپنے بدن و جسم کی صحت کی قدر کرنا چاہئے، امام جعفر صادقؑ سے ایک حدیث نقل ہوئی ہے فرماتے ہیں:

نعمتان مکفورتان الأمنُ و العافیة. (۳)

لوگ دو نعمتوں کی قدر نہیں جانتے ہیں اور وہ ہیں: امن و عافیت

و افضل من صحة البدن تقویٰ القلب

اور بدن کی صحت سے بہتر روح کا تقویٰ ہے۔

قرآن مجید فرماتا ہے:

وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوَیٰ (۴)

---

(۱) مجمع البحرین ج ۲ ص ۱۴۸

(۲) ق ۳۷

(۳) خصال صدوق باب منتهای دوگانه، متن: ۱۱۲، بحار الانوار ج ۸۱ ص ۱۷۰

(۴) بقرہ: ۱۹۷

اپنے لئے زادراہ فراہم کرلو اور بہترین زادراہ تقوئی ہے۔

تقویٰ، وقایۃ سے مشتق ہے، جس کے معنی حفاظت اور بچانا ہیں، مثال دی جاتی ہے کہ جس طرح پر خاروادی سے گذرنے والا احتیاط سے کام لیتا ہے اور ہوشیار رہتا ہے کہ اس کو کانٹا نہ لگے اور اس کا دامن کانٹوں سے الجھے، متقی و پرہیز خود کو اسی طرح گناہوں سے بچاتا ہے اور جو چیز خدا کے حکم کے خلاف ہوتی ہے اس سے بچتا ہے۔ تقویٰ کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ تقوائے روح: یعنی روح کو عقائد میں شک کرنے، شرک کفر کی طرف تمایل اور باطل عقائد میں مبتلا ہونے سے بچانا۔

۲۔ تقوائے بدن: یعنی بدن اور اس کے اعضاء و جوارح کو معصیت سے بچانا مثلاً انسان آنکھ کو اس گناہ سے بچائے جو آنکھ سے ہوتا ہے، اور کان کو اس گناہ سے محفوظ رکھے جو کان سے متعلق ہے اور زبان کو اس گناہ سے بچائے جو زبان سے تعلق رکھتا ہے۔

و نومها غفلتها

روح کی نیند اور غفلت، خدا سے بے پرواہونا ہے اور اس کی بیداری خدا کو یاد رکھنا ہے۔

جس طرح انسان نیند کی حالت میں ہر چیز سے غافل رہتا ہے اور کسی چیز کی طرف توجہ نہیں کرتا ہے۔ اسی طرح روح کو بھی نیند آتی ہے یعنی جب وہ خدا سے غافل ہوتی ہے تو گویا سو جاتی ہے اور جب خدا کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو گویا بیدار ہو جاتی ہے۔

❁❁❁❁❁

# بارہویں تقریر

خداوند عالم کی اپنے رسول کو وصیت

ظاہر و باطن میں خلوص

خوشی و ناخوشی میں عدل کرنا

جہاد بالنفس سب سے افضل جہاد ہے

غضب خطرناک پستی ہے

خوشی و ناخوشی کے وقت حق و انصاف سے کام لینا

مفلسی اور ثروت مندی کے زمانہ میانہ روی سے کام لینا

جس نے کچھ نہ دیا ہو اسے عطا کرنا

جس نے تم پر ظلم کیا ہے اسے معاف کر دو

جس نے قطع رحم کیا ہے اس کے ساتھ صلہ

قال رسول اللهؐ:

أوصـاني ربِّي بتسع وأنا أُوصيكم بما أوصاني به ربِّي: بالاخلاص في السرّ و الـعلانية والعدل في الرضا والغضب و القصد في الغنىٰ والفقر وان أعفوا عـمَّـن ظَلَمَني وأُعطي مَنْ حرمني وأصِلَ مَنْ قَطَعَني وأن يكونَ صَمتي فكراً ونُطقي ذِكراً و نظري عِبَراً. (۱)

رسولؐ فرماتے ہیں:

میرے پروردگار نے مجھے نو چیزوں کی وصیت کی ہے میں بھی تمہیں انہیں کی وصیت کرتا ہوں۔ فضائل وکمالات اور پسندیدہ اخلاق میں ان نو چیزوں کی بڑی اہمیت ہے۔

۱. الاِخلاص في السرِّ و العلانية

ظاہر و باطن میں خلوص سے کام لینا، انسان خواہ خلوت میں ہو یا جلوت میں اسے خلوص کے ساتھ عمل کرنا چاہئے انسان روزہ، نماز، امر بالمعروف و نہی عن المنکر جیسا جو عمل بھی انجام دیتا ہے اسے خالص خدا کے لئے انجام دینا چاہئے اس نیت کے ساتھ بجالانا چاہئے کہ خدا نے اس کو انجام دینے کا حکم دیا ہے میں اس عمل کو اسی کی خوشنودی کے لئے انجام دے رہا ہوں۔

---

(۱) اثنی عشریہ ۳۱۵

اسی نیت سے علم حاصل کرنا چاہیئے انسان کو چاہیئے کہ خدا کے لئے علم حاصل کرے اور خدا ہی کے واسطہ اس پر عمل کرے اور اسی نیت سے لوگوں کو ہدایت کرے۔

**۲. والعدل فی الرضا و الغضب**

خوشی و ناخوشی کے موقعہ پر (خصوصاً جس وقت انسان کے وجود میں غیظ و غضب کی آگ بھڑک رہی ہو جس کا بجھانا بہت شکل ہو) عدل سے کام لینا چاہئے۔

اسی طرح اس وقت بھی انسان کو عدل سے کام لینا چاہئے جب اس کی شہوت کی آگ بھڑگ اٹھے، کہ جس کو خاموش کرنا بہت دشوار ہوتا ہے۔

امام موسیٰ کاظمؑ فرماتے ہیں:

أفضلُ الجهاد مَنْ جاهَدَ نفسه التي بين جنبيه. (۱)

عظیم ترین جہاد یہ ہے کہ انسان اپنے نفس سے جہاد کرے۔

البتہ ایسے موقعوں پر نفس کو لگام چڑھانا بہت دشوار کام ہے۔

شاعر کہتا ہے:

حذر از پیروی نفس، که در راه خدای
مردم افکن تر از این غول بیابانی نیست
عالم و عابد و صوفی همه طفلان رهند
مرد اگر هست به جز عالم ربانی نیست
با تو ترسم نکند شاهد روحانی، روی
که التماس تو به جز راحت جسمانی نیست

(۱) بحار الانوار ج ۷۰ ص ۶۵ عن موسیٰ بن جعفر عن آبائہؑ قال، قال أمير المومنينؑ، ان رسول الله بعث سرية فلما رجعوا قال: مرحباً بقوم قضوا الجهاد الاصغر و بقي عليهم الجهاد الاكبر۔ قيل: يا رسول الله و ما الجهاد الاكبر؟ قال: جهاد النفس، ثم قالؑ: افضل الجهاد من جاهد نفسه التي بين جنبيه۔

شب مردان خدا روز جهان افروز است

روشنان را به حقیقت شب ظلمانی نیست۔ (۱)

نفس کی پیروی سے بچو کہ راہ خدا میں صحرا کے اس دیو سے بڑا کوئی پہلوان نہیں ہے، عالم و عابد اور صوفی سبھی بچے ہیں، مرد فقط عالم ربانی ہے، مجھے تمہارے بارے میں ڈر ہے کہ کہیں معبود تمہاری طرف نظر نہ کرے کیونکہ تمہاری خواہش جسمانی راحت کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے مردانِ خدا کی راتیں تو روشن دن کی طرح ہوتی ہیں نور والے رات کے اندھیرے کے محتاج نہیں ہیں۔

بہر حال شہوت کی منہ زوری اور غضب کے شعلہ ور ہونے کے موقعہ پر نفس پر قابو رکھنا اور عدل سے کام لینا بہت مشکل مرحلہ ہے اگر اس وقت انسان عدل سے کام لے اور حکم خدا کے خلاف قدم نہ اٹھائے اور خدا کی خوشنودی کے خلاف کوئی بات نہ کہے تو اس کا عمل اس وصیت کے مطابق ہوگا جس کی خدا نے اپنے رسولؐ کو وصیت کی ہے۔

ایک شخص رسولؐ کی خدمت میں شرف یاب ہوا اور عرض کی:

اے اللہ کے رسولؐ! مجھے کوئی نصیحت کیجئے، آپؐ نے فرمایا:

**آمرک الاّ تغضب**

میں تجھے حکم دیتا ہو کہ غضب ناک نہ ہونا غصہ نہ کرنا اور غیظ میں کوئی کام نہ کرنا۔

اس نے پھر عرض کی: اے اللہ کے رسولؐ مجھے کوئی نصیحت کیجئے آپؐ نے تین مرتبہ یہی جملہ **آمرک ان لا تغضب (۲)** دہرایا۔

پس جن کاموں کو انجام دینا چاہئے ان میں سے ایک غضب وغصہ کے موقعہ پر عدل سے کام لینا بھی ہے اسی طرح خوشی کے موقعہ پر اپنے محبوب یا دوست وعزیز کے ساتھ کوئی سلوک کرے تو اس میں بھی حق و انصاف اور میانہ روی کا خیال رکھے۔

---

(۱) کلیات سعدی مواعظ، ۸۹۰ (۲) بحار الانوار ج ۷۳ ص ۲۷۴

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لاتُلْهِکُمْ أَمْوَالُکُمْ وَلاأَوْلاَدُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللهِ﴾ (۱)

اے ایمان لانے والو! ایسا نہ ہو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہیں یادِ خدا سے غافل کر دیں کہیں تمہیں میانہ روی سے نہ ہٹا دیں۔

۳. و القصدُ في الغنى و الفقر

اور ثروت مندی و ناداری کے موقعہ پر میانہ روی سے کام لینا۔

۴. واُعطيَ مَنْ حَرَمَنِي

اور جس نے مجھے محروم رکھا ہے اسے عطا کروں۔

بعبارت دیگر جس نے میرے ساتھ نیکی نہیں کی ہے اس کے ساتھ نیکی کروں۔

۵. وانْ أعفو عمّن ظَلَمَني

اگر کسی نے میرے اوپر ظلم کیا ہے نہ صرف ان سے انتقام نہیں لینا چاہئے بلکہ مجھے چاہئے کہ اسے معاف کر دوں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَالْکَاظِمِینَ الْغَیْظَ وَالْعَافِینَ عَنْ النَّاسِ وَاللهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِینَ﴾ (۲)

خداوند عالم ان لوگوں کی تعریف کر رہا ہے جو غصہ کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں بیشک خداوند عالم نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

۶. و انْ أصِلَ مَنْ قَطَعَني

اور میں اس کے ساتھ صلہ رحمی کروں جس نے میرے ساتھ قطع رحمی کی ہے۔

---

(۱) منافقون ۹

(۲) آل عمران: ۱۳۴

۷. و أنْ يكونَ صَمْتِي فِكْراً

میری خاموشی غور وفکر کے ساتھ ہو (یعنی اگر خاموش رہوں تو پروردگار کی صعظمت کے بارے میں غور کروں)۔

جس وقت انسان اس وسیع و عجیب عالم کے بارے میں غور کرتا ہے تو خدا کی عظمت اور اس کی لامحدود قدرت کا کچھ اندازہ ہوتا ہے یہ غور وفکر ممدوح اور پسندیدہ ہے۔

ممدوح غور وفکر میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب انسان دنیا، اس کی ناپائیداری اور بے وفائی اور بدلتے ہوئے حالات کے بارے میں غور کرتا ہے تو وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ کوئی چیز باقی نہیں رہے گی نہ جوانی، نہ خوشی نہ آسائش اور نہ صحت وتندرستی بلکہ ہر چیز لمحوں میں ختم ہو جائے گی۔

لہذا انسان کو چاہئے کہ دنیا کے فریب میں نہ آئے اور اس سے دل نہ لگائے بلکہ اس کو آخرت کا پیش خیمہ تصور کرے۔

بنا برایں اگر ہم علم حاصل کریں یا کوئی دوسرا کام انجام دیں تو اس میں ہماری نظر صرف خدا پر ہونی چاہئے اور ہماری محنت کو آخرت کا زادراہ ہونا چاہئے۔

اسی طرح ممدوح اور بہترین افکار میں سے علمی باتوں کے بارے میں غور وفکر کرنا بھی ہے یعنی انسان کو چاہئے کہ وہ علمی چیزوں کا مطالعہ کرے اور ان میں غور کرے درس پڑھتے وقت غور سے سنے اور پھر اس کے بارے میں خوب غور وخوض کرے تا کہ اس کی حقیقت تک پہنچ جائے۔

محمد بن علی بن بابویہ قمی سے نقل ہوا ہے کہ جب وہ مطالعہ کرتے ہوئے کسی بات کو بخوبی سمجھ لیتے تھے تو بہت لذت محسوس کرتے تھے اور کہتے تھے۔

أينَ المُلوكُ و أينَ أبناءُ الملوك مِنْ هذه اللّذة

یعنی جو لذت مجھے محسوس ہو رہی ہے یہ بادشاہوں اور شہزادوں کو کہاں نصیب ہوتی ہے۔

گویا یہ لذت بادشاہی کی لذت سے زیادہ مسرور کن ہے۔

امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں:

الفكرُ مرآةٌ صافيةٌ والاعتبارُ منذرٌ ناصحٌ. (۱)

(خلقت کی بوقلمونیوں میں) غور کرنا صاف وشفاف آئینہ کی مانند ہے۔

اور دنیا کی ناپائیداری اور بے وفائی سے عبرت لینا ایسا ڈرانے والا ہے جو خیر خواہ ہے۔

انسان کو چاہئے کہ پست فکر کو دور کرے اس کے افکار کو ہمیشہ ممدوح وپسندیدہ ہونا چاہئے۔

۸. و نُطْقِي ذِكْراً

اور میری باتوں میں ذکر خدا ہونا چاہئے۔

یعنی اگر میں بولوں تو ذکرِ خدا کروں، ذکر خدا، قرآن کی تلاوت بھی ہوسکتی ہے، دعا بھی ہوسکتی ہے، امر بالمعروف بھی ہوسکتا ہے اور نہی عن المنکر بھی ہوسکتا ہے، درس پڑھنا بھی ہوسکتا ہے اور سبق پڑھاتا بھی ہوسکتا ہے جب ہم ان چیزوں کو غور سے دیکھتے ہیں تو سب میں ایک خدائی پہلو نظر آتا ہے۔

ذکر یہ بھی ہے کہ انسان خدا کی تسبیح، تمجید، تحمید، تہلیل اور تکبیر، میں مشغول رہے یعنی جب وہ پروردگار کی عظمت ووحدانیت کے بارے میں غور کرے تو زبان سے کہے:

لا اِلٰهَ اِلاّ اللّٰهُ

اور جب خدا کی نعمتوں کے بارے میں غور کرے تو زبان سے کہے:

الحمدُ للّٰهِ رَبِّ العَالَمين .

اور جب اپنی خطاؤں اور لغزشوں کو یاد کرے تو استغفار کرے اور زبان سے کہے:

أستغفرُ اللّٰهَ ربّي و أتوبُ اِليه.

مختصر یہ کہ انسان کی زبان سے نکلنے والے الفاظ کا خدا سے تعلق ہونا چاہئے اور ہر لفظ کو خدا کے لئے ہونا چاہئے۔

(۱) نہج البلاغہ حکمت ۳۶۵، روایت کا اگلا حصہ یہ ہے و کفیٰ ادبا لنفسک تجنبک ما کرھتہ لغیرک۔

منقول ہے کہ ایک روز رسولؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

جب تم، سبحان اللہ والحمدللہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر، کہتے ہو تو فرشتے تمہارے لئے جنت میں ایک پودا لگاتے ہیں۔

ایک شخص نے عرض کی: اے اللہ کے رسولؐ اگر ایسا ہے تو جنت میں ہمارے بہت سے باغ ہونگے

آپؐ نے فرمایا: بشرطیکہ تم نے آگ نہ بھیجی ہو کہ جس نے انہیں جلا دیا ہو۔

اس نے عرض کی یہ آگ کیا ہے؟

فرمایا: خدا کی معصیت۔(۱)

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللهَ ذِكْراً كَثِيراً وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلاً﴾ (۲)

اے ایمان لانے والو! بہت زیادہ ذکرِ خدا کیا کرو اور صبح وشام اس کی تسبیح کیا کرو حدیث میں آیا ہے کہ وہ ذکر یہ ہے:

**سبحانَ اللّٰهِ والحمدُ للّٰه ولا اِلٰه اِلاّ اللّٰه و اللّٰه اکبرُ ولا حولَ ولا قوّةَ اِلاّ باللّٰه العليِّ العظيم.** (۳)

(۱) وسائل الشیعۃ ج ۴ص ۱۲۰۶عن ابی جعفرؑ قال: قال رسول اللهؐ؛ من قال سبحان الله، غرس الله له بها شجرة فی الجنة۔ و من قال الحمد لله، غرس الله له بها شجرة فی الجنة۔ و من قال لا اله الاّ الله، غرس الله له بها شجرة في الجنة، و من قال الله اكبر، غرس الله له بها شجرة فی الجنة، فقال رجل من قريش: يا رسول الله اِنّ شجرنا في الجنة لكثير؟ فقال: نعم ولكن اِيّاكم اَنْ تُرسلوا عليها نيراناً فتُحرقوها و ذلك اَنّ الله عزّ و جلّ (پچھلے صفحہ کا باقی) يقول: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَاتُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ محمد ۳۳

(۲) احزاب ۴۱-۴۲

(۳) نور الثقلین ج ۴ص ۲۸۷، مجمع البیان ج ۴ص ۳۶۲۔ روی الواحدی باسناده عن ضحاك ابن مزاحم عن ابن عباس قال: جاء جبرئيلؑ الیٰ النبیؐ فقال: يا محمد قل: سبحان الله و الحمد لله و لا اله الا الله و الله اكبر ولا حول ولا قوة الّا بالله العلی العظيم عددما علم وزنه و ملأ ما علم، فانه من قالها كتب الله له بها ستّ خصال: كتب من الذاكرين الله كثيراً، و كان افضل من ذكره بالليل و النهار و كان له غرساً في الجنّة و تحاتت عنه خطاياه كما

تحات ورق الشجرة اليابسة و ينظر الله اليه و من نظر اليه لم يعذبه۔

اگر یہ ذکر از روئے حقیقت ہوتو اس کا بڑا اثر ہے بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ مطلق ذکر مراد ہے یعنی ہمیں ہر لمحہ اور ہر حال میں خدا کو یاد کرنا چاہئے یادِ خدا یہ ہے کہ انسان اپنی ہر بات میں اپنے عمل کو دیکھے کہ اس عمل کے لئے یہ بات خدا کے لئے ہے یا نہیں اس طرح جب کوئی بات سنے یا کسی چیز کے بارے میں غور و فکر کرے اس وقت غور کرے کہ اس کا سننا یا اس کے بارے میں غور کرنا خدا کے لئے ہے یا نہیں اسی طرح قدم اٹھاتے وقت سوچے کہ یہ خدا کے واسطہ ہے یا نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ تمام امور میں خدا کو مدنظر رکھنا چاہئے۔

و ۔ ونَظَرِي عِبْرَةً

اور جو کچھ میں دیکھتا ہوں اس میں اس کی قدرت کے آثار کا مشاہدہ کروں اور اس سے عبرت حاصل کروں۔

❁❁❁❁❁

# تیرہویں تقریر

اجتماعی عبادت

فردی عبادت کی تعریف
اجتماعی عبادت کی تعریف
اجتماعی عبادت کی اہمیت
لوگوں کی حاجت روائی کرنا خدا کا فضل ہے
لوگوں کی ہدایت کا اثر دائمی ہے
نیک باتوں پر عمل کرنے والوں کا ثواب ان کی طرف ہدایت کرنے والوں کو ملتا

**قال الله تبارک و تعالیٰ لموسیٰ ؑ:**

**هل عملت لي عملاً خالصاً؟ قال: نعم صلّيتُ لَکَ و صُمْتُ لَکَ وسَبَّحْتُ وهَلَّلتُ لکَ.**

**قال اللّٰہ تعالیٰ: الصلٰوۃ لک جواز علیٰ الصراط و الصوم جُنَّۃٌ لَکَ مِنَ النّارِ و التسبیحُ والتهلیلُ لَکَ درجاتٌ في الجنّة فبکیٰ وقال: یا ربِّ دُلَّني علیٰ عملٍ خالصٍ لَکَ؟ قال: هل نَصَرْتَ مَظْلوماً هل کسوت عریاناً؟ هل سَقَیْتَ عَطشاناً؟ هل أکْرَمْتَ عالِماً؟ هذا لي عَمَلٌ خالصٌ. (۱)**

حدیث قدسی میں خداوند عالم نے حضرت موسیٰؑ سے خطاب فرمایا ہے: اے موسیٰؑ کیا تم نے خالص میرے لئے کوئی عمل انجام دیا ہے؟ عرض کی: ہاں۔ نماز پڑھی ہے، روزہ رکھا ہے، تیری تسبیح وتہلیل کی ہے۔ خداوند عالم نے فرمایا: نماز کا فائدہ تمہیں کو پہنچے گا، اس کا فائدہ یہ ہے کہ تم پل صراط سے گذر جاؤ گے اور روزہ جہنم سے بچانے کے لئے سپر ہے اور تسبیح وتہلیل سے جنت

(۱) اثنی عشریہ الباب الثالث فی المواعظ، الثلاثیات، الفصل الاول فی نصائح الله تعالیٰ لموسیٰ بن عمران (ع) امّا در بحار الانوار ج ۶۹ ص ۲۵۲، راوندی کی دعوات سے قل کیا ھے: ان الله تعالیٰ قال لموسیٰؑ: هل عملت لي عملاً؟ قال: صلّيتُ لك و صُمْتُ و تصدّقت و ذکرت لك۔ قال الله تعالیٰ: و اما الصلٰوة فلك برهان و الصومَ جنة، و الصدقة ظلّ، و الذکر نور، فأيّ عمل عملت لي؟ قال موسیٰؑ: دلّني علیٰ العمل الّذي هو لك۔ قال: یا موسیٰ! هل عادیت لی عدواً قط؟ فعلم موسیٰؑ اِن افضل الاعمال الحب في الله، و البغض في الله۔

میں تمہارا درجات بلند ہوتے ہیں۔موسیٰ رونے لگے اور عرض کی: اس عمل کی طرف میری راہنمای فرما جو خالص تیرے لئے ہو۔خداوند عالم نے فرمایا: کسی برہنہ کو کپڑا پہنایا؟ کسی پیاسے کو پانی پلایا؟ یا کسی عالم کا احترام کیا ہے؟ یہی میرے لئے خالص عمل ہے۔(۱)

عبادت کی دوقسمیں ہیں: (۱) فردی، (۲) اجتماعی

فردی عبادت: اس عبادت کا ثواب اس شخص کو ملتا ہے جس نے یہ عبادت کی ہے، مثلاً نماز، روزہ، تسبیح وتہلیل اور قرآن کی تلاوت وغیرہ...

اجتماعی عبادت: اس عبادت کا نفع وفائدہ پورے معاشرہ کو ملتا ہے۔

حضرت خاتم الانبیاء سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

**خصلتان لیس فوقهما مِنَ البرّ شيء: الايمان بالله و النفع لعباد الله و خصلتان لیس فوقهما مِنَ الشرّ شيء: الشرک بالله و الضرُّ لعباد الله. (۲)**

دو خصلتیں ایسی ہیں کہ ان سے بڑی کوئی خوبی ونیکی نہیں ہے اور وہ ہیں:

۱۔ خدا پر ایمان، ۲۔ خدا کے بندوں کو فائدہ پہنچانا اور دو خصلتیں ایسی ہیں کہ ان سے بدتر کوئی خصلت نہیں ہے، ۱۔ خدا کا شریک قرار دینا،

۲۔ خدا کے بندوں کو اذیت وآزار پہنچانا۔

پس عبادت کی دوقسمیں ہیں:

(۱) پہلے اس نکتہ پر توجہ ہونی چاہئے کہ حدیث اور حدیث قدسی میں کیا فرق ہے؟۔ جو کلام معصوم کے قول وفعل اور خاموشی کو نقل کرے مثلاً روایت میں یہ وارد ہوا ہے کہ امام صادقؑ نے فلاں چیز کے بارے میں یہ فرمایا ہے یا آپؑ نے فلاں کام کیا ہے یا آپؑ کے سامنے لوگوں نے ایسا کام کیا ہے اور اس پر امام خاموش رہے۔ یہ ہے سنّت اور حدیث اس میں معصوم کا قول، فعل اور تقریر شامل ہے۔
حدیث قدسی یہ ہے کہ رسولؐ یا امامؑ یہ فرمائیں کہ خدا نے یہ فرمایا ہے۔ حدیث قدسی اور قرآن میں یہ فرق ہے کہ قرآن اعجاز، چیلنج اور بشر کے لئے خدا کے احکام ودستورات بیان کرنے کے لئے خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے لیکن حدیث قدسی معجزہ اور چیلنج کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ خدا کی طرف سے کسی مسئلہ یا قول کو بیان کرتی ہے۔
(۲) تحف العقول ۲۵، مواعظ النبیؐ وحکمہ

ا۔فردی عبادت،۲۔اجتماعی عبادت

اجتماعی عبادت متعدد جہات سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے کیونکہ انسان اپنی زندگی کو جاری رکھنے کے لئے دوسرے لوگوں کا محتاج ہے اور یہی وجہ ہے کہ لوگوں کو فائدہ پہنچانے اوران کی حاجت روائی کرنے کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔

ایک حدیث حضرت سید الشہداءؑ امام حسینؑ سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

واعلموا أنّ حوائج النّاس اليكم مِنْ نعم اللّٰه عليكم فلا تملّوا النّعم فتحور "فتحول" نقماً. (۱)

آگاہ ہو جاؤ کہ حاجت روائی کے لئے لوگو کا تمہارے پاس آنا بھی تم پر خدا کا فضل وکرم ہے ایسا نہ ہو کہ تم اس سے تھک جاؤ اور نتیجہ میں تم سے یہ نعمت چھن جائے اور نعمت نقمت میں بدل جائے۔

حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

اِنَّ للّٰه تعالىٰ عباداً يخصُّهُم بالنعم لمنافع العباد فيُقرّها في أيديهم ما بذلوها فإذا منعوها نزعها منهم ثمَّ حوَّلها الىٰ غيرهم. (۲)

بیشک خدا کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ خدا نے اپنی نعمتوں کو انہیں سے مخصوص کر دیا ہے تا کہ دوسرے افراد ان سے فائدہ حاصل کریں پس یہ نعمتیں ان کے پاس اسی وقت تک رہتی ہیں جب تک وہ دوسروں کو نوازتے رہتے ہیں اور لوگوں کی حاجت پوری کرتے رہتے ہیں لیکن اگر وہ اس میں کوتاہی کرتے ہیں اور لوگوں کو ان نعمتوں میں سے نہیں دیتے تو خدا ان سے ان کو چھین لیتا ہے اور دوسروں کو دیدیتا ہے۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ عبادت کی دو قسمیں ہیں ایک فردی اور دوسرے اجتماعی تو اس بات پر توجہ رکھنا

---

(۱) بحار الانوار ج ۷۸ ص ۱۲۱ نقل از کشف الغمہ ج ۲ ص ۲۴۱

(۲) بحار الانوار ج ۷۲ ص ۲۸

ضروری ہے کہ اجتماعی عبادت کی بھی دو قسمیں ہیں:

ا۔ایک عبادت کا اثر وقتی ہوتا ہے، مثلاً: کسی برہنہ کو کپڑا پہنانا، جب تک یہ نعمت وثروت برہنہ لوگوں کو کپڑا پہنانے میں صرف ہوگی اس وقت تک مالک کے پاس باقی رہے گی لیکن جب اس کام میں خرچ نہیں ہوگی تو اس سے واپس لے لی جائے گی۔ البتہ جو پیسہ اس سلسلہ میں خرچ ہوا ہے اس کا اجر وثواب باقی ہے، اسی طرح پیاسوں کو پانی پلانا اور بھوکوں کو کھانا کھلانا اور دامے درمے، سخنے لوگوں کی مدد کرنا یہ سب وقتی عبادتیں ہیں۔

جن عبادتوں کا اثر دائمی ہے ان میں سے لوگوں کی ہدایت کرنا بھی ہے۔

اجتماعی عبادتوں میں سے عظیم ترین نعمت یہ ہے کہ کسی فرد کی ہدایت کردی جائے۔

البتہ یہ علماء اور صاحبان علم کا فریضہ ہے بنا برایں طلبہ اور اہل علم کو چاہئے کہ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد لوگوں کی ہدایت کریں۔

اس بات کی اہمیت بیان کرنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ جناب رسولؐ نے حضرت امیر المومنینؑ سے فرمایا: اے علی! اگر خداوند عالم تمہارے ذریعہ کسی شخص کو ہدایت دیدے تو آپ کے لئے ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن پر سورج نے روشنی ڈالی ہے۔ (یعنی ساری دنیا سے بہتر ہے)(۱)

لوگوں کی ہدایت کرنے، نیک باتوں کا حکم دینے برائیوں سے روکنے اور لوگوں کو گمراہی سے نکال کر راہ ہدایت پر لگانے کی اتنی زیادہ تاکید کی گئی ہے کہ خدا فرماتا ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾. (۲)

اور مسلمان! تم سے ایک گروہ کو چاہئے کہ وہ لوگوں کو نیک کاموں کی طرف بلائے انہیں نیکی کا

---

(۱) بحار الانوار ج ۳۲ ص ۴۴۸ فانّ رسول اللّٰہ قال لي يوم خيبر لإن يهديَ الله لك رجلاً واحداً خيرٌ لك ممّا طلعت عليه الشمس۔

(۲) آل عمران ۱۰۴

حکم دے اور میری باتوں سے روکے۔

نیز فرماتا ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللهِ﴾ (۱)

مومنوں تم بہترین امت ہو کہ لوگوں کو نیک اور اچھی باتوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور خدا پر ایمان رکھتے ہو۔

امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

مَنْ عَلَّمَ بابَ هُدىً فَلَهُ مثل أجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهِ، ولا ينقُصُ أولئك من أُجورهم شيء، و مَنْ عَلَّمَ بَابَ ضَلالٍ كان عليه مثل أوزارِ مَنْ عَمِل به و لا ينقصُ أُولئك مِنْ أوزارهم شيئاً. (۲)

اگر کوئی شخص ہدایت کے ایک باب کی تعلیم دیتا ہے (یعنی کسی کو راہ راست پر لگاتا ہے اور لوگوں کی ہدایت کرتا ہے) تو اسے عمل کرنے والا کا ثواب ملیگا جبکہ عمل کرنے والوں کے ثواب میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوگی۔ اور اگر کوئی کسی کو گمراہ کرتا ہے تو اس کو اتنا ہی عذاب ہوگا جتنا گمراہ کو ہوگا جبکہ اس کے عذاب میں کمی نہیں ہوگی۔

بنابرایں پہلے انسان کو اپنی اصلاح کرنی چاہئے اس کے بعد دوسروں کی۔

---

(۱) آل عمران ۱۱۰

(۲) وسائل الشیعۃ ج ۱۱ ص ۴۳۶، تحف العقول ۲۹۷

# چودھویں تقریر

رسولؐ خدا کے کلام میں چار اہم ترین موعظے

مال خرچ کرنے کے لئے ہے جمع کرنے کے لئے نہیں۔
علم عمل کے لئے ہے نہ تکبر وفخر کے لئے
لوگوں کی ہدایت کرنے اور انہیں تعلیم دینے سے پہلے خود عمل کرو
لوگوں کی ہدایت کی اہمیت
مذموم بحث ومباحثہ
ممدوح بحث ومباحثہ
خدا کا بندہ عبادت کے لئے پیدا ہوا ہے نہ کہ نعمتوں سے سرشار ہونے کے لئے
دنیا عبرت لینے کے لئے ہے نہ آباد کرنے کے لئے
دنیا کی ناپائیداری کے بارے میں سوچنے سے عبرت حاصل ہوتی ہے۔
گذشتہ لوگوں کی تاریخ آنے والوں کی عبرت کا سرمایہ ہے۔

حضرت رسولؐ اکرم سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

**أربعةٌ لأربعةٍ لا لأربعةٍ: المال للإنفاق لا للإمساک، والعلم للعملِ لا للمجادلة، و العبدُ للتعبُّد لا للتنعُّم، و الدُّنیا للعِبْرة لا للعمارة. (۱)**

چار چیزیں چار چیزوں کے لئے ہیں اور چار چیزوں کے لئے نہیں ہیں:

**۱. المال للإنفاق لا للإمساک**

مال خرچ کے لئے ہے روکنے اور جمع کرنے کے لئے نہیں۔

مال اس لئے نہیں ہے کہ اس مال کے اوپر مال پاٹتے رہیں، شاعر کہتا ہے:

زبهر نهادن چه سنگ و چه زر (۲)

ہر چیز چھوٹ جائیگی پتھر ہو یا سونا

**۲. و العلم للعمل لا للمجادلة**

علم عمل کے لئے ہے مجادلہ کے لئے نہیں۔

---

(۱) اثنی عشریۃ ۱۵۹

(۲) کلیات سعدی بوستان ۲۸۸

انسان کو چاہئے کہ علم حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہے اور اس پر عمل کرنے کا بھی پابند رہے۔ یعنی دین جو احکام وہ سمجھ چکا ہے ان پر عمل کرے پھر جب علم و عمل میں کامل ہو جائے اور مکمل طور پر اپنی اصلاح کر لے تو دوسروں کو تعلیم دینے اور تادیب کرنے کا آغاز کرے، یعنی علم کے دو عمل ہیں:

(۱) خود عالم اپنے علم پر عمل کرے۔ (۲) دوسرے اس کے علم پر عمل کریں۔

حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

مَنْ نَصَبَ نفسه للناس إماماً فليبدأ بتعليم نفسه قبل تعليم غيره، و ليكن تأديبه بسيرته قبل تأديبه بلسانه، ومعلّم نفسه و مؤدبها أحق بالإجلال من معلّم النّاس ومؤدبهم. (۱)

جو شخص خود کو لوگوں کا پیشوا قرار دیتا ہے اسے چاہئے کہ پہلے وہ اپنے نفس کو تعلیم سے آراستہ کرے (یعنی جو کچھ جانتا ہے اس پر خود عمل کرے) پھر دوسروں کو سکھائے اور جو شخص اپنے نفس کا معلم اور اس کو ادب سکھانے والا ہے اور ہمیشہ اپنے علم پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ اس شخص کی بہ نسبت احترام کا زیادہ حقدار ہے جو لوگوں کی تعلیم و تربیت کے لئے بھاگ دوڑ کرتا ہے اور خود سے غافل رہتا ہے۔

پس انسان کا فریضہ یہ ہے کہ وہ علم حاصل کرے اور اپنے علم پر عمل کرے پھر لوگوں کی ہدایت کرے۔

رسولؐ فرماتے ہیں:

ما أهدى المرءُ المسلمُ لأخيه هديّة أفضل من كلمةٍ حكمةٍ يُزيدهُ اللّٰه بها هدىً أو يردّه بها عن ردى. (۲)

کسی مسلمان نے اپنے بھائی کی خدمت میں اس حکیمانہ بات سے بہتر ہدیہ پیش نہیں کیا کہ جس کے ذریعہ خدا اسکی ہدایت میں اضافہ کرتا ہے اور اسے پستی اور ہلاکت سے بچاتا ہے۔

---

(۱) نہج البلاغۃ حکمت ۷۳

(۲) بحار الانوار ج ۲ ص ۲۵، کنز العمال ج ۱۰ ص ۱۷۲

نیز فرمایا:

اگر انسان ایک شخص کی ہدایت کر دے تو یہ اس کے لئے تمام چیزوں سے بہتر ہے جن پر سورج نے روشنی ڈالی ہے۔(۱)

امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

مَنْ عَلَّمَ بابَ هُدیً فَلَهُ مثل أجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهِ، ولا ينقُصُ أولئک من أُجورهم شيئاً، و مَنْ عَلَّمَ بَابَ ضَلالٍ كان عليه مثل أوزارِ مَنْ عَمِلَ بِهِ و لا ينقصُ أُولئک مِنْ أوزارهم شيئاً. (۲)

جو شخص لوگوں کے لئے ہدایت کا ایک دروازہ کھولتا ہے، خدا اسے اس پر عمل کرنے والوں کا اجر و ثواب عطا کرتا ہے حالانکہ عمل کرنے والوں کے اجر میں کمی واقع نہیں ہوتی ہے اور جو شخص لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے ایک دروازہ کھولتا ہے تو اس کی تعلیم بد کے نتیجہ میں جو گناہ انجام پائیں گے وہ سب اس گمراہ کرنے والے نامہ اعمال میں لکھے جائیں گے اور گناہگار کا کوئی گناہ کم نہ ہوگا۔

جس روایت کے ذیل میں ہماری بحث ہے اس میں رسولؐ اکرم کا ارشاد ہے کہ علم عمل کے لئے ہے نہ کہ مجادلہ کے لئے لیکن مجادلہ ہے کیا؟

مجادلہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) مذموم مجادلہ، (۲) ممدوح مجادلہ

مذموم مجادلہ یہ ہے کہ شک اور جھگڑے کی بنا پر بحث ہو یعنی انسان اپنی بات اونچی کرنی چاہے خواہ اس کی بات حق نہ ہو، اسی بنا پر فرمایا ہے کہ اگر انسان مباحثہ میں کسی کی علمی رائے برحق بھی ہو تو بھی اپنی بات تسلیم کرانے کے لئے زیادہ اصرار نہ کرے بلکہ اگر خاموشی اختیار کرے تو بہتر ہے ناحق بات کی تو گنتی ہی نہیں ہے

---

(۱) بحار الانوار ج ۲ ص ۴۴۸

(۲) کافی ج ۱ ص ۳۵

اس سلسلہ میں ایک روایت امام حسن عسکریؑ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

لا تُمارِ فيَذْهَبَ بهاؤک و لا تُمازِحْ فيُجترأ عليک. (۱)

جھگڑا اور جدال نہ کرو کہ تمہاری آبرو چلی جائے گی اور مذاق نہ کرو ورنہ دوسرے جری ہو جائیں گے۔

آپؑ ہی کا ارشاد ہے:

التواضع : الرضا بالمجلس دون شرفه، و أنْ تُسَلّم علىٰ مَنْ لَقيتَ، و أنْ تترک المراءَ و اِنْ كنتَ مُحِقّاً.(۲)

تواضع تین چیزوں سے پیدا ہوتی ہے:

۱۔ مجلس و محفل میں جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جائے خاص جگہ کی تلاش میں نہ رہے وہ جگہ شان کے مطابق بھی نہ ہو تو بھی بیٹھ جائے۔

۲۔ جس سے بھی ملاقات ہو اسی کو سلام کرو۔

۳۔ بحث و جھگڑے سے پرہیز کرو خواہ تم حق بجانب ہو۔

مستحسن اور ممدوح مجادلہ یہ ہے کہ انسان ان لوگوں کے ساتھ احسن طریقہ سے جدال و بحث کرے جو اسلام کے منکر ہیں یعنی ان کے ساتھ دینی مناظرہ ومباحثہ کرے تا کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہو جائیں۔

﴿ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾(۳)

(کافروں اور دین اسلام کے منکروں کو) دین اسلام کی طرف دعوت دیں اور شائستہ طریقہ سے ان سے بحث ومجادلہ کریں۔

---

(۱) تحف العقول ص ۴۸۶

(۲) تحف العقول ۲۹۶

(۳) نحل: ۱۲۵

جیسے شیخ مفیدؒ (۱)، شیخ طوسیؒ اور شیخ صدوقؒ وغیرہ نے (۲) اہل سنّت اور یہودیوں کے علماء سے مباحثے کئے ہیں، ان مباحثوں اور مناظروں میں امام رضاؑ کے وہ مناظرے بھی ہیں جو آپؑ نے مختلف قوموں کے علماء سے کئے تھے ان مناظروں میں امام رضاؑ نے ان پر اسلام کی حقانیت کو ثابت کیا ہے۔ (۳)

البتہ دینی مسائل اور علمی بحثوں ہی میں مجادلہ ترک کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ عام چیزوں میں بھی مجادلہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ جدال اور بحث و جھگڑے کو اچھا نہیں سمجھا جاتا۔

**۳. العبدُ للتعبُّد لا للتنعُّم**

بندہ بندگی کے لئے ہے اس کی تخلیق کا مقصد ہی عبادت کرنا ہے۔

عیش ونشاط کی زندگی اور دنیا سے دل لگانے کے لئے نہیں۔

**۴. الدّنیا للعبرة لا للعمارة**

دنیا عبرت حاصل کرنے کے لئے ہے نہ کہ آباد کرنے کے لئے۔

انسان کو پوری دنیا (زمین و آسمان، حیوانات، وموجودات، نباتات اور مشاہدہ کی جانے والی تمام چیزوں) سے عبرت حاصل کرے، عبرت کے معنی یہ ہیں کہ انسان جو کچھ دیکھتا ہے اس کے بارے میں غور کرے اور آثار کو دیکھ کر موثر کا علم حاصل کرے یعنی کائنات میں غور وفکر کر کے خدا کی معرفت حاصل کرے۔

شاعر کہتا ہے:

در ھر چہ دیدہ ام تو پدیدار بودہ ای

ای نا نمودہ رخ، تو چہ بسیار بودہ ای (۴)

میں نے ہر چیز میں تجھے آشکار دیکھا ہے اے چہرہ نہ دکھانے والے تو لامحدود ہے۔

(۱) احتجاج طبرسی ج۲ ص۴۹۹

(۲) ایضا...

(۳) عیون اخبار الرضا ص۱۵۴، ص۱۷۹، ص۱۹۱، ص۱۹۵ و ص۲۲۸ احتجاج طبرسی ج۲ ص۳۹۶ و ۴۱۵۔

(۴) کلمات مکنونہ ۴۷

دوسرا شاعر کہتا ہے:

بـــه دریـــا بـنـگـرم دریـا تـو و نیم
بـه صـحـرا بـنـگـرم صـحـرا تـو وینم
بـه هـر جـا بـنـگـرم کوه و در و دشت
نشـان از روی زیبـای تـو وینم (۱)

موحد انسان جس چیز کو بھی دیکھتا ہے اسی میں خدا کی قدرت اور اس کے علم کے آثار دیکھتا ہے۔

نہج البلاغہ میں ارشاد ہے:

**الفِكْرُ مِرآةٌ صافيةٌ، والاعتبارُ منذرٌ ناصحٌ، وكفىٰ أدَباً لِنَفْسِكَ تَجَنُّبُكَ ما كرهته لغيرك. (۲)**

فکر صاف و شفاف آئینہ ہے اور عبرت حاصل کرنا، خیر خواہ ڈرانے والا ہے اور تمہارے نفس کی تادیب کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ جس چیز کو تم غیر کے لئے پسند نہیں کرتے ہو تم خود بھی اس سے پرہیز کرو۔

عبرت ہی نصیحت و موعظہ کا باعث ہوتی ہے کیونکہ:

اولاً: موجودات کے مشاہدے اور ان کے دیکھنے سے خدا کی معرفت کی تکمیل ہوتی ہے۔

ثانیاً دنیا کی سیر اور موجودات کے مطالعہ کے نتیجہ میں ہم دنیا کے تغیرات، اس کے گوناگوں حالات سے ہمیں دنیا کے فنا اور اس کی بے اعتباری کا علم ہوتا ہے۔ اسی لئے دنیا پر مغرور نہیں ہونا چاہئے اور اس کے فریب میں نہیں آنا چاہئے بلکہ انسان کی توجہ بس خدا اور آخرت پر مرکوز رہنا چاہئے۔

پس اس دنیا کی فنا کا علم بھی ہمیں موجودات کے بارے میں غور کرنے ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی کیفیت کو عبرت کہتے ہیں۔

---

(۱) رباعیات باباطاہر

(۲) نہج البلاغہ کلمہ حکمت ۳۶۵

بنا برایں موجودات سے گذرنے کے نتیجہ میں انسان کی توحید بھی کامل ہوتی ہے اور اسے دنیا کے زوال وفنا کا بھی علم ہو جاتا ہے۔

اس میں بھی کوئی فرق نہیں ہے کہ اپنے زمانہ میں گذرنے والے حالات کے بارے میں غور کرے اور ان سے عبرت حاصل کرے یا گذشتہ لوگوں کے حالات کے بارے میں غور کرے۔ روایت میں عبرت لینے والے کا اپنے زمانہ کے حالات سے عبرت لینا بیان ہوا ہے:

جب انسان کی نگاہ کسی خراب اور کھنڈر پر پڑتی ہے تو وہ اس سے عبرت لیتا ہے، وہ سوال کرتا ہے:

أینَ ساکِنوکِ، أینَ بانوکِ، مالَکِ لا تَتَکَلَّمِینَ. (۱)

تیرے بنانے والے کہاں ہیں؟ تیرے باشندے کہاں گئے؟ جواب کیوں نہیں دیتے؟

منقول ہے:

ایک روز ہارون رشید بہلول سے کہا: مجھے کچھ نصیحت کرو! بہلول نے کہا:

هذِهِ قُصُوْرُهُمْ وهذهِ قُبُورُهُمْ.

دیکھو یہ ہیں ان کے محل اور قصر اور یہ ہیں ان کی قبریں۔

بادشاہوں کے گھر اور ان کی قبروں کو دیکھو دوسرے لوگوں کی قبروں کے پاس ان کی قبریں بھی ہیں۔

پس انسان خواہ اپنے زمانہ کی دنیا کے تغیرات اور انقلاب کے بارے میں غور کرے یا اگلے لوگوں کی تاریخ کے بارے میں سوچے (اس سلسلہ میں اہم ترین حکایات وہی ہیں جن کو قرآن نے نقل کیا ہے) دونوں سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ دنیا فنا ہونے والی ہے اس کے لئے بقا نہیں ہے۔

حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

واَعْرِضْ علیه أخبارَ الماضینَ، فانظُرْ فیما فعلوا و عَمّا انتقلوا. (۲)

(۱) کافی ج۲ص۵۴،عن الحسن الصیقل قال: سألت أبا عبد اللّٰہ عمّا یروي النّاس أنّ تَفَکُّرَ ساعةٍ خَیرٌ مِنْ قیام لیلة، قلت: کیف یتفکر؟ قال: یمرّ بالخربة او بالدار فیقول : این ساکنوك؟ این بانوك؟ مالَكِ لا تتکلّمین؟

(۲) نہج البلاغہ نامہ ۳۱

اپنے نفس کے سامنے تم گذشتہ لوگوں کی خبریں پیش کرو...اور دیکھو کہ وہ کیا تھے؟ انہوں نے کیا کیا تھا؟ کیا ہوئے؟ اور کہاں گئے؟

هان ای دل عبرت بین از دیده نظر کن هان
ایوان مدائن را آئینه ی عبرت دان

دندانه ی هر قصری پندی دهدت نونو
پند سر دندانه بشنو ز سر دندان

گویی که نگون کرده است ایوان فلك وش را
حکم فلك گردان یا حکم فلك گردان

این هست همان ایوان کز نقش رخ مردم
دیوار سرایش بود ایوان نگارستان

کسری و ترنج زر، پرویز و به زرین
بر باد شده یکسر با خاك شده یکسان

پرویز به هر بزمی زرین تره گستردی
کردی ز بساط زر زرین تره را بستان

پرویز کنون گم شد از گمشده کمتر گو
زرین تره کو بر خوان؟ رو کم ترکوا (۱) بر خوان

صد بند گهر دیدی در تاج سرش پیدا
صد مار نو است اکنون در مغز سرش پنهان

---

(۱) ﴿كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ﴾ دخان ۲۵

گفتی کہ کجا رفتند آن تاجوران اینك

ز ایشان شکم خاك است آبستن جاویدان

چندان تن جباران این خاك فرو خورده اس

این گرسنہ چشم آخر همسیر نشد ز ایشان (۱)

اے دل عبرت کی نگاہ سے دیکھ، مدائن کے محلون اور ایوانوں کو آئینہ عبرت تصور کر ہر قصر و محل کی بر جی تمہیں نئی نئی نصیحت کرتی ہے۔

اس کی نصیحت کو غور سے سنو اور اس پر توجہ کرو ایسا لگتا ہے جیسے اس آسمان کو گردش دینے والے نے ایوان فلک کو الٹ دیا ہے۔

یہ وہی محل ہے کہ جس کی دیواروں پر تصویریں بنی ہوئی تھیں اس بنا پردہ سرائے لگتی تھی اور محل نگارستان معلوم ہوتا تھا۔

کسریٰ، ترنج، زر، پرویز دزرین سبھی برباد ہو گئے اور سب خاک میں مل گئے۔

جس کے سر پر تو نے سیکڑوں موتیوں اور ہیروں کا تاج آشکارا دیکھا تھا آج اسی کے سر میں سیکڑوں سانپ گھر بنائے ہوئے ہیں۔

تم یہ کہو گے کہ وہ تاج و تخت والے کہاں گئے اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے خاک میں چھپ گئے۔ کتنے ہی ظالموں کے ڈیل وڈول کو اس خاک نے ہضم کرلیا ہے لیکن ان کو کھانے سے بھی اس کا پیٹ نہیں بھرا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ وَزُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ وَنَعْمَةٍ كَانُوا فِيهَا فَاكِهِينَ كَذَلِكَ وَأَوْرَثْنَاهَا قَوْمًا آخَرِينَ﴾ (۲)

---

(۱) دیوان خاقانی شروانی

(۲) دخان ۲۵-۲۸

(گذشتہ زمانہ کے بادشاہوں نے) کتنے ہی باغات اور چشمے، کھیتیاں اور عمدہ مکانات چھوڑے ہیں اور ایسی نعمتیں چھوڑی ہیں جن میں مزے اڑا رہے تھے، اس طرح ہم نے یہ چیزیں ان سے واپس لیکر دوسروں کو دیدیں:

حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

ما أكْثَرَ العِبَرَ و أقَلَّ الاِعتبار. (۱)

عبرت کے سامان کتنے زیادہ ہیں اور عبرت لینے والے کتنے کم ہیں۔

مسعودی اور بعض دوسرے مورخین نے تحریر کیا ہے کہ:

لوگوں نے متوکل سے امام علی نقیؑ کی چغلی وغیبت کی اور کہا: ان کے پاس قم کے شیعوں کی طرف سے بہت سے خط آئے ہیں اور انہوں نے بہت سا اسلحہ جمع کر لیا ہے اور وہ تمہارے خلاف خروج کرنے والے ہیں۔

متوکل نے تفتیش کے لئے اپنے سپاہیوں کو آپؑ کے گھر بھیجا انہوں نے رات میں آپؑ کے گھر کا محاصرہ کرلیا۔ پورے گھر کی تلاشی لی لیکن انہیں کچھ نہ ملا انہوں نے دیکھا کہ آپؑ ایک کمرہ میں زمین پر بیٹھے ہیں اونی لباس زیب تن کئے ہیں دروازہ بند کئے ہوئے ہیں اور ہمہ تن خدا کی طرف متوجہ ہیں، تلاوت قرآن میں مشغول ہیں۔

انہوں نے امامؑ کو اسی حالت میں اسیر کرلیا اور متوکل کے پاس لے گئے اور متوکل سے کہا: ہم نے ان کے گھر کی تلاشی لی نہ صرف یہ کہ ان کے گھر میں کوئی چیز نہیں ملی بلکہ ہم نے انہیں قبلہ رو بیٹھے ہوئے تلاوتِ قرآن میں مشغول پایا ہے۔

متوکل شراب نوشی میں مشغول تھا جام اس کے ہاتھ میں تھا اس نے اسی حالت میں آپؑ کو اپنے پاس

---

بٹھایا اور جام شرافت (معاذ اللہ) آپ کی طرف بڑھایا۔

(۱) نہج البلاغہ کلمہ حکمت ۲۹۷

امام علی نقیؑ نے فرمایا: خدا کی قسم میرے گوشت وخون میں شراب کا ذرہ بھی شامل نہیں ہے، مجھے اس سے معاف رکھا جائے۔ متوکل نے جام پیچھے ہٹالیا اور کہا: مجھے کچھ اشعار سنایئے آپؑ نے فرمایا:

اِنّي قليلُ الروايةِ للشعْرِ

(میں شعر وشاعری سے زیادہ شغف نہیں رکھتا ہوں)

متوکل نے کہا اشعار سنائے بغیر چارہ نہیں ہے۔

اس وقت امام علی نقیؑ نے دنیا کی بے وفائی، بادشاہوں کی موت اور مرنے کے بعد ان کی رسوائی کے بارے میں درج ذیل اشعار پڑھے(۱):

باتوا علىٰ قُلَلِ الأجبال تَحْرُسُهُمْ
غُلْبُ الرجالِ فلم تَنْفَعْهُمُ القُلَلُ

و استُنْزِلوا بَعْدَ عِزٍّ مِنْ مَعَاقِلِهِمْ
و اُسْكِنوا حُفَراً يا بئس ما نَزلوا

ناداهُمُ صارِخٌ مِنْ بعد دَفْنِهُمُ
ايـن الأساور و التيجانُ والحُلَلُ

ايـن الوجوهُ التي كانت مُنَعَّمَةً
مِنْ دونها تُضْرَبُ الأسْتَارُ و الكُلَلُ

فأفْصَحَ القَبْرُ عَنْهُمْ حينَ سائَلَهُمْ
تِلْكَ الوجوهُ عَلَيْها الدُّودُ تَقْتَتِلُ

قد طالَ مَا أكَلُوا دَهْراً و قد شرِبوا
وأصبَحُوا اليومَ بَعْدَ الأكْلِ قَدْ اُكِلُوا

(۱) یہ اشعار دیوانِ امیر المومنینؑ میں موجود ہیں گمان غالب یہ ہے کہ امام علی نقیؑ نے اپنے جد امیر المومنینؑ کے اشعار پڑھے تھے۔

وہ عظیم الشان محلوں میں رہتے تھے۔ ان کے پہرہ دار و محافظ ان کی حفاظت کرتے تھے۔ لیکن عالیشان محلوں نے انہیں کوئی فائدہ نہ دیا اب وہ اپنے ان محلوں سے نیچے آ گئے ہیں، جن میں باعزت طریقہ سے زندگی گذارتے تھے۔ اب انہوں نے قبر کے گڑھے میں سکونت اختیار کر لی ہے، یہ ان کے لئے بہت برا ٹھکانہ ہے۔

ان کے دفن کے بعد ایک منادی نے ندا دی، تمہاری سج دھج اور تخت و تاج اور آرائش کیا ہوئی اور شاداب چہرے کیا ہوئے۔ اب ان پر پردے ڈال دئے گئے ہیں۔

جب ان سے یہ سوال کیا جارہا تھا تو قبر کے ایک گوشہ سے ایک آواز پیدا ہوئی: ان کے چہرے کیڑے مکوڑوں کا گھر بن گئے ہیں، انہوں نے مدتوں تک کھایا پیا اب انہیں کھایا جارہا ہے۔

ان اشعار کو سن کر متوکل کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور اس کی بزم والوں پر بھی گریہ طاری ہو گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ متوکل نے جامِ شراب زمین پر دے مارا اور عیش و نشاط کی بساط الٹ دی...(۱)

جمشید کو؟ سکندر گیتی ستان کجا است؟
آن حشمت و جلال ملوك کیان کجاست؟

تاج قباد و تخت فیدون، نگین جم
طبل سکندر و علم کاویان کجاست؟

وا کرده است طاق مدائن دهن مدام
فریاد می زند که انوشیروان کجاست؟

هر میل چل منار زبانیست در خروش
گوید، به صد زبان که جم شه نشان کجاست؟

(۱) بحار الانوار ج ۵۰ ص ۲۱۱

گردد ز گنبد هرمان، این صدا بلند
آن کو بنا نهاد مرا در جهان، کجاست؟

این بانگ از منار سکندر رسد به گوش
دارا چه شد؟ سکندر گردون مکان کجاست؟

بر فرد فرد خشت خورنق نوشته است
نعمان و آن دو ریه صف چاکران کجاست؟

ای دل رهت به ملك نیشابور اگر فتد
آن جا سوال کن که الب ارسلان کجاست؟

گر بگذری به دخمه ی سلجوقیانِ بپرس
سنجر چگونه گشت و، ملکشاهتان کجاست؟

فرداست بلبلان چمن هم به صد فغان
خواهند گفت: واعظ شیرین زبان کجاست؟ (۱)

آج جمشید کہاں ہے پوری زمین پر حکومت کرنے والا سکندر کہاں ہے؟
قباد کا تاج، فریدون کا تخت اور جمشید کا نگین کہاں ہے؟
سکندر کا طبل اور کاویان کا علم کہاں ہے؟
مدائن کا محل مستقل طور پر چلا رہا ہے کہ انوشیرواں کہاں ہے؟
اور سنگ میل گویا ہے اور پوچھ رہا ہے کہ جمشید بادشاہ کہاں ہے؟
ہرمان کے گنبد سے یہ صدا بلند ہوئی ہے کہ جس نے دنیا میں میری بنیاد رکھی ہے وہ کہاں ہے؟
سکندر کے مینار سے یہ آواز صاف سنائی دے رہی ہے کہ دارا کیا ہوا؟

(۱) دیوان اشعار واعظ قزوینی، غزل نمبر ۱۱۷

اور دنیا پر حکومت کرنے والا سکندر ایسا بادشاہ کہاں ہے؟

خونق کی اینٹ اینٹ پر لکھا ہوا ہے: نعمان اور اس کے نوکروں کی صفیں کیا ہوئیں۔

اے دل اگر کبھی نیشاپور سے گذر ہو تو وہاں یہ پوچھنا کہ الب ارسلان کہاں ہے؟

اور اگر سلجوقیوں کے دخمے سے گذر ہو تو یہ معلوم کرنا کہ سنجر بادشاہ کہاں ہے اور تمہاری بادشاہت کہاں ہے؟

کل چمن کی بلبلیں افسوس کے ساتھ یہی کہیں گی:

واعظ شیرین بیان کہاں ہے؟

پس انسان گذشتہ لوگوں کی تاریخ سے عبرت لے سکتا ہے۔ اسے یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ جو لوگ نیک سرشت تھے اچھے کام انجام دیتے تھے ان کا کیا ہوا اور جو بد تھے ان کی بدیوں کا کیا نتیجہ برآمد ہوا، ان سے عبرت حاصل کرے اور اپنی اصلاح کرے۔

یہ مشہور مقولہ ہے:

التاریخُ رسولُ السَلَفِ الیٰ الخَلَفِ.

تاریخ آنے والی نسلوں کے لئے گذشتہ نسلوں کا قاصد ہے۔

تاریخ کی مثال ایسی ہی ہے جیسے گذشتہ امتوں نے آنے والی امتوں کے نام خط لکھا ہے۔

البتہ حضرت علیؑ نے جو یہ فرمایا ہے کہ:

گذشتہ لوگوں کے حالات سے درس عبرت لو اور اسی طرح دوسرے ائمہؑ نے بھی اس بات کی تاکید کی ہے۔

ان سب کا مقصد گذشتہ امتوں کے قصوں اور داستانوں سے عبرت لینا ہی ہے یہ قصے اور داستانیں قرآن مجید میں بیان ہوئی ہیں، کیونکہ قرآن مجید میں گذشتہ لوگوں کے جو حالات بیان ہوئے ہیں وہ عین حقیقت ہیں، وہ تاریخ نہیں ہیں تاریخ میں کمی بیشی ہو جاتی ہے اس میں جھوٹ بھی شامل کر دیا جاتا ہے۔

لیکن قرآن ان چیزوں سے پاک ہے۔

ارشاد ہے:

﴿إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ﴾ (۱)

بیشک یہ قصے حق ہیں۔

﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لأُوْلِي الأَلْبَابِ﴾ (۲)

یقیناً ان قصوں میں صاحبان عقل کے لئے عبرت ہے۔

بنا بر ایں علم تفسیر میں بہت غور کرنا چاہئے خصوصاً قرآنی قصوں میں بہت غور کرنا چاہئے کیونکہ ان میں اہم ترین حقائق بیان ہوئے ہیں ان سے بہترین اور عظیم ترین نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں۔

❁❁❁❁❁

---

(۱) آل عمران: ۶۲

(۲) یوسف: ۱۱۱

# پندرہویں تقریر

چار قیمتی گوہر

ا۔ عقل، ۲۔ دین، ۳۔ حیا، ۴۔ صالح عمل

انسان کی فضیلت اس کی عقل سے ہے

غیظ وغضب عقل کو نابود کر دیتا ہے

حلم و بردباری غیظ وغضب سے بچاتی ہے

ایمان کی آفت حسد ہے

حیاء کی آفت حرص وطمع ہے

غیبت صالح عمل کو برباد کر دیتی ہے

قال رسول اللهؐ:

أربعةُ جواهرٍ تُزيلها أربعةٌ: أمّا الجواهرُ فالعقلُ و الدّينُ و الحياءُ والعملُ الصالح، وامّا الغضب فيزيل العقل، و اما الحسد فيزيل الدين. و اما الطمع فيزيل الحياء، و اما الغيبة فتنزيل العمل الصالح. (۱)

اگر انسان کے وجود میں چار قیمتی گوہر پیدا ہو جائیں تو اس کی فضیلت بڑھ جائے لیکن چار چیزیں ایسی ہیں جو ان گوہروں کو نابود کر دیتی ہیں گویا یہ ان کے لئے آفت ہیں۔

## ا۔ عقل

پہلا قیمتی ترین گوہر عقل ہے اگر انسان کے پاس صحیح عقل ہے تو اس کی بڑی اہمیت ہے کیونکہ عقل ہی کی بنا پر انسان کی عظمت وفضیلت ہے، وہ عقل ہی کی بنا پر فرشتوں کے مرتبہ پر پہنچتا ہے۔

بعبارتِ دیگر انسان کے وجود کا فرماں روا عقل ہے اور یہ ہوا و ہوس اور شہوت وغضب کو دباتی ہے۔ نیک وصالح کام کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور برے کاموں سے روکتی ہے۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے: اگر چہ ظاہر میں خدا کی طرف سے پیغمبر بھیجے گئے ہیں لیکن عقل

(۱) اثنی عشریہ، الفصل الثانی من باب الرابع

باطنی پیغمبر ہے اور اس باطنی پیغمبر عقل کو ظاہری پیغمبر کے ساتھ ساتھ ہونا چاہئے اور اس کے حکم کے مطابق چلنا چاہئے۔

جناب رسول خداؐ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

أوّل ما خَلَقَ اللّٰه العقل. (۱)

سب سے پہلے خدا نے عقل کو پیدا کیا

واضح رہے کہ جس طرح ہر چیز کے لئے کوئی نہ کوئی آفت ہوتی ہے اسی طرح غیظ غضب عقل کے لئے آفت ہے جب انسان پر غیظ و غضب طاری ہوتا ہے تو اس کے وجود میں تاریکی پیدا ہو جاتی ہے اس کی وجہ سے وہ حق کو نہیں دیکھ پاتا، کیونکہ اس صورت میں اس کی عقل کمزور ہو جاتی ہے، نتیجہ میں انسان بہت سی معصیتوں کا مرتکب ہو جاتا ہے، اس کا وجود ظلم، جھوٹ، غیبت، تہمت اور دوسری معصیتوں سے آلودہ ہو جاتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ غیظ و غضب کے مطابق کام کرنا عقل کے لئے سب سے بڑی آفت ہے لیکن اگر انسان ایسی صورت میں غصہ کو پی جائے اور اپنی ہوس کے مطابق کام نہ کرے تو اس کے وجود میں حلم و بردباری کی صفت پیدا ہو جائے گی جو کہ صفاتِ حمیدہ اور اخلاقِ حسنہ میں سے ایک ہے۔

امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

ما شِيبَ شيءٌ بِشيءٍ أحسن مِنْ حِلْمٍ بعلم .(۲)

جس حسن وخوبی کے ساتھ حلم، علم کے ساتھ گھل مل گیا ہے اس طرح کوئی چیز کسی دوسری چیز میں مخلوط نہیں ہوئی ہے۔

خداوند عالم پیغمبروں کے حلم کی ستائش کرتا ہے اور اسی عنوان سے انہیں پہچنواتا ہے۔(۳)

---

(۱) بحار الانوار ج ۱ ص ۹۷

(۲) تحف العقول ۲۹۲، بحار الانوار ج ۷۸ ص ۱۷۲

(۳) ہود: ۷۵، اِنَّ اِبراهیمَ لحلیمٌ أوّاهٌ مُنیبٌ۔

## ۲۔ دین وایمان

دوسرا قیمتی ترین گوہر دین ہے یعنی انسان کو مبدأ و معاد اور خدا کے عدل پر محکم عقیدہ رکھنا چاہئے، انہیں تسلیم کرے اور ان کا یقین پیدا کرے۔

ایمان کی آفت: دینی بھائیوں سے حسد رکھنا ہے اگر حسد کی جڑیں مضبوط ہو جائیں گی تو انسان کے دین کے لئے خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ جیسا کہ قرآن واحادیث میں ہابیل وقابیل کا قصہ بیان ہوا ہے اس کا سبب حسد ہی تھا۔

## ۳۔ حیا

تیسرا قیمتی ترین گوہر حیا ہے۔ حیا انسان کو معصیت و بدکاری سے بچاتی ہے لیکن اس کی آفت طمع ہے جو شخص طمع پرور ہو جاتا ہے اس کی حیا اور عفت و پاکدامنی ختم ہو جاتی ہے۔

## ۴۔ عمل صالح

چوتھا قیمتی ترین گوہر جو انسان کے وجود میں پیدا ہوتا ہے وہ صالح عمل ہے مثلاً: کوئی تمام شرائط و آداب اور خلوص کے ساتھ نماز پڑھتا ہے یا روزہ رکھتا ہے یا راہ خدا میں خرچ کرتا ہے یہ سبھی نیک اور اچھے کام ہیں یہ ایسے قیمتی گوہر ہیں جن کی جزاء خدا کے یہاں محفوظ ہے، لیکن صالح عمل کی آفت مسلمانوں کی غیبت و بدگوئی کرنا ہے۔

بہت سی روایتوں میں وارد ہوا ہے کہ:

اگر کسی شخص نے اپنے مسلمان بھائی کی غیبت کی تو چالیس دن تک اس کا عمل قبول نہیں ہوتا۔ (۱)

کیا اس سے بڑی بھی کوئی آفت ہو سکتی ہے؟

---

(۱) مستدرک الوسائل ج ۷ ص ۳۲۲، بحار الانوار ج ۷۲ ص ۲۵۸، جامع الاخبار ص ۱۴۶ عن النبی ؐ انّه قال من اغتاب مسلماً او مسلمة لم یقبل الله تعالیٰ صلاته و لا صیامه أربعین یوماً و لیلةً اِلّا انْ یغفر له صاحبه۔

غیبت بڑے گناہوں میں سے ایک ہے، قرآن مجید میں سختی کے ساتھ اس سے منع کیا گیا ہے۔ فرماتا ہے:

﴿وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ﴾ (۱)

اورتم میں سے کسی کوکسی مسلمان کی غیبت نہیں کرنی چاہئے کیاتم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔

واضح ہے کہ انسان اس عمل کو کتنا مکروہ سمجھتا ہے۔

جس طرح تمام بری عادتیں انسان کے وجود پر برا اثر چھوڑتی ہیں اسی طرح غیبت کا بھی غلط اثر ہوتا ہے، غیبت روح کے انحطاط و پستی اور حق سے دوری کا سبب ہوتی ہے ظاہر ہے کہ یہ (روح کا انحطاط) خطرہ بجائے خود بہت بڑا خطرہ ہے، البتہ معاشرہ میں دوسرے خطرات بھی ہیں کیونکہ اگر معاشرہ کے افراد ایک دوسرے کی غبت و بدگوئی کرنے لگیں اور ایک دوسرے کی آبرو سے کھیلنے لگیں گے تو اس کے نتیجہ میں ان کے درمیان دشمنی ہو جائے گی محبت ختم ہو جائے گی، جب ان کے اندر محبت و ہمدردی ناپید ہو جائے گی اور اس صورت میں ان کا اتحاد برباد ہو جائے گا اور جس قوم و معاشرہ میں اتحاد ختم ہو جاتا ہے اسے دوسری قومیں مغلوب کر لیتی ہیں۔

بنابرایں غیبت ان عظیم خطرات میں سے ایک ہے جو معاشرہ کے لئے چیلنج بنے ہوئے ہیں، روایات میں غیبت کی سختی کے ساتھ ممانعت ہوئی ہے۔

---

(۱) حجرات ۱۲

# سولہویں تقریر

نعمت پر شکر، معصیت پر صبر

آیات وروایات میں یوم کے معنی ایک زمانہ
ہے۔
دنیا کا اقبال وادبار
خیر وشر سب خدا کی طرف سے ہیں!
بعض شر امتحان ہوتے ہیں
افراد کے حالات سے زمانہ بدلتا ہے
شکر اور اس کے شرائط
صبر، بردباری اور شجاعت

**قال أمير المومنينؑ:**

**الدهرُ يومانِ يومٌ لَکَ ویومٌ علیکَ، فإذا کانَ لَکَ فَلا تَبطَر، و اذا کانَ عَلَیْکَ فاصبِرْ! (۱)**

زمانہ کے دو دن ہیں، ایک دن تمہارے فائدے میں ہے اور ایک تمہارے نقصان میں ہے پھر جو دن تمہارے فائدہ میں ہے اس میں مغرور اور خوش نہ ہو اور جو تمہارے ضرر میں ہے اس میں صبر کرو۔

## یوم یعنی چہ؟

اس کے کیا معنی ہیں کہ زمانہ کے دو دن ہیں؟ کیا دو دن سے وہی بارہ گھنٹہ کا دن مراد ہے؟ یا زمانہ کی دو مدتیں مراد ہیں کہ جن کی حد معین نہیں ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے معنی صحیح ہیں اور یوم سے زمانہ کی مدت مراد ہے اس کا ثبوت کلامِ عرب میں بھی ملتا ہے اور آیات و روایات میں بھی ملتا ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِی خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ﴾ (۲)

---

(۱) نہج البلاغہ حکمت ۳۹۶، قال امیر المومنینؑ: المنیّة ولا الدنیّة! و التقلُّل ولا التوسُّل و مَنْ لَم یُعْطَ قاعداً لم یُعْطَ قائماً و الدهرُ یومانِ: یومٌ لَکَ، و یومٌ علیك، فاذا کانَ لك فلا تَبْطَرْ، و اذا کانَ عَلَیْكَ فاصْبِرْ!۔

(۲) حدید۴

یہاں ایام سے مراد مدتیں ہیں؛ اگر چہ ظاہرِ آیت سے ایسا لگتا ہے ستۃ ایام سے مراد چھ روز ہیں اس صورت میں کوئی بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ زمین و آسمان طولانی مدت میں بنے ہیں۔ چھ دن میں نہیں بن سکتے۔

اس کا جواب یہی ہے کہ یہاں یوم سے مراد بارہ گھنٹہ کا دن نہیں ہے بلکہ زمانہ کی مدت مراد ہے کہ جس کی حد معین نہیں ہے۔

یوم کے یہی معنی قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں، ارشاد ہے:

﴿وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ﴾ (۱)

پروردگار کے نزدیک ایک دن تمہارے ہزار سال کے برابر ہے۔

دوسری جگہ فرماتا ہے:

﴿فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ﴾ (۲)

اس روز کہ جو پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔ (اس سے مراد روزِ قیامت ہے)

پس یوم سے مراد زمانہ کی ایک غیر محدود مدت مراد ہے بنا برایں یوم کی اس اصطلاح کے لحاظ سے روایت کے یہ معنی ہونگے:

اس زمانہ کی دو مدت ہیں؛ انسان کے لئے ایک دن اقبال کا ہے اور ایک دن ادبار کا ہے جس میں مصیبت فقر و فاقہ اور بیماری ہے۔

ایک دن مال و ثروت، منصب اور حب جاہ... کا ہے، کہ اس میں یہ چیزیں انسان کے پاس آتی ہیں یہ اس کے اقبال کا دن ہے، ایک دن یہ چیز اس سے واپس لے لی جاتی ہیں، یہ اس کے ادبار کا دن ہے۔ جب یہ دن آتا ہے تو آسانی سے آجاتا ہے محسوس بھی نہیں ہوتا جب پلٹتا ہے تو پھر اس کو کسی بھی ذریعہ سے نہیں روکا جاسکتا۔

چو آمد بہ موئی توانی کشید

چو برگشت زنجیرہا بگسلد

---

(۱) حج: ۴۷ (۲) معارج: ۴

جو وہ مائل ہوتا ہے تو اسے بال کے ذریعہ کھینچ سکتے ہو اور جب واپس پلٹتا ہے تو زنجیروں کو توڑ دیتا ہے۔

اقبال کے زمانہ کے بارے میں حضرت علیؑ اس طرح فرماتے ہیں:

إذا أقْبَلَتِ الدّنيا علىٰ أحَدٍ اَعارَتْهُ مَحاسِنَ غَيْرِهِ و اذا أدبَرتْ عنه سَلَبَتْهُ مَحَاسِنَ نفسه. (۱)

جب دنیا کسی کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو دوسروں کی خوبیاں بھی اس کو عاریت دیدیتی ہے لیکن جب انسان کے ادبار کا دن آتا ہے اور دنیا اس سے منہ پھراتی ہے تو اس سے اس کے صفات بھی چھین لیتی ہے۔

تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے:

جب برامکہ کے اقبال کا زمانہ تھا اور ان کی ظاہری عظمت وحشمت تھی (نہ کہ معنوی) اور ہارون رشید کے دربار میں مقرب تھے اور ابھی ہارون رشید کے ہاتھوں وہ تباہ و برباد نہیں ہوئے تھے۔ ہارون رشید نے جعفر بن یحیٰی برمکی کے بارے میں کہا:

ساری خوبیاں جعفر میں جمع ہوگئی ہیں، اس میں عبد اللہ بن جعفر کی سخاوت بھی ہے وہ عامر بن طفیل کی شجاعت بھی رکھتا ہے، انف بن قیس کا حلم بھی اس کے پاس ہے اور سجان بن وائل کی فصاحت و بلاغت بھی۔ مختصر یہ کہ دوسروں کے نیک صفات کو وہ جعفر بن یحیٰی کے لئے ثابت کرتا تھا لیکن جب ان کے ادبار کا زمانہ آیا تو خود ہارون رشید ہی نے انہیں تباہ و برباد کر دیا اور سنگدلی سے تہس نہس کر دیا اگر وہ کوئی نیک صفت رکھتے بھی تھے تو اس کو بھی ختم کر دیا اور ذہنوں سے ان کے اچھے صفات محو ہو گئے۔ (۲)

لکھا ہے کہ ایک شخص نے کہا: میں نے ہارون رشید کے داخل و خارج والے رجسٹر میں لکھا ہوا دیکھا ہے کہ ہارون رشید نے جعفر یحیٰی کو جو خوشبو کی ڈبیہ عطا کی تھی اس کی قیمت ایک لاکھ درہم تھی اور جس تیل کی آگ میں ہارن رشید نے جعفر کو جلایا تھا اس کی قیمت صرف سات دینار تھی۔ (۳)

(۱) نہج البلاغہ کلمہ حکمت: ۹

(۲) مروج الذہب ج ۳ ص ۳۸۴ تا ص ۳۸۹

(۳) زینت المجالس ص ۱۶۴

فاعتبروا یا أولي الألبابِ. (۱)

حضرت امیرالمومنینؑ، امام حسنؑ کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

واعلمْ أنَّ مالِکَ المَوتِ هُوَ مالِکُ الحیاة، وأنّ الخالِقَ هو المُمیتُ، و أنَّ المُبْدِءَ هو المُعیدُ، وانّ المبتلي هو المعافي، وأنَّ الدّنیا لم تکن لتستقرّ اِلاّ علیٰ ما جعلها اللّٰه علیه مِنَ النعماءِ، و الجزاءُ في المعاد. (۲)

دیکھو! فرزند جو موت کا مالک ہے وہی زندگی کا بھی مالک ہے۔ جو پیدا کرنے والا ہے وہی موت دینے والا ہے اور جس نے وجود بخشا ہے وہی اسے واپس لوٹانے والا ہے اور جو مبتلا کرتا ہے وہی معاف کرتا ہے، اور دنیا باقی نہیں رہتی ہے مگر اسی ڈگر پر کہ جو خدا نے اس کے لئے مقرر کر دی ہے اور جزاء قیامت میں ملے گی۔

یعنی تمام نعمتوں اور خوبیوں کا سلسلہ خدا پر منتہی ہوتا ہے بلکہ انسان کی نظر میں جو بھی خوب و بد ہے وہ خدا کی قدرت کے تحت ہے۔ اس کی قدرت و اشارہ کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوتا، جس طرح اس نے تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے اسی طرح ہر حادثہ اس کی قدرت سے رونما ہوتا ہے خواہ وہ ہماری نظر میں خیر ہو یا شر۔

زمانۂ جاہلیت میں ایران والے یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ خدا دو ہیں، اس عالم کے بنانے والے دو ہیں ایک یزدان اور دوسرے اہرمن (شیطان) ہے۔ یزدان خیر و خوبی کا خالق ہے وہ کہتے تھے: ساری خوبیوں مثلاً مال و دولت، ثروت، حیات، نعمت، مروّت، کو یزدان نے پیدا کیا ہے اور ساری برائیوں، اور بدبختیوں کو اہرمن نے پیدا کیا ہے، ان کا عقیدہ یہ تھا کہ، بدیٔ، تاریکی، سانپ، بچھو، غم و الم کو اہرمن نے وجود دیا ہے۔ وہ دو خداؤں کے قائل تھے کہتے تھے ایک خدا نور اور تمام خوبیوں کا خالق ہے اور دوسرا خدا بدیوں اور تاریکیوں کا خالق ہے۔

آیات و روایات اور حضرت علیؑ کے قول کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ خدا کی مشیّت اور اس کے ارادہ کے تحت ہو رہا ہے خواہ ہماری نظر میں شر ہی ہو (حالانکہ وہ شر نہیں ہے بلکہ وہ امتحان کے لئے ہے)

---

(۱) نہج البلاغہ مکتوب: ۳۱ (۲) نہج البلاغہ مکتوب ۳۱

خواہ ہماری نظر میں خیر ہو۔

اسی بنیاد پر آپؑ نے فرمایا ہے: انسان کے دو دن ہیں ایک دن اس کے اقبال کا ہے اور دوسرا دن اس کے ادبار کا ہے، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ انسان کے اقبال کا زمانہ اس کے ادبار کے زمانہ سے زیادہ طولانی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے کم ہو ان دو زمانوں میں انسان کے حالات میں تبدیلی آتی ہے۔

امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

العبدُ بين ثلاثةٍ، بلاءٍ و قضاءٍ ونعمةٍ، فعليه في البلاءِ من اللّٰه الصّبرُ فريضةً، وعليه في القضاء من اللّٰه التسليمُ فريضةٌ، و عليه في النعمة من اللّٰه عزّ و جلّ الشكرُ فريضةً. (١)

انسان تین چیزوں کے درمیان ہے بلا وقضا اور نعمت خدا کی طرف سے بلا کے زمانہ میں اس کے اوپر لازم ہے کہ وہ صبر کرے اور حتمی قضا اور خدا کا فیصلہ ہے اس پر راضی برضا رہے اور نعمت کے زمانہ میں ضروری ہے کہ خدا کا شکرادا کرے۔

حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

في تقلّب الأحوال عِلْمُ جَواهِرِ الرجالِ. (٢)

انسان کے لئے گونا گوں قسم کے جو حالات پیدا ہوتے ہیں (مثلاً کبھی بیماری ہے، کبھی صحت وتندرستی ہے، کبھی خوش ہے کبھی رنجیدہ ہے تو ان حالات میں) انسان کی حقیقت کا جوہر کھلتا ہے۔

ان حالات میں انسان کے کچھ فرائض ہین اگر ان پر عمل کرتا ہے تو اس کی خوبی معلوم ہوتی ہے اور اگر ان پر عمل نہیں کرتا ہے تو اس کی بدی معلوم ہوتی ہے اور وہ فرائض نعمت کے زمانہ میں شکرادا کرتا ہے اور یہ شکرادا نہیں ہوگا مگر یہ کہ:

اولاً: انسان خدائے متعال کی اچھی طرح معرفت رکھتا ہو اور یہ جانتا ہو کہ یہ نعمت اسی کی طرف سے ہے۔

ثانیاً: ہر نعمت اس کے موقعہ محل پر صرف کرے مثلاً زبان ایک نعمت ہے لہذا اسے تلاوت قرآن، دعا

---

(۱) خصال، باب ۳ متن ۲۳۰، محاسن ۶۷، بحار الانوار ج ۷۱ ص ۴۳ و ۸۵ و ۱۴۲، ج ۸۲ ص ۱۲۹

(۲) نہج البلاغہ حکمت ۲۱۷

خوانی، میں صرف کرے، اس کے ذریعہ نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے، نہ کہ اس معصیت وگناہ میں استعمال کرے، اس سے سچ بولے، جھوٹ نہیں، لوگوں کی اچھائی بیان کرے، ان کی برائی نہ کرے۔

بس نعمت کا شکر، یہ ہے کہ اسے حکم خدا کے مطابق استعمال کرے اور جن چیزوں سے خدا نے منع کیا ہے زبان کے ذریعہ انہیں انجام نہ دے اسی طرح کان ہے اس کا فریضہ ہے کہ کان کے وسیلہ سے انہیں چیزوں کو سنے جن کے سننے کا خدا نے حکم دیا ہے اور جن سے خدا نے منع کیا ہے انہیں نہ سنے۔ خدا نے انسان کو ہاتھ عطا کئے ہیں تا کہ وہ لوگوں کی دستگیری کرے ان سے نیک کام کرے، ان سے کسی پر ظلم وزیادتی نہ کرے۔ اسی طرح پیروں سے علم وعبادت کی مجلس میں جائے معصیت کی مجلس میں نہ جائے۔

بنا برایں ہر نعمت کو اس کے موقعہ ومحل پر صرف کرنا چاہئے جبکہ خدائی نعمتیں بے شمار ہیں۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللهِ لاتُحْصُوهَا. (۱)

اور اگر تم خدا کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو ہرگز شمار نہ کرسکو گے۔

اگر انسان خدا کی نعمتوں کو ان کے موقعہ ومحل پر صرف کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے علم دین کی ضرورت ہے۔

انسان کے لئے لازمی ہے کہ رنج وغم کے موقعہ پر صبر سے کام لے، غیظ وغضب کے وقت صبر کرنے کا نام حلم وبردباری ہے اور جہاد کے وقت صبر کرنے کے معنی ثابت قدمی وشجاعت ہے اور معصیت کے وقت صبر کرنے کے معنی تقویٰ وپرہیز گاری ہے۔

کلید در گنج مقصود صبر است
در بستہ را آن کہ بگشود صبر است

مقصد یہ ہے کہ خزانہ کی کنجی صبر ہے اس کے بند دروازہ کو صبر ہی سے کھولا جا سکتا ہے۔

خدا کی قضا اور اس کے فیصلہ کے سامنے چارہ نہیں ہے اس کے سامنے سر جھکا دینا چاہئے۔

اگر محوّل حال جہانیان نہ قضا است
چرا مجاری احوال بر خلاف رضا است
بلی قضا ست بہ ہر چیز عنان کش خلق

(۱) ابراہیم: ۳۴ ونحل: ۱۸

بدان دلیل کہ تدبیر ہا جملہ خطاست
هزار نقش بر آرد زمانہ و نبود
یکی چنان کہ در آینہ ی تصور ماست
بہ دست ما چو از این حل عقد چیزی نیست
بہ عیش نا خوش و خوش گر رضا دهیم رواست
کہ زیر گنبد خضرا چنان توان بودن
کہ اقتضای قضاهای گنبد خضراست۔ (۱)

اگر دنیا والوں کے حالات کو قضا نہیں بدلتی ہے تو حالات ان کی مرضی کے خلاف کیوں ہوتے ہیں۔
ہر چیز کی مہار قضا کے ہاتھ میں ہے اس لئے تدبیریں فضول ہیں، اس عقدہ کے لئے ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔
اس لئے خوش و نا خوش زندگی پر راضی ہو جانا ہی بہتر ہے۔
اس گنبد خضرا (آسمان) کے نیچے اسی طرح رہا جا سکتا ہے۔
کیونکہ اس کے فیصلوں کا یہی تقاضا ہے۔

❁❁❁❁❁

---

(۱) دوان انوری، قصیدہ در مدح ابوالفتح طاہر

# سترہویں تقریر

خاکساری، عفو اور بخشش

طاقت اور عہدہ کے ہوتے ہوئے خاکساری سے کام لینا
تکبر کی پستی اور اس کے نتائج
طاقت کے باوجود بخش دینا
مالک اشتر اور ان کا عفوو درگذر
احسان کے بغیر عطاؤ بخشش
ایثار بے احسان بخشش کا بلند ترین مرتبہ

قال رسول اللهؐ:

أفضَلُ الأعمالِ ثلاثةٌ: التواضُعُ عِنْدَ الدولة، و العفوُ عِنْدَ القُدْرَةِ، والعَطِيّةُ بغير المِنّة. (۱)

بہترین اعمال تین ہیں:

۱ .التواضُعُ عندَ الدولة

اس وقت لوگوں کے ساتھ خاکساری سے پیش آنا جب منصب پر فائز ہو۔

تواضع زگردن فرازان نکوست

گدا گر تواضع کند خوی اوست(۲)

اگر بڑے مرتبہ والے خاکساری وانکساری برتیں تو بہت اچھی بات اور اگر مانگتا فقیر انکساری کرے تو یہ بھی ٹھیک ہے۔

تواضع وانکساری بہترین صفت ہے خدا نے قرآن مجید میں اس کی تعریف کی ہے:

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمَانِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الأَرْضِ هَوْناً وَإِذَا خَاطَبَهُمْ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَاماً﴾(۳)

اور خدا کے بندے تو وہی لوگ ہیں جو روئے زمین پر انکساری کے ساتھ چلتے ہیں اور اگر جاہل و نادان ان سے چھیڑ خانی کرتے ہیں تو وہ انہیں سلام کر کے نکل جاتے ہیں۔

سلام کے معنی یہ ہیں کہ یہ رحمٰن کے بندے ان سے الجھتے نہیں ہیں بلکہ خاموشی اور سلامتی سے گذر

---

(۱) اثنی عشریہ باب ثلاثیات ۸۹ (۲) کلیات سعدی بوسان ۲۱۲

(۳) فرقان: ۶۳

جاتے ہیں دوسرے معنی یہ ہیں کہ انہیں سلام کرتے ہیں اور سلام کے تیسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں سلاماً سلاما وداع کے معنی میں ہو یعنی خدا حافظ کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں اور کسی چیز کی پروانہیں کرتے۔

رسولؐ اور ائمہؑ کی انکساری کے بارے میں حدیث کی کتابوں میں بہت سے واقعات تحریر ہیں۔

مخلوق میں سب سے افضل واشرف ہی اس صفت سے متصف نہیں تھے بلکہ ان کے اصحاب اور شاگرد بھی نہایت ہی منکسر المزاج تھے۔

انکساری کی ضد، تکبر ہے، اور جو شخص خدا کے لئے انکساری سے کام لیتا ہے خدا اسے بلند ترین درجہ پر پہنچا دیتا ہے اور جو شخص تکبر سے کام لیتا ہے خدا اسے پست کر دیتا ہے اس کا مرتبہ گھٹا دیتا ہے۔

قال ابو عبد اللّٰہ من تواضع للّٰہ رفعه اللّٰہ و من تکبر وضعه اللّٰہ. (۱)

اس جملہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ سارے صفات کو خدا کے لئے ہونا چاہئے، جس طرح اس شخص کو بلند مرتبہ پر پہنچا دیتا ہے جو اس کے لئے انکساری کرتا ہے اسی طرح وہ اس شخص کو پست کر دیتا ہے جو تکبر و غرور کرتا ہے ایک روایت میں وارد ہوا ہے:

جو لوگ دنیا میں تکبر کرتے ہیں اور لوگوں سے بڑا بنتے ہیں وہ عرصہ قیامت میں چیونٹی کی صورت میں پہنچیں گے اور لوگ انہیں پامال کریں گے۔ (۲)

قرآن مجید میں جہاں جناب لقمان کی اپنے بیٹوں کو نصیحت، نقل ہوئی ہے وہاں یہ بھی ہے:

﴿وَلاتُصَعِّرْ خَدَّکَ لِلنَّاسِ وَلاتَمْشِ فِي الأَرْضِ مَرَحاً إِنَّ اللهَ لايُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾ (۳)

بیٹے تکبر کی بنا پر لوگوں سے منہ موڑ کر نہ چلو اور زمین پر اکڑ کر نہ چلو کہ خداوند عالم تکبر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہے۔

۲۔ والعَفْوُ عِنْدَ القُدْرَةِ؛ طاقت کے باوجود معاف کر دینا۔

(۱) بحار الانوار ج ۱۰۱ ص ۱۰۹، بحوالہ کامل الزیارات۔

(۲) کافی ج ۲ ص ۳۱۱، سَمِعْتُ أبا عبدِ الله يقول: إنّ المتكبّرينَ يُجعلونَ في صُوَرِ الذرّ، يتوطّأهم النّاس حتّى يَفْرُغَ اللهُ مِنَ الحِساب۔

(۳) لقمان: ۱۸

یعنی جو شخص طاقت وقدرت رکھتا ہے وہ اپنی اہانت کرنے والے کو بخش دے، یہ معمولی بات نہیں ہے کہ ایسا آدمی اپنی توہین کرنے والے کو معاف کردے۔ جس شخص میں طاقت وقدرت نہیں اگر وہ معاف کر دے تو یہ اہم بات نہیں ہے۔ طاقت والے کا معاف کردینا اہم ہے۔

ائمہؑ کے اصحاب کے حلم وصبر اور عفو ودرگذر کے واقعات تاریخ میں نقل ہوئے ہیں چہ جائیکہ رسولؐ اور ائمہؑ کا حلم وصبر وغیرہ۔

مالکِ اشتر حضرت علیؑ کے بزرگ ترین صحابہ میں سے تھے آپؑ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کانَ مالکُ لي کما کُنْتُ لرسولِ اللهؐ (۱) مالک میرے لئے ایسے ہی تھے جیسے میں رسولؐ کے لئے تھا:

بڑے بہادر اور نہایت ہی شجاع تھے اسی لئے حضرت امیر المومنینؑ نے انہیں جنگ صفین میں اپنی فوج کا سردار مقرر کیا تھا اگر چہ وہ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے اور سادہ لباس پہنتے تھے۔ ان کے حالات کے ذیل میں تحریر ہے: ایک روز مالک اشتر بازار سے گذر رہے تھے ایک شخص نے ازراہ تمسخر سبزی سے نکالا ہوا کباڑ آپ کے دوش پر ڈال دیا وہ نہیں جانتا تھا کہ یہی مالک اشتر ہیں، مالک نے اس سے کچھ نہ کہا اور گردن جھکا کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔

جو لوگ وہاں موجود تھے انہوں نے اس مسخرے سے کہا: تمہیں معلوم ہے تم نے کیا کیا ہے؟! تم کس جرم کے مرتکب ہوئے ہو؟ جس شخص کے دوش پر تم نے کباڑ ڈالا ہے جانتے ہو وہ کون ہے؟ وہ حضرت علیؑ کی فوج کے سردار مالک اشتر تھے! ان کی شان میں تم نے گستاخی کی ہے!!

یہ سن کر وہ شخص کانپنے لگا اور مالک کی تلاش میں چلا، دیکھا مالک ایک مسجد میں نماز پڑھ رہے ہیں، یہ شخص وہیں کھڑا رہا۔ یہاں تک کہ مالک نے نماز تمام کی، اس شخص نے خود کو مالک کے قدموں پر گرا دیا گڑگڑاتے ہوئے معذرت طلب کی اور کہا: میں آپ کو نہیں پہچانتا تھا مجھے معاف کردیجئے۔

---

(۱) بحار الانوار ج ۴۹ ص ۱۷۴، رجال علامہ حلیؒ ۱۶۹، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۲۱۴ ج ۱۵ ص ۹۸

مالک نے کہا، خدا کی قسم میں نے مسجد میں آ کر اسی لئے دو رکعت نماز پڑھی ہے اور خدا سے یہ دعا کی ہے کہ پروردگار اس شخص نے میری اہانت کی ہے تو اسے بخش دے میں نے اسے معاف کر دیا۔(۱)

اگر ہم صحیح طریقہ سے غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ صفت قوی القلب ہونے کی دلیل ہے اس واقعہ سے مالک کی شجاعت، میدان کارزار سے بھی زیادہ ثابت ہوتی ہے۔

حضرت رسالتمآبؐ اور جناب امیرلمومنینؑ سے منقول ہے کہ:

أشْجَعُ النّاسِ مَنْ غَلَبَ هَواهُ. (۲)

شجاع ترین آدمی وہ ہے جس نے اپنی خواہش نفس پر غلبہ پالیا ہے۔

۳. و العطيّةُ بغيرِ المِنَّة

اور بغیر احسان کے عطا کرنا۔

آیت شریفہ میں ارشاد ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاتُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالأَذَى﴾(۳)

اے ایمان والو! احسان جتا کر اور اذیت پہنچا کر اپنے صدقات کو باطل نہ کرو۔

احسان کے بغیر بخشش کرنے کا بلند ترین درجہ و مرتبہ یہ ہے کہ انسان خود کو بھول جائے اور دوسروں پر احسان کرے، عطا کرے البتہ یہ ایثار کی صفت رسولؐ اور آل رسولؐ کے صفات میں سے ہے ان کے بارے میں قرآن فرماتا ہے:

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾(۴)

وہ دوسروں کو اپنے اوپر مقدم کرتے ہیں خواہ انہیں خود ضرورت ہو۔

---

(۱) بحار الانوار ج ۴۲ ص ۱۵۷، مجموعہ ورام ج ۱ ص ۲

(۲) بحار الانوار ج ۷۰ ص ۷۶، بحوالہ معانی الاخبار و امالی صدوق۔

(۳) بقرہ: ۲۶۴

(۴) حشر ۹

# اٹھارہویں تقریر

بلاغت کے چشمے

حضرت علیؑ کا کلام خالق کے کلام سے نیچے اور مخلوق کے کلام سے بلند ہے

خدا کی عبادت و بندگی بہت بڑا افتخار ہے

خدای ربوبیت عظیم ترین افتخار

ہر شخص کی قدر و قیمت اس کے صالح اعمال سے ہے

حضرت علیؑ کا کلام مخلوقات کے کلام سے بلند اور خالق کے کلام سے نیچے ہے۔

کلامُ عليٍّ كلامٌ عليٌّ

وما قالَهُ المرتضىٰ مُرتضىٰ

حضرت کا کلام بالا ہے اور جو حضرت مرتضیؑ نے فرمایا ہے وہ منتخب ہے۔

یہ مقولہ، کہ حضرت علیؑ کا کلام مخلوقات کے کلام سے بلند ہے، رسولؐ کے کلام کے منافی نہیں ہے کیونکہ علیؑ کا کلام رسولؐ ہی کا کلام ہے آنحضرتؐ نے خدا کے اذن سے امیر المومنینؑ کو تعلیم دی۔ خود حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

علّمني رَسُول اللّٰهُ ألفُ بابٍ مِنَ العِلْمِ وتَشَعَّبَ لي مِنْ كُلِّ بابٍ اَلفَ بابٍ (۱)

رسولؐ نے مجھے علم کے ہزار باب تعلیم کئے ہیں اور ہر باب سے میرے لئے ہزار باب کھلے ہیں۔

نیز فرمایا:

أنا مَدِينَةُ العِلْمِ وعليٌّ بابُها فَمَنْ أرادَ المدينةَ فليأتها مِنْ بابها. (۲)

میں شہر علم ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں جو شہر آنا چاہتا ہے اسے اس کے دروازے سے آنا چاہئے۔

حضرت علیؑ کے حکیمانہ کلمات کو جو کہ مذکورہ مضامین کی نشاندہی کرتے ہیں اور جن کو مثال میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ ان میں سے درج ذیل روایت بھی ہے:

---

(۱) کنز العمال ج۱ص۲۲، اختصاص ص۲۸۳، مناقب ج۲ص۳۶، دلائل الامامۃ ص۱۰۵، اعلام الوریٰ ص۱۳۶

(۲) بحار الانوار ج۶۹ص۸۱

عن عامر الشعبی قال: تکلّم أمیرُ المؤمنینؑ بتسعِ کلماتٍ ارتجلهُنّ ارتجالاً فقأنَ عُیونَ البلاغةِ و أیتَمْنَ جَواهِرَ الحِکْمَةِ وقَطَعْنَ جَمِیعَ الأنامِ عن اللَّحاقِ بواحدةٍ منهنّ، ثلاثٌ منها في المناجاة و ثلاثٌ منها في الحکمة و ثلاثٌ منها في الأدب.

فأمّا اللاتي في المناجاة، فقال: اِلٰهي کفیٰ بي عزّاً أن أکون لَکَ عَبْداً و کفیٰ بي فَخْراً أن تَکُونَ لي رَبّاً أنْتَ کَمَا اُحِبُّ فاجعلني کما تُحِبُّ و أمّا اللاتي في الحِکْمَةِ، فقالَ: قیمةُ کُلِّ امرءٍ ما یُحْسِنُهُ، مَا هَلَکَ اِمْرءٌ عَرِفَ قَدْرَهُ و المَرءُ مَخْبوءٌ تَحْتَ لِسانِهِ.

و اللاتي في الأدب، فقال: امنُنْ علیٰ مَنْ شِئْتَ تَکُنْ أمیرَهُ و احتَجْ اِلیٰ مَنْ شِئتَ تَکُنْ أسِیْرَهُ و استَغْنِ عَمَّنْ شِئْتَ تَکُنْ نَظِیْرَهُ. (۱)

عامر شعبی کہتے ہیں: حضرت علیؑ نے نو کلمے بیان فرمائے ہیں، انہیں نو کلموں سے بلاغت کے چشمے جاری ہوئے ہیں، یہ کلمے فصحاء و بلغاء کے کلام کے درمیان درِ بے بہا معلوم ہوتے ہیں (یعنی بے مثل ہیروں کی طرح نظر آتے ہیں) ان کا مثل لانے سے ساری دنیا عاجز ہے (۱) ان میں سے تین کلمے مناجات میں ہیں (۲) تین کلمے ادب میں ہیں (۳) اور تین کلمے حکمت میں ہیں۔

(۱) جو تین کلمے مناجات ہیں وہ یہ ہیں:

الف. اِلٰهي کفیٰ بي عزّاً أن أکون لَکَ عَبْداً

اے اللہ میرے لئے اتنی ہی عزت کافی ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں۔

اس سے بڑا کوئی رتبہ نہیں ہے کہ انسان حقیقت میں خدا کا بندہ ہو جائے اور یہی وجہ ہے کہ جب ہم تشہد میں حضرت محمدؐ کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں تو یہ کہتے ہیں:

أشْهَدُ أنَّ محمّداً عَبْدُهُ و رَسُولُهُ

---

(۱) بحار الانوار ج ۷۷ ص ۴۰۰

میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کے حقیقی بندے اور اس کے رسولؐ ہیں۔

اسی طرح جب خداوند عالم اپنے رسولؐ کو معراج پر لے جانے کا قصہ بیان کرتا ہے تو آپؐ کو عبد کے لفظ سے یاد کرتا ہے فرماتا ہے:

﴿سُبْحَانَ الَّذِی أَسْرَی بِعَبْدِهِ لَيْلاً مِنْ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَی الْمَسْجِدِ الأَقْصَی﴾(۱)

پاک ہے وہ ذات جو اپنے حقیقی بندہ کو راتوں رات مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ لے گئی۔اور جب قرآن میں حضرت ایوب کا ذکر کرتا ہے تو فرماتا ہے:

﴿نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهُ أَوّابٌ﴾ (۲)

شایوب بہترین بندے تھے،خدا ہی سے لو لگائے رہتے تھے۔

حضرت نوح کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿فَكَذَّبُوا عَبْدَنا﴾ (۳)

انہوں نے ہمارے بندے کی مخالفت کی اور انہیں جھٹلایا۔

ب. وكفىٰ بي فَخراً أن تَكُونَ لي رَبّاً

اور میرے لئے اتنا ہی فخر کافی ہے کہ تو میرا رب ہے۔

ج. أنْتَ كَمَا اُحِبُّ فاجعلني كما تُحِبُّ

معبود تو تو ایسا ہی ہے جیسا میں چاہتا ہوں پس مجھے ایسا قرار دے جیسا تو چاہتا ہے۔

۲۔ادب ان تین کلمات میں ہے:

د. امنُنْ علىٰ مَنْ شِئتَ تَكُنْ أميرَهُ

احسان کر کے جس کے چاہو امیر بن جاؤ۔

ه. واحتَجْ اِلىٰ مَنْ شِئتَ تَكُنْ أسِيْرَهُ

(۱) اسراء ۱ (۲) اسراء ۱ (۳) قمر:۹

حاجت وضرورت بیان کر کے جس کے چاہو اسیر بن جاؤ۔

و. واستَغْنِ عَمَّنْ شِئتَ تَكُنْ نَظِيْرَهُ

جس سے چاہو بے نیاز ہو کر اس جیسے بن جاؤ۔

ز. قِيْمَةُ كُلِّ امْرِءٍ ما يُحْسِنُهُ

ہر شخص کی قدر و قیمت اتنی ہی ہے جتنا اس کا عمل بہتر ہے۔

یا ہر شخص کی قدر و قیمت اسی چیز کے برابر ہے جس کو اچھا بناتا ہے۔

خلیل بن احمد -- ایک ادیب و دانشور ہے -- کہتا ہے:

اعلیٰ ترین حکیمانہ کلمہ جو انسان کو علم و کمال کی طرف رغبت دلا سکتا ہے، حضرت علیؑ کا یہی کلمہ ہے:

قِيْمَةُ كُلِّ امْرِءٍ ما يُحْسِنُهُ

جب ہمیں علم کی اہمیت اور اس کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو گیا تو اس کے حصول کے لئے ہمیں پوری طاقت کے ساتھ کوشش کرنی چاہئے اور اس کی راہ میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو برطرف کرنا چاہئے۔

ائمہؑ کے زمانہ سے آج تک علماء فقہاء و مجتہدین میں سے کچھ ایسے علماء گذرے ہیں جو شروع میں بہت بلند مرتبہ نہیں رکھتے تھے لیکن وہ تحصیل علم کے لئے مسلسل کوشاں رہے اور فقر و فاقہ جیسی مشکلوں میں مبتلا ہوئے مگر اس کی پروانہ کی بلکہ تحصیلِ علم میں منہمک رہے یہاں تک بلند مرتبہ پہنچ گئے۔

آقا حسین خوانساریؒ کہ جن کو استاد الکل فی الکل عند الکل کہا جاتا تھا۔(۱)

اپنے زمانہ میں صف اوّل کے مرجع تھے بلکہ بے نظیر تھے، طالب علمی کے ابتدائی زمانہ میں غربت و مفلسی میں مبتلا تھے اور اسی فقر و فاقہ کی زندگی میں اصفہان کے ایک مدرسہ میں تعلیم حاصل کرتے تھے یہاں تک اس مقام پر پہنچے کہ پورے ملک کے مرجع قرار پائے اور علم میں سب پر فوقیت لے گئے۔(۱)

بِقَدْرِ الكَدِّ تُكْتَسَبُ المَعَالِي

---

(۱) روضات الجنات ج ۲ ص ۳۵۲، ضیاء الابصار ج ۲ ص ۵

(۱) آقا جمال خوانساریؒ بھی آقا حسین کے فرزند تھے آقا جمال خوانساری فقیہ، حکیم اور وارستہ انسان تھے ان کے بارے میں کہتے ہیں

وَمَنْ طَلَبَ العُلٰی سَهَرَ اللیالي

رنج ومشقت کے برابر بلندیاں حاصل ہوتی ہیں اور جو بلندیاں حاصل کرنا چاہتا ہے وہ راتوں کو جاگتا ہے۔

رسولؐ سے ایک حدیث منقول ہے کہ:

**اغتنمْ خَمْساً قَبْلَ خَمْسٍ .(۱)**

پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو۔

بڑھاپے سے پہلے جوانی کو غنیمت سمجھو۔

جوانی کے زمانہ کی قدر کرنی چاہئے اس کی اہمیت کو سمجھا چاہئے کیونکہ جوانی میں انسان ہر کام انجام دے سکتا ہے جبکہ بڑھاپے میں طاقت نہ ہونے کی وجہ سے ہر کام انجام نہیں دے سکتا ہے۔

۲۔فقر و مفلسی میں مبتلا ہونے سے پہلے ثروت مندی کو
۳۔مشکلات میں گھرنے سے پہلے فراغت کو
۴۔مرض میں مبتلا ہونے سے پہلے صحت وتندرستی کو
۵۔موت آنے سے پہلے زندگی کو غنیمت سمجھو۔

یہ ساری چیزیں وہ سرمایہ ہے جو خدا نے انسان کو عطا کیا ہے تا کہ ان کی مدد سے وہ علم حاصل کرے اور کمال پر پہنچ جائے۔پس ان نعمتوں کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔تا کہ اپنی کوشش اور ان سے استفادہ کر کے ہم بلند مراتب پر فائز ہو جائیں۔حکمت کے بارے میں آپ کا دوسرا کلمہ یہ ہے:

**ح. ما هَلَکَ اِمرءٌ عَرِفَ قَدْرَهُ**

(پچھلے صفحہ کا باقی) کہ جوانی کے ابتدائی زمانہ میں تحصیل علم میں کوشاں نہیں تھے ایک مرتبہ ملا محسن فیض کاشانی آ قا حسین خوانساری سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے،لیکن موصوف سے پہلے ان کے بیٹے جمال سے ملاقات ہوگئی مرحوم فیض کاشانی نے ان سے ایک مسئلہ معلوم کیا،آ قا جمال اس کا جواب نہ دے سکے مرحوم فیض کاشانی نے رغبت دلانے کے لئے کہا: افسوس کہ آ قا حسین کے گھر کا دروازہ بند ہو گیا۔اس بات نے آ قا جمال پر بہت اثر کیا اور وہ سنجیدگی سے علم حاصل کرنے لگے،ہر وقت تحصیلِ علم اور مطالعہ میں مشغول رہتے تھے،یہاں تک کہ انکا شمار،محسن ملا فیض کاشانی ملا محمد تقی مجلسی اور مرحوم محمد باقر مجلسی جیسے عظیم علماء میں ہونے لگا۔

(۱) بحار الانوار ج۸۱ص۱۷۳: یا آباذر! اغتنم خَمْساً قَبْلَ خَمْسٍ، شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ و صَحَّتِكَ قبلَ سَقَمِكَ و غِناكَ قَبْلَ فَقْرِكَ و فراغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ و حياتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ۔

جو شخص اپنی حیثیت کو پہچانتا ہے وہ ہلاک نہیں ہوتا۔

ممکن ہے اس جملہ کے یہ معنی ہوں کہ جب انسان اپنی حقیقت اور قدر و قیمت کو سمجھ لیتا ہے اور یہ جان لیتا ہے کہ اس کی بڑی قیمت ہے (کیونکہ خدا نے انسان کی روح کو عالم ملکوت سے قرار دیا ہے) لہذا وہ یہ عزم کرتا ہے کہ کمال و ترقی کی طرف بڑھے گا اور خدا کا تقرّب حاصل کرے گا اور بلند ترین مرتبہ پر پہنچے گا۔

قالَ النَّبيُّ مَنْ عَرِفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرِفَ رَبَّهُ. (۱)

جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے خدا کو پہچان لیا۔

قرآن فرماتا ہے:

وفي أنْفُسِكُمْ أفَلا تُبْصِرُونَ. (۲)

کیا تم اپنے نفسوں کے بارے میں غور نہیں کرتے کیا تم نہیں دیکھتے۔

عرفان نفس سے متعلق حدیث کے دوسرے معنی یہ ہیں: جب انسان اپنے وجود اور اس روح کے بارے میں غور کرے گا جو اس کے بدن میں ہے تو وہ یہ سمجھ لے گا کہ خدا نے جو کچھ، ظاہری و باطنی قوتیں اس کے وجود کے اندر رکھی ہیں سبھی حیرت انگیز نعمتیں ہیں، سب ہی اپنے خالق کی قدرت و حکمت کا پتہ دیتی ہیں، مثلا انسان دیکھتا ہے یا سنتا ہے یا بولتا ہے یہ ساری چیزیں حیرت انگیز ہیں یہی خدا کی حکمت کی عکاسی کرتی ہیں۔

شاعر کہتا ہے:

یا رب این کیست که از دیده ی من می نگرد
یا که باشد که سخن می کند اندر دهنم

پرودرگار! یہ کون ہے کہ جو میری آنکھ سے دیکھتا ہے یا میری زبان سے کون بولتا ہے۔

یہی حال باطنی قوتوں، فکر وخیال و حافظہ و عقل، کا ہے خصوصاً ان نعمتوں میں سب سے بلند عقل ہے یہی انسان کو تمام حیوانوں سے ممتاز کرتی ہے، عقل کا وجود ملائکہ کی سنخ سے ہے، یہ ساری چیزیں حکمت والے خدا کے وجود پر دلالت کرتی ہیں۔

---

(۱) بحار الانوار ج ۲ ص ۳۲ (۲) ذاریات: ۲۱

بنابرایں جب انسان روح، بدن، اعضاء، قویٰ اور اپنے جوارح کی معرفت حاصل کرے گا۔ تو ان کو پیدا کرنے والے صاحب حکمت اپنے خدا کو بھی پہچان لے گا۔

مذکورہ حدیث کے تیسرے معنیٰ بھی ہیں: جس طرح بدن کا وجود، اس کی بقا اور تحرک، روح کے وجود سے وابستہ ہے اور یہ قویٰ روح کے آلات ہیں، یہ الگ بات ہے کہ ہمیں روح نظر نہیں آتی لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو بھی کچھ ہے یہی ہے اسی طرح اگر چہ خدا آنکھوں سے نظر نہیں آتا ہے لیکن جو کچھ بھی ہے سب اسی کی لایزال قدر و حکمت کے آثار ہیں۔

تیسری حکمت بیان فرماتے ہیں:

ط. المَرْءُ مَخْبُوءٌ تَحْتَ لِسَانِهِ

انسان اپنی زبان کے نیچے چھپا ہوا ہے۔

یعنی جب تک وہ کلام نہیں کرے گا اس وقت تک اس کی اچھاء برائی دونوں چھپی رہیں گی۔

تا مرد سخن نگفته باشد
عیب و هنرش نهفته باشد (۱)

جب انسان زبان نہیں کھولتا ہے اس قت تک اس کے عیب و ہنر مخفی رہتے ہیں۔

زبان در دان ای خردمند چیست
گلید در گنج صاحب هنر
چو در بسته باشد چه داند کسی
که گوهر فروش است یا پیله ور

اے عقل مند دہان کے اندر زبان کیا ہے۔

صاحب ہنر کے خزانہ میں کلید و کنجی ہے۔

جب دروازہ بند ہے تو کوئی کیا جانے کہ اس میں جوہر ہے یا پیلہ ور۔ (۲)

(۱) کلیات سعدی گلستان ۱۸ (۲) کلیات سعدی گلستان ۱۸

# انیسویں تقریر

سچائی و صداقت حقیقی سچے

صداقت اور صدق بیانی کا تعلق مکارم اخلاق سے ہے

حضرت علیؑ کی صدق بیانی کی وجہ سے رسول آپؐ سے محبت کرتے تھے

صداقت مکارم اخلاق کا سرچشمہ ہے

صدق بیانی اور امانتداری با فضیلت لوگوں کی صفت ہیں

غیر حقیقی نماز کا اثر نہیں ہوتا ہے

جھوٹ کی پستی

قال الله تبارک و تعالیٰ:

﴿یاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَکُونُوا مَعَ الصَّادِقِینَ﴾(۱)

اے ایمان لانے والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

صفاتِ حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ میں سے سچ بولنا بھی ہے، سچ بولنا تمام اخلاقِ حسنہ اور صفات حمیدہ کا عنوان ہے۔ یہی انسان کی مروت و مردانگی پر دلالت کرتی ہے کیونکہ یہ صفت انسان کی قوتِ نفس سے وجود میں آتی ہے۔ جھوٹ اس کے برخلاف ہے یہ صفت نفس کی کمزوری سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ تھا علمائے اخلاق کا نظریہ۔

ز نیرو بود مرد را راستی

ز سستی کژی آید و کاستی (۲)

مرد کی صداقت و سچائی اس کے نفس کے قوی ہونے کے سبب سے ہے جبکہ سستی سے کجروی اور کمی آتی ہے۔

سچائی ایسی صفت ہے کہ جس سے بہت سے نیک و شائستہ صفات پیدا ہوتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ سچ بولنا اور راست گوئی ہی وہ صفت ہے کہ جو انسان کو شائستہ صفات اور پسندیدہ کام کرنے پر ابھارتی ہے۔

خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَکُونُوا مَعَ الصَّادِقِینَ﴾(۳)

---

(۱) توبہ ۱۱۹

(۲) شاہنامہ فردوسی، داستان بوذرجمہر، قسمت اوّل

(۳) توبہ: ۱۱۹

اے ایمان والو! خدا سے ڈرو! اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

دوسری آیت میں ارشاد ہے:

﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وقُولُوا قَوْلاً سَدِیداً﴾

اے ایمان لانے والو خدا سے ڈرو! اور سیدھی سچی بات کہو۔

بہت سی حدیثوں میں بھی صدق بیانی کی فضیلت وارد ہوئی ہے امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

بیشک خداوند عالم نے جس نبیؐ کو بھی مبعوث کیا ہے اس نے امت کو سچ بولنے امانت ادا کرنے کی دعوت دی ہے خواہ امانت نیک وشریف آدمی کی ہو یا بدکار کی ایک روایت اور ہے: امام صادقؑ نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ تمام نسبتوں کے باوجود رسولؐ حضرت امیر المومنینؑ سے کیوں محبت فرماتے تھے؟ اس نے عرض کی: فرزند رسولؐ! آپؑ ہی فرمائیے۔

آپؑ نے فرمایا: (یعنی ان تمام فضائل وکمالات کی بنا پر جو آپؑ کی ذات میں تھے) دوصفتوں کی بنا پر۔ ایک راست گوئی اور صدق بیانی امانتداری۔ (۱)

آپؑ ہی سے منقول ہے کہ فرمایا:

الصِّدْقُ یَهْدِي اِلیٰ البِرِّ والبِرُّ یَهْدِي اِلیٰ الجَنَّةِ. (۲)

صدق وسچائی انسان کو نیکی کرنے پر ابھارتی ہے اور نیکی انسان کو جنت میں لے جاتی ہے۔ صدق تمام اچھے صفات کو جامع ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان کو جنتی بنا دیتی ہے۔ امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

(۱) کافی ج۲ص۱۰۴، عن ابی الکهمس قال: قُلْتُ لأبي عبد اللهؑ: عبد الله بن ابي یعفور یقرئك السلام۔ قال: علیك و علیه السّلام اذا اتیت عبد الله فاقرأه السّلام و قل له: اِنّ جعفر بن محمّد یقول لك: انظر ما بلغ به عليٌّ عند رسول اللهؐ فالزمه، فإنّ علیاًؑ انّما بلغ ما به عند رسول اللهؐ بصدق الحدیث و أداء الأمانة۔

(۲) جامع الاخبار ص۱۰۰، مستدرک الوسائل ج۸ص۴۵۵، و قال عليٌّؑ الصدق یَهْدي الیٰ البرّ و البرّ یدعو الیٰ الجنّة وما یزالُ احدکم یَصْدُقُ حتّی لا یبقی في قلبه موضع ابرة من کَذِب حتّی یکونَ عند الله صادقاً۔

مَنْ صَدَقَ زَكىٰ عَمَلُهُ، وَمَنْ حَسُنَتْ نيّته زيدَ في رِزْقِهِ، وَمَنْ حَسُنَ بِرُّهُ بأهْلِهِ زيدَ في عُمُرِهِ. (۱)

جس نے صدق بیانی کو اپنا شعار بنالیا اس کا عمل پاک ہو گیا ہے۔

(یعنی صداقت وسچائی عمل کی خوبی اور اس کی صحت میں دخیل ہے) جس شخص کا دل اور نیت صحیح ہوتی ہے خدا اس کی روزی میں اضافہ کر دیتا ہے اور جو اپنے عزیزوں اور مذہب والوں کے ساتھ صلہ رحم کرتا ہے اس کی عمر بڑھ جاتی ہے۔

اس روایت کے رو سے بھی صدق وصداقت تمام صفات حمیدہ کی جامع ہے اور جس وقت انسان کے وجود میں صداقت وراستگوئی کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے تو وہ اپنے خدا کی بارگاہ میں یہ سچ کہتا ہے:

﴿إِيَّاکَ نَعْبُدُ وَإِيَّاکَ نَسْتَعِينُ﴾ (۲)

یہ وہ سچ کہتا ہے حقیقت میں وہ خدا کی عبادت کرتا ہے، اس وقت وہ ہر حال اور ہر جگہ خدا کی پرستش کرتا ہے، وہ کہتا ہے:

اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔

جب انسان کی نیت سچی اور صحیح ہوتی ہے تو اس میں خلوص بھی ہوتا ہے وہ صرف خدا کے لئے عمل و عبادت کرتا ہے۔ خدا سے سچ بولنے میں اور رسولؐ وائمہؑ سے سچے خلوص وعقیدت کے لئے حسن نیت ثابت ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ صدق وصداقت کے ساتھ اظہار کرتا ہے۔

نیز امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

لا تنظروا الىٰ طول ركوع الرّجل و سجوده، فانّ ذلک شيءٌ اعتاده؛ فلو تَرَكَهُ استوحَشَ لذلِکَ ولكنْ انظروا الىٰ صِدْقِ حديثه وأداءِ أمانتِهِ. (۳)

(۱) کافی ج۲ ص ۱۰۵

(۲) حمد: ۴

(۳) کافی ج۲ ص ۱۰۵

کسی شخص نے طویل رکوع اور طولانی سجدہ کو نہ دیکھو ہوسکتا ہے وہ عادت کی وجہ سے ایسا کر رہا ہو اگر اس کام کو انجام نہیں دے گا تو اسے وحشت ہوگی ہاں اس کی صدق بیانی اور امانتداری کو دیکھو۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ جس نماز کی اتنی اہمیت ہے جو مومن کی معراج ہے جس کے وسیلہ سے انسان خدا کا تقرّب حاصل کرتا ہے اور نماز دین کا ستون ہے اور دین کے تمام امور نماز سے ہی مربوط ہیں۔ خداوند عالم قرآن مجید میں فرماتا ہے:

﴿إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنْ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللهِ أَكْبَرُ وَاللهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ﴾ (۱)

بیشک نماز فحش و بدکاری اور برائیوں سے روکتی ہے اور نماز ذکرِ خدا ہے، جو ہر چیز سے بلند ہے اور جو تم کرتے ہو خدا اسے اچھی طرح جانتا ہے۔

و قال أمير المؤمنينؑ:

الصلاةُ قُرْبانُ كُلِّ تَقِيٍّ. (۲)

نماز ہر پرہیز گار کو خدا سے قریب کر دیتی ہے۔

عن أبي بصير قال: سمِعتُ أبا جعفر يقول:

اوّل ما يُحاسَبُ بِهِ العبدُ الصَّلاة فإنْ قُبِلَتْ قُبِلَ ما سواها. (۳)

ابوبصیر سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے ابوجعفر امام محمد باقرؑ سے سنا کہ فرماتے ہیں: روزِ

(۱) عنکبوت: ۴۵

(۲) نہج البلاغہ، کلمۂ حکمت: ۱۳۶، بحار الانوار ج ۱۰ ص ۹۹، روایت کا باقی حصہ یہ ہے و الحج جهادُ كلِّ ضعيف، و لكلِّ شيءٍ زكاة، و زكاةُ البدن الصيام، و جهادُ المرأة حُسْنُ التبعُّل

(۳) کافی ج ۳ ص ۲۶۸، عن ابي بصير قال سمعت ابا جعفر يقول : كلُّ سهوٍ في الصَّلاة يُطْرَحُ منها غير أنَّ اللهَ تعالىٰ يُتِمُّ بالنوافل انّ اوّل ما يُحاسَبُ به العبد الصلاة فإنْ قُبِلَتْ قُبِلَ مَا سِواها إنَّ الصلاةَ اذا ارتفعت في أوّل وقتها رجعتْ الىٰ صاحبها و هي بيضاء مشرقة تقول: حفِظْتَني حَفِظَكَ اللّٰهُ و اذا ارتفعت في غير وقتها بغير حدودها رجعتْ الىٰ صاحبها وهي سوداء مظلمة تقول ضيّعتَني ضَيَّعكَ الله۔ وسائل الشيعة ج ٤ ص ٣٤۔ قال و قال الصادقؑ: اوّل ما يحاسب به العبد الصلاةَ فإنْ قُبِلَتْ قُبِلَ سائر عمله و اذا رُدَّتْ رُدَّ عليه سائر عمله۔

قیامت انسان سے ہر چیز سے پہلے نماز کے بارے میں سوال ہوگا یا ہر عمل سے پہلے انسان سے نماز کا حساب لیا جائیگا اگر نماز قبول ہوگئی تو ہر نیک عمل قبول ہو جائیگا۔

پھر امام محمد باقرؑ یہ کیوں فرماتے ہیں کہ کسی کے طولانی رکوع وسجود پر اعتماد نہ کرنا؟

جواب: حدیث میں بیان ہوا ہے کہ یہاں وہ نماز مراد ہے جو نمازی کی عادت بن گی ہے یعنی ممکن ہے کوئی شخص نماز پڑھے لیکن نماز کے شرائط پورے نہ ہوں، نیت صحیح نہ ہو، حضورِ قلب نہ ہو اور عادت کے مطابق نماز انجام پذیر ہو جائے ورنہ جس نماز میں ہر پہلو اور اس کے شرائط موجود ہیں تو اس میں تمام چیزیں ہیں یہاں تک کہ صداقت اور امانتداری بھی اس نماز میں موجود ہے۔

پس امام محمد باقرؑ کا یہ فرمانا کہ ایسے شخص پر اعتماد نہ کرو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے اس کی نماز واقعی نماز نہ ہو۔

صدق وسچائی کے مقابلہ میں جھوت ہے جتنا سچ اچھا ہے اتنا ہی جھوٹ برا ہے البتہ جھوٹ کے بی درجات ہیں اگر خدا اور رسولؐ پر جھوٹ باندھا جائے تو یہ بہت بڑا گناہ ہے اس سے روزہ باطل ہو جاتا ہے۔

ایک روایت میں ہے:

اِنّ الکَذِبَ هُو خَرابُ الایمان. (۱)

بیشک جھوٹ ایمان کی خرابی ہے۔

امام علی نقیؑ سے ایک روایت میں منقول ہے: تمام برائیوں کو ایک گھر میں بند کر کے اس پر تالا لگا دا گیا ہے اور اس کی کنجی شراب کو قرار دیا گیا ہے لیکن جھوٹ شراب سے بھی بدتر ہے۔(۲)

جھوٹ ایک منفور صفت ہے اگر یہ کسی معاشرہ میں پیدا ہو جاتی ہے تو اس کے افراد کا ایک دوسرے سے اطمینان اٹھ جاتا ہے اور جب ایک دوسرے سے اطمینان اٹھ جاتا ہے تو ان کے درمیان سے محبت و دوستی اور اتحاد کا رشتہ ختم ہو جاتا ہے، ان میں تفرقہ پڑ جاتا ہے لیکن جس معاشرہ کے افراد سچ بولتے ہیں اور جس میں کجی و انحراف نہیں ہوتا ہے اس معاشرہ کے لوگوں میں محبت و دوستی اور وحدت و یگانگی ہوتی ہے، یہی وجہ ہے ایسے

(۱) کافی ج۲ص ۳۳۹

(۲) کافی ج۲ص۳۳۹،عن أبي جعفر قال: إنّ اللّه عزّ و جلّ جعل للشر اقفالاً وجعل مفاتيح تلك الأقفال الشراب، و الكَذِبُ شَرٌّ من الشراب۔

معاشرہ کے لوگ ایک طاقتور قوم بن کر ابھرتے ہیں اور ایسی قوم پر دشمن کبھی فتحیاب نہیں ہوسکتا۔

لیکن اس پسندیدہ اخلاق کی قدر و قیمت اسی وقت ہوگی جب یہ اپنے نام نمود کے لئے نہیں بلکہ خدا کے واسطہ ہوگا اور جب یہ خدا کے لئے ہوگا اور خدا پر لوگوں کا محکم طریقہ سے ایمان ہوگا تو اس معاشرہ میں اتحاد و یگانگی پیدا ہوگی اور وہ قوی و طاقتور ہو جائیگا۔ اس صورت میں دشمن اس پر غلبہ نہیں کرسکتا۔ چنانچہ خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿وَلاتَهِنُوا وَلاتَحزَنُوا وَأَنتُمُ الأَعلَونَ إِنْ كُنتُم مُؤمِنِينَ﴾ (۱)

سستی و تساہلی سے کام نہ لو، ڈرو نہیں تم سب سے بلند و بالا ہو۔ جس آیت کو ہم نے سرنامہ بحث قرار دیا ہے اس میں خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ (۲)

اے ایمان لانے والو! خدا کا تقویٰ اختیار کرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

واضح ہے کہ صادقین کی ایک جماعت کا ہونا ضروری ہے کہ خدا نے جس کے ساتھ ہونے کی دعوت دی ہے اور روایات و احادیث سے ثابت ہے کہ صادقین سے مراد، حضرت علیؑ، حضرت فاطمہ زہراؑ اور ائمہ اطہارؑ ہی ہیں وہی اس آیت کا حقیقی و واقعی مصداق ہیں کیونکہ وہ معصوم ہیں بعض احادیث میں بیان ہوا ہے:

كُونُوا مَعَ عليٍّ وأصحابه (۳)

علیؑ اور ان کے اصحاب کے ساتھ ہو جاؤ۔ خدا نے یہ حکم اس لئے دیا ہے تا کہ ان کی پیروی و متابعت کی جائے ان کی محبت و ولایت کا عقیدہ رکھا جائے اور انہیں اپنے امور میں تصرف کرنے والا سمجھا جائے۔ (۴)

(۱) آل عمران: ۱۳۹

(۲) تفسیر نور الثقلین ج ۲ ص ۲۸۰، تفسیر صافی ج ۱ ص ۷۳۹

(۳) تفسیر نور الثقلین ج ۳ ص ۲۸۰، تفسیر صافی ج ۱ ص ۷۳۹

(۴) تفسیر نور الثقلین ج ۳ ص ۲۸۰، عن ابی نصر قال سئلت ابا الحسن الرضاؑ عن قول الله عزّ و جلّ ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ قالؑ: الصادقون هم الائمةؑ و الصديقون لطاعتهم۔ حاشیہ میں آیا ہے: قال الفيض في الوافي لعلّ المراد انّ الصادقون صنفان صنفٌ منهم الائمة المعصومونؑ و الآخر المصدّقون بانّ طاعتهم مفترضة مِنَ الله تعالىٰ كمالَ التصديق او كل من صدق بالحق غاية التصديق بطاعة ربّه او بطاعنه اياهم۔

# بیسویں تقریر

عدل گستری بھی بعثت انبیاء کا مقصد ہے

**قال اللّٰہ تبارک و تعالیٰ:**

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾(۱)

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں اور معجزات کے ساتھ بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب و میزان نازل کی ہے تا کہ لوگ عدل کے ساتھ قیام کریں۔

عدل کے ساتھ قیام کرنے کے کیا معنی ہیں؟

کہا جا سکتا ہے کہ اس آیت میں عدل کے معنی ہیں قانونِ خدا، اور خدا کا قانون دین ہے جیسے عالم کا عادلانہ نظام، ساری خوبیاں بیان کر دی ہیں اور ساری برائیاں بھی بیان کر دی ہیں اور یہ حکم دیا ہے کہ نیکیوں اور خوبیوں پر عمل کرو اور برائیوں سے پرہیز کرو، دوسروں کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ، نیک لوگوں کے ساتھ نیک سلوک کرو اور برے لوگوں کو ان کی برائی کی سزا دو۔

دین، قانونِ خدا ہے۔ اس کے احکام پر عمل کرنا سب کے لئے لازمی ہے، بادشاہوں، سربراہوں اور حکام کو خود بھی عدل کے مطابق عمل کرنا چاہئے اس کے علاوہ ان کا فریضہ یہ بھی ہے کہ دوسروں کے ساتھ نیکی کریں اور بدکار و برے لوگوں کو ان کے کرتوت کی سزا دیں۔

---

(۱) حدید ۲۵

حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

**العَدْلُ حَسَنٌ وهو مِنَ الأُمَراءِ أحْسَنُ... و الوَرَعُ حَسَنٌ وهُو مِنَ العُلَماءِ أحْسَنُ (۱)**

---

(۱) ارشاد القلوب ج ۱ ص ۱۹۳، و قال ستة اشياء حسن ولكن من ستة احسن، العدل حسن و هو من الامراء احسن و الصّبر حسن و هو من الفقراء احسن و الورع حسن و هو من العلماء احسن و السخاء حسن و هو من الاغنياء احسن و التوبة حسنة و هي من الشاب احسن و الحياء حسن و هو من النساء احسن و امير لا عدل له كغيم لا غيث له و فقير لا صبر له كمصباح لا ضوء له و عالم لا ورع له كشجرة لا ثمرة لها وغنيّ لا سخاء له كمكان لا نبت له و شاب لا توبة له كنهر لا ماء له و امرأة لا حياء لها كطعام لا ملح له۔ مجموعة ورام ج ۲ ص ۱۱۸ ۔ و عنهؑ: الذنب على الذنب يميت القلب، الخاسر من غفل عن اصلاح المعاد، الدعاء مع حضور القلب لا يرد، اللبيب من اشتغل بدينه عن كل احد، اختيار الله للعبد ما يسوؤه خير من اختياره لنفسه ما يسره، المديون في مغفرة الله سبحانه ما دامت همته في قضاء دينه، الحازم من اصلح يومه و استدرك فوارط امسه، العاجز من عجز عن اصلاح نفسه، الدعاء ينفع مما نزل و مما لم ينزل العاقل كثير الوجل قليل الاماني و الامل افتخار المؤمن بربه و عزّه بطاعته و افتخار الجاهل بماله و عزّه بحسبه الجنّة حرام على عاق والديه المحبّ لاهل بيتي في الجنّة المؤثر على نفسه من اهل اجنة العدل حسن لكنه في الامراء احسن التوبة حسنة لكنها في الشباب احسن الحياء حسن لكنه في النساء احسن، الورع حسن لكنه في العلماء احسن، السخاء حسن لكنه في الاغنياء احسن، الصّبر حسن لكنه في الفقراء احسن، عالم ورع اجره كأجر عيسى ابن مريمؑ غني سخي أجره كأجر الخليل ابراهيمؑ فقير صبور أجره كأجر النّبي أيّوبؑ امير عادل اجره كأجر النّبي سليمانؑ شاب تائب أجره كأجر يحيىٰ بن زكرياؑ امرأة حييّة أجرها كأجر مريم بنت عمرانؑ الضيف ينزل برزقه و يرتحل بذنوب اهل البيت المنفق عمره في طلب الدّنيا خاسر الصفقة عادم التوفيق العابث لاه و ليس اللهو من الدّين افضل العبادة الانقطاع لعبادة الله و العزلة عن النّاس اضاعة العلم التحدث به مع غير اهله اضاعة المعروف و ضعه في غير موضعه الخاسر من كانت رغبته الىٰ غير الله الفقر شين عند النّاس زين عند الله الغنى زين عند النّاس شين عند الله القلب يتحمل الحكمة عند خلو البطن القلب يمجّ الحكمة عند امتلاء البطن التقليل من الطعام بمنزلة سنية عند الله السّلامة و الراحة في العزلة عن النّاس السّلامة في الوحدة والآفة بين الاثنين الشعر في الانف امان من الجذم الحبّة السوداء شفاء من كل داء الّا السام اللّهم من آمن بي و احبني فأقل ماله وولده وعجّل له القضاء اللّهم من كذبني و ابغضني فأكثر ماله وولده و أطل له البقاء الويل كل الويل لمن باع نعيماً دائم البقاء بكسرة تفنى و خرقة تبلى المؤمن من اتعب نفسه لنفسه و اراح منه النّاس السعيد كل السعيد من كان له بنفسه شغل شاغل عن غيره المرأة عورة سترها بيتها فاذا خرجت استشرفها الشيطان۔

عدل بہت بڑی خوبی ہے جس سے ہر شخص کو متصف ہونا چاہیئے، ہر ایک عادل بننا چاہئے۔

لیکن حکام اور فرمانروا لوگوں کے لئے عدالت زیادہ زیب دیتی ہے یہ زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔تقویٰ اور پرہیز گاری بہت اچھی بات ہے لیکن علماء کو زیادہ زیب دیتی ہے۔

خداوند عالم نے قرآن مجید میں جناب ذوالقرنین کی داستان بیان فرمائی ہے:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَأَتْلُو عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْراً إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الأَرْضِ وَ آتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَباً﴾ (۱)

اے رسول! یہ آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں کہہ دیجئے، میں عنقریب تم کو ان کا ذکر پڑھ کر سناؤں گا ہم نے انہیں روئے زمین پر تسلط واقتدار کے اسباب فراہم کردئے تھے۔

انہوں نے مشرق ومغرب کی سیر کی۔

﴿حَتَّى إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ﴾ (۲)

یہاں تک کہ وہ سورج غروب ہونے کی منزل تک پہنچ گئے۔

ایک شہر میں داخل ہوئے اس وقت ان پر خدا کی طرف سے وحی نازل ہوئی: اے ذوالقرنین آپ ان لوگوں کے ساتھ کیسا سلوک کریں گے؟

﴿قَالَ أَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ إِلَى رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا نُكْراً﴾ (۳)

عرض کی ان میں سے جو ظالم، ستمگر اور فتنہ پرور ہونگے ان کو ان کی بدی کی سزا دونگا اور انہیں عذاب دونگا اور جب یہ خدا کے سامنے جائیں گے تو، وہاں جہنم میں جگہ ملے گی اور وہاں عذاب میں مبتلا ہونگے۔

﴿وَأَمَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً فَلَهُ جَزَاءً الْحُسْنَى وَسَنَقُولُ لَهُ مِنْ أَمْرِنَا يُسْراً﴾ (۴)

لیکن جن لوگوں نے نیک وصالح کام کئے ہیں ان کے ساتھ میں نیک سلوک کرونگا ان کو بہترین

---

(۱) کہف ۸۳ - ۸۴

(۲) کہف ۸۶

(۳) کہف ۸۷

(۴) کہف ۸۸

جزاء دی جائے گی۔ اور جب وہ خدا کی بارگاہ میں حاضر ہونگے تو وہاں ان کو بہترین جزاء ملے گی اور میں بھی انہیں اپنے امر کے بارے میں آسانی کے لئے کہونگا۔

﴿حَتَّى إِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ﴾ (۱)

پھر وہ سورج کے طلوع ہونے کی منزل تک پہنچے۔

وہاں ایک شہر میں داخل ہوئے اس شہر کے نادار و مفلس لوگوں کو دیکھا، ان لوگوں نے ذوالقرنین سے شکایت کی: اے ذوالقرنین! اس علاقہ میں وحشی و جنگلی لوگ رہتے ہیں وہ ظلم وتعدی اور فساد کرتے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک رکاوٹ کھڑی کردیں تا کہ ہم ان کی اذیت و آزار سے محفوظ رہ سکیں اور وہ ہمیں نقصان نہ پہنچا سکیں۔

ذوالقرنین نے کہا: ٹھیک ہے انہوں نے ان کی خواہش کے مطابق رکاوٹ کھڑی کرنے کا فیصلہ کیا ان لوگوں نے ان سے کہا: ہم آپ کے لئے اسباب و وسائل فراہم کردیں۔ ذوالقرنین نے کہا: خدا نے مجھے جو قدرت ونعمت عطا کی ہے میں اسی سے استفادہ کرونگا اور اس سلسلہ میں جو کچھ خرچ ہوگا وہ میرے ذمہ ہے۔ ہاں اس سلسلہ میں تم کام میں میرا ہاتھ بٹاؤ، ذوالقرنین نے ان کے درمیان میں رکاوٹ ایجاد کردی اور تجاوز کرنے والوں کا راستہ بند کردیا پھر وہ بھی تجاوز نہ کرسکے۔

قرآن میں ذوالقرنین کی داستان اس لئے بیان ہوئی ہے تا کہ یہ قصہ قیامت تک ہونے والے بادشاہوں کے لئے عملی دستور بن جائے۔

پس جن لوگوں کے اختیار میں ادارے ہیں، جو لوگ اداروں کے ذمہ دار ہیں، انہیں عدل سے کام لینا چاہئے، یعنی انہیں نیک منش لوگوں کے ساتھ نیکی کرنا چاہئے اور غلط کام کرنے والوں کو ان کی غلطیوں کی سزا دینی چاہئے۔

---

(۱) کہف ۹۰

عدل چہ وضع اندر موضعش

ظلم چہ بود وضع در نامو ضعش

عدل چہ بود آب ده اشجار را

ظلم چہ بود آب دادن خار را۔ (۱)

عدل کیا ہے کسی چیز کو اس کی جگہ پر رکھنا، ظلم کیا ہے کسی چیز کو اس کی جگہ پر نہ رکھنا درختوں کو پانی دینا عدل ہے، کانٹوں کو سیراب کرنا ظلم ہے۔

❁❁❁❁❁

# فہرست


پیشگفتار ........................................ ۵

آیۃ اللہ سید محمد علی ابن الرضا خوانساری کا تعارف ........................ ۹


## عقل


فضیلت عقل ........................................ ۲۵

کمالِ عقل کی علامتیں فضیلتِ عقل ........................................ ۳۳

عقل شہوت وغضب کو اعتدال پر رکھتی ہے اور اس کے سبب حکمت پیدا ہوتی ہے ........................ ۴۳


## علم


علم الٰہی مکارم اخلاق اور بلند افکار کے ساتھ ہے ........................ ۵۵

تحصیل علم کی فضیلت، اس کا ثواب اور طالب علم کے فرائض ........................ ۶۵

علم سیکھنے اور سکھانے کی فضیلت ........................................ ۷۷


## توحید


ظہور حق تعالیٰ اور اس کے پوشیدہ ہونے کی علت ........................ ۸۷

آفاق کی نشانیاں ایک حکمت والے خدا کے وجود پر دلالت کرتی ہیں ........................ ۱۰۱

خدا کی ذات کی معرفت کا ممکن نہ ہونا ........................ ۱۱۲
کائنات کے اجزاء کا باہم ارتباط اس بات کی دلیل ہے اس کائنات کا کوئی صانع ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے ...... ۱۲۷
خدا کے صفات ........................ ۱۴۹
خدا کے شایان شان نہ اس کی عبادت کی جاسکتی ہے اور نہ اس کا شکر ادا کیا جاسکتا ہے۔ ........................ ۱۴۹
آفاق وانفس کی آیتوں سے خدا کی معرفت اور یہ کہ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ ........................ ۱۵۵
انسان کا اصلی فریضہ یہ ہے کہ پہلے خدا کی معرفت حاصل کرے اور پھر اس کی عبادت کرے۔ ........................ ۱۶۵
خدا کی وحدانیت کا اقرار کرنا فطری ہے اور موجودات کا اس کی تسبیح کرنا بھی فطری ہے۔ ........................ ۱۷۵
انسانیت کے کمال کا اولین مرتبہ معرفت خدا ہے۔ ........................ ۱۸۳
خدا کی بہترین معرفت اس کی اعلیٰ ترین اطاعت اور خدا کے بارے میں حسن ظن عقل کا پتا دیتا ہے ..... ۱۹۳

## نبوت

بشر کی زندگی کے لئے وجودِ انبیاء اور قانون الٰہی ضروری ہے روئے زمین پر حجّت خدا کا وجود لازمی ہے
صفاتِ انبیاء کی کیفیت ........................ ۲۰۹
بعثت کے وقت دنیا کی حالت اور پیغمبر اکرمؐ کی بعثت کے آثار ........................ ۲۲۳
بعثت کے وقت دنیا کی حالت اور پیغمبر اکرمؐ کی بعثت کے منجموں اور کاہنوں کا آپؐ کی بعثت وظہور کی
خبر دینا اور اس سلسلہ میں انوشیرواں اور شاپور کی ملاقات وگفتگو آثار ........................ ۲۲۹
بعثت رسولؐ کے وقت دنیا کی ثقافت وادب اور اعتقاد کی حالت ........................ ۲۳۷
آفتاب رسالتؐ کے طلوع کے آثار ........................ ۲۳۷
تبلیغ رسالت پر خدا نے انبیاء سے عہد وپیمان لیا اور اسلام ایک جامع دین ہے۔ ........................ ۲۴۷
بعثت محمدؐ سے قبل اور اس کے بعد کے حالات ________ ۲۵۹
رسولؐ کے خصوصیات اور آپؐ کے محکم ومتین دستورات ........................ ۲۵۹

## امامت


امامت اصول دین میں ہے ........................................ ۲۷۳

امام معصوم ہوتا ہے اور امامت خدا کی طرف سے ملتی ہے ........................ ۲۷۳

صادقین سے مراد اہل بیتؑ ہیں ........................................ ۲۸۳

حضرت امیر المومنینؑ کے فضائل ومناقب ........................................ ۲۸۸

تحریک وانقلاب حسینیؑ کا مقصد ........................................ ۳۰۱

مومنوں کے دل میں امام حسینؑ کی محبت ہونا فطری بات ہے ........................ ۳۱۵

دین خدا کی بقا قیام حسینؑ سے ہے ........................................ ۳۱۸

امام زمانہ کا وجود لازمی ہے ........................................ ۳۲۱


## قرآن


قرآن خالق ومخلوق کے درمیان مضبوط وسیلہ ........................................ ۳۴۱

اس میں تحریف نہیں ہوسکتی اور یہ رسولؐ اسلام کا معجزۂ جاوید ہے ........................ ۳۴۱

اعجازِ قرآن کے پہلو ........................................ ۳۵۳

فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے قرآن کا چیلنج اور دشمنوں کا اس کا جواب لانے سے عاجز رہنا ........ ۳۶۳


## معاد


معادِ جسمانی وروحانی ........................................ ۳۷۷

معادِ جسمانی وروحانی ........................................ ۳۸۳

## عدالت


حقیقی واعظ خدا اور رسولؐ اور اہل بیتؑ اطہار ہیں ........................ ۳۹۱

موعظہ کے اثرات ........................ ۳۹۱

مکارمِ اخلاق اور لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی اہمیت ........................ ۳۹۷

مسجد کے فوائد ........................ ۴۰۵

طہارت و وضو خدا کے تقرّب کا، عذاب سے امان کا، اور انسان کی انانیت کو نابود کرنے کا باعث ہے .. ۴۱۷

خواہشِ نفس، لمبی امیدیں، اور وقت و عمر کو غنیمت سمجھنا ........................ ۴۳۳

ممدوح دنیا اور مذموم دنیا ........................ ۴۴۱

دعا، شکر، صبر اور استغفار ........................ ۴۵۱

خدا کی عبودیت و بندگی، دعا نیک اعمال کی جڑ، لوگوں کے لئے نیک خواہشات ........................ ۴۶۷

عید فطر اور تقوے کی فضیلت ........................ ۴۷۷

تزکیہ نفس اور پاک و پاکیزہ لوگوں کی نجات و کامیابی ........................ ۴۸۵

جسم و روح کے چھ حالات ........................ ۵۰۳

خداوند عالم کی اپنے رسولؐ کو وصیت ........................ ۵۱۵

اجتماعی عبادت ........................ ۵۲۵

رسولؐ خدا کے کلام میں چار اہم ترین موعظے ........................ ۵۳۳

چار قیمتی گوہر ا۔ عقل، ۲۔ دین، ۳۔ حیا، ۴۔ صالح عمل ........................ ۵۵۱

نعمت پر شکر، معصیت پر صبر ........................ ۵۵۷

خاکساری، عفو اور بخشش ........................ ۵۶۷

بلاغت کے چشمے ........................ ۵۷۳

سچائی وصداقت حقیقی سچ ............................................................ ۵۸۳
عدل گستری بھی بعثت انبیاء کا مقصد ہے ............................................ ۵۹۱

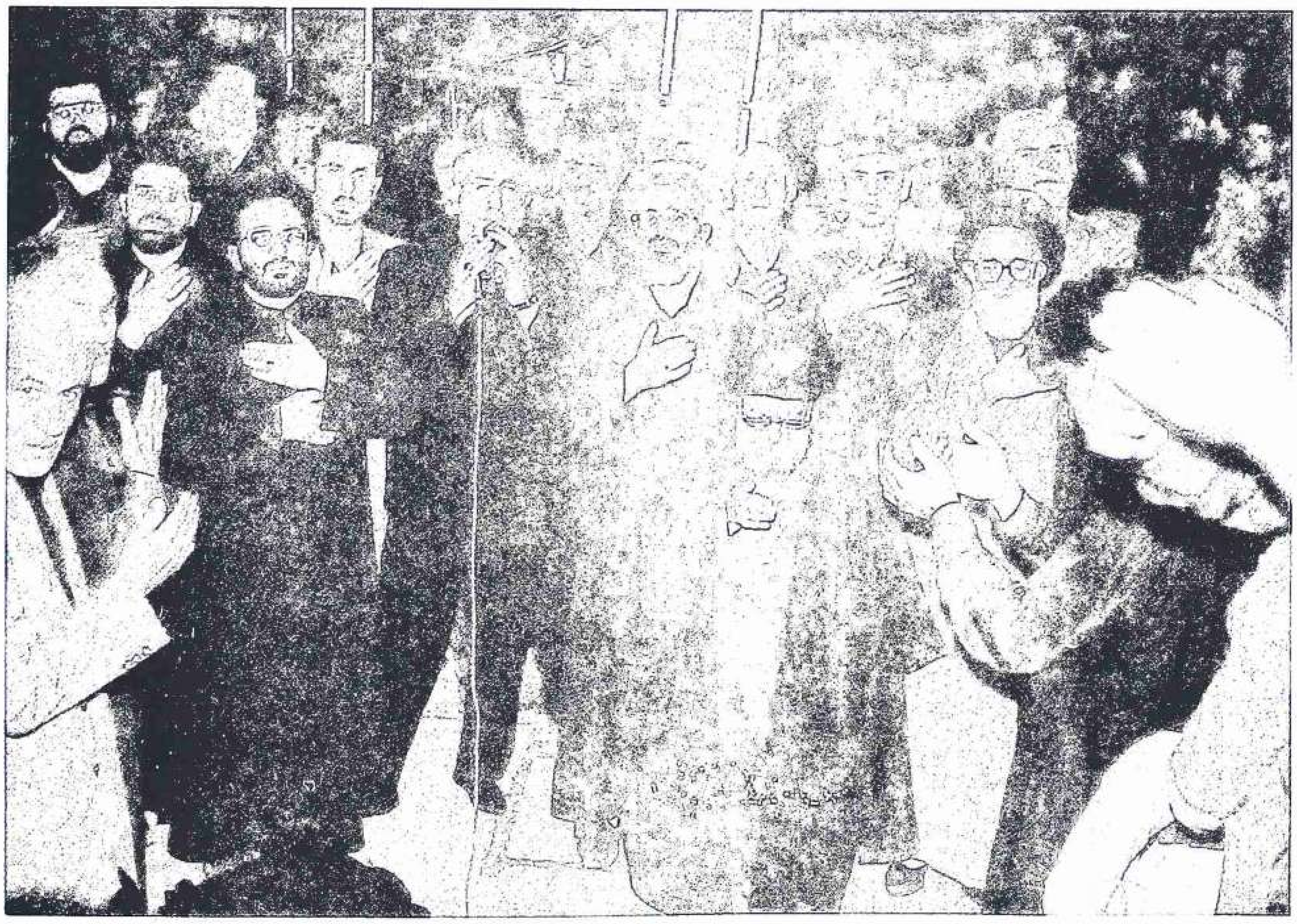

786/1680

حضرت آیۃ اللہ ابن الرضا

انصاریان پبلیکیشنز
پوسٹ بکس نمبر ۱۸۷
قم۔ جمہوری اسلامی ایران
فون نمبر: [illegible] ۷۷۴۱۷      فیکس نمبر: ۰۰۹۸-۲۵۱-۷۷۴۲۶۴۷
Email: ansarian@noornet.net
www.ansariyan.org&www.ansariyan.net

ISBN: 964-438-914-X
9789644389146